

سچی کہانی

اکتوبر
2014

کی پیمائش
باظرفیت

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوفناک، دہشت ناک، ہیبت ناک، پرہیزگار، حیرت ناک،
جبرائیل پر مبنی لاہور جٹ سوسائٹی کے مجموعہ

ماہنامہ سچی کہانی لاہور



چیف ایڈیٹر۔ ایم اے زاہد

ایڈیٹر۔ طاہر امین

ایڈیٹر معاون۔ محمد سرور چیل (اعزازی)

لیگل ایڈوائزر۔ حبیب یوسف ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)

جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 10

اکتوبر 2014ء

قلمی معاونین

..... محمد رضوان قیوم

..... بس کرن

..... رانا جی

..... فدا شاہین بھٹی

..... رفعت محمود

..... نسیم امتیاز

پبلیشرز۔ محمد امین زاہد

پرنٹرز۔ ملک عید محمد منوخی روڈ

قیمت فی شمارہ = 60 روپے

سالانہ قیمت بموجر جٹری

فیس = 1000 روپے

مقام اشاعت۔ ماہنامہ سچی کہانی لاہور مکان نمبر A-2 جعفر سٹریٹ نمبر 53 قادر پارک نواں کوٹ ملتان روڈ لاہور

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں، واقعات، مقام اور نام فرضی ہوتے ہیں۔ کسی قسم کی مشابہت اتفاقیہ ہوگی۔ اس سلسلے میں ادارہ سچی کہانی لاہور اور پرنٹرز پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ اگر مطبوعہ کہانیوں اور واقعات کے بارے میں ہمیں کوئی تردید ملی تو ہم اسے شائع کر دیں گے۔ (ادارہ سچی کہانی لاہور)

✉ خط و کتابت و ملاقات کے لیے ①

ماہنامہ سچی کہانی لاہور 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور۔ موبائل نمبر 0314-4008530

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 10

- 7 میری باتیں ایم اے زاہد
- 8 روح کی واپسی مس کرن
- 18 وہ سرد بھیا نک رات ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری
- 22 پراسرار حویلی واجد نگیونی
- 30 جادوگر رفعت محمود
- 40 پراسرار سیٹی اشفاق انور
- 50 میں واپس آؤں گا رانا جی
- 58 روح کا ملاپ فریحہ ملک
- 70 بیس برس بعد ضرعام محمود
- 84 حج اسلام کا عظیم الشان اجتماع فدا شاہین بھٹی
- 92 مجبوریاں ملک علی رضا
- 96 حیوانی انتقام محمد رضوان قیوم
- 114 ہماری جات والا عصمت چغتائی

ماہنامہ سچی کہانی لاہور اکتوبر 2014 قیمت = 60 روپے

- 124 انجانی راہوں کے مسافر انوار الحق طاہر
- 141 عائمہ کے ٹوٹکے عائمہ جبین
- 142 پیغامات ادارہ
- 145 روحانی دنیا سید راحت علی شاہ
- 156 پرائز بانڈ کی دنیا چاند بابو
- 160 بیوٹی کیئر فضا مہین
- 161 طب نبوی سے علاج حکیم شیخ محمد امین
- 171 قلمی دوستی ادارہ
- 177 ناقابل فراموش واقعات ادارہ
- 183 شاہدہ کا دسترخوان شاہدہ پروین
- 187 میری پسند نور العین عینی
- 193 غزلیں نظمیں معیزہ سحر
- 203 گلستان روبینہ کوثر
- 208 سچی کہانی کوئیز ادارہ

شرر بار

میرے وجود ہزار پارہ کو ایک کر دے

یہ شور کیا ہے؟
خامشی کے سیاہ کفن میں یہ شور کیا ہے؟
جو سماعت کے سارے پردوں کو چاک کر کے مری رگوں میں اُتر رہا ہے
اسے سلا دو

جواں اُمنگوں کے سرد لاشے
جمود کے مقبروں سے اُٹھے
تو کائناتی صداقتوں کے نقوش کو بے نشان کریں گے
زیاں کریں گے

وجود کا ناتواں گھوندا
بکھر گیا تو عتاب بن کر
حیات زنا آفتابی کرنوں کی ساری فضلیں لٹا دے گا
اُجاڑ دے گا

لہو کی رفتند
تیز سے تیز تر شرر بار
میری آنکھوں میں، میرے کانوں، میرے ہونٹوں پر
زخم پھینکار بن گئے ہیں

میرے بدن کی تہوں کے اندر ہزار ہا دل دھڑک دھڑک کر
غضب سے لٹکار بن گئے ہیں
ہے کوئی آواز؟ کوئی معنی؟ کوئی اشارہ؟
جو اس وجود پارہ کو ایک کر دے؟
سیدہ نزہت



سیلاب کی تباہ کاریاں اور اسلام ناچ گانے کی محفلیں شرمناک ہیں

سابقہ سیلابوں سے زیادہ اس سال سیلاب کی تباہ کاریاں شدت کے ساتھ جاری ہیں..... لاکھوں افراد کے گھر تباہ ہونے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں افراد موت کی وادی میں سو چکے ہیں۔ لاکھوں ایکٹر پر کھڑی فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ دوسری طرف طاہر القادری اور عمران خان کے اسلام آباد میں دھرنے جاری ہیں۔ پوری دنیا کی وی پرو دیکھ رہی ہے کہ عمران خان کے دھرنوں میں خواتین ناچ گانے میں مصروف ہیں۔ دھرنوں کو ایک ماہ سے زیادہ ہونے کے باوجود بھی کچھ حاصل نہ ہونے پر بھی جشن منایا جا رہا ہے..... آتش بازی کا شاندار مظاہرہ کیا جا رہا ہے..... یہ سب کچھ شرمناک ہے۔ جس پر پوری دنیا حیران رہ گئی ہے کہ ہمارے ہوئے سیاستدان عمران کی ان حرکتوں پر..... جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ ہم ت ہی کم ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ طاہر القادری اور عمران کو تباہ کاریوں کی کوئی پراہ نہیں ہے۔ اقتدار کے خواہش مندوں کو تو صرف اپنی سیاست چکانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ جو چور دروازے سے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں..... جمہوری طریقے سے نہیں۔ مگر یہ بات عمران خان یاد رکھیں ناچ گانوں اور قومی اداروں کو پامال کر کے بھی اقتدار نہیں ملتا۔

ایم اے زاہد

میں گمراہیوں میں جا رہی تھی لیکن شاید میری روح نیچے
پہنچنے سے قبل ہی بدن کی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ میں نیچے
کرتے اپنے بدن کو دیکھ رہی تھی اور میرا دل چاہا تھا کہ میں اسے اپنے
ہاتھوں میں لپک لوں۔ لیکن ان نادیدہ ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں تھی

روح کی واپسی

مس کرن

سڑکوں کو گھورتی رہی تھی۔ اس رات مجھے ڈیڈی کی
باتیں یاد آئی تھیں وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ پہلے شاہد
کو پرکھ لیا جائے اس کے بعد اسے آزادی دی جائے۔
شاہد میں آوارگی کے جراثیم تھے۔ وہ چھوٹا انسان تھا۔
ذہنی طور پر چھوٹا تھا اور ذہنی طور پر چھوٹے انسان کو
جب دولت مل جاتی ہے تو وہ بہت پست ہو جاتا ہے۔
لیکن تصور ڈیڈی کا بھی تھا۔ یہ سب کچھ تو انہیں
شادی سے قبل سوچنا چاہیے تھا۔ شاہد میری پسند تو نہیں
تھا۔ میں نے اس سے محبت تو نہیں کی تھی۔ بس ڈیڈی
اسے میرے سامنے لائے اور ایک خاص مقصد کے
تحت لائے۔ میں نے ان سے اعتراض نہیں کیا اور
وہی کچھ کیا جو ان کی اپنی خواہش تھی۔ لیکن اس خواہش
کی تکمیل کے بعد شاہد کے بارے میں شک و شبہ کیا
معنی رکھتا تھا۔ یہ تو ان کا فرض تھا کہ وہ اس کے بارے
میں مکمل معلومات حاصل کرتے اس کے بعد فیصلہ
کرتے اور حقیقت وہی نکلی۔

شاہد اب دولت میں کھیلنے لگا تھا اور یہ دولت

اس کے علاوہ شاہد میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما
ہوئی تھیں۔

ایک رات اس نے شراب بھی پی تھی۔ جس پر
پہلے تو مجھے حیرت ہوئی اور پھر شدید غصہ آیا۔ شاہد نے
مجھ سے معافی مانگ لی تھی۔ لیکن میں نے اچھی طرح
محسوس کیا تھا کہ اب اس کے وہ جذبات نہ رہے تھے
جو چند روز پہلے تھے۔ وہ مجھ سے کترانے لگا تھا اور
اکثر تنہا گھومنے نکل جاتا تھا۔ طرح طرح کے بہانے
تراشتا تھا۔

ایک بار مجھے شبہ ہوا تو میں نے اس کا تعاقب کیا
اور پہلی بار میرا دل کا خون ہو گیا۔ میں نے شاہد کو ایک
فرانسیسی عورت کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ دونوں بالآخر
ایک ہوئیں کے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔

میں نے کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی اور خاموشی
سے واپس آ گئی۔ اس رات شاہد ہوئیں سے واپس
نہیں آیا تھا۔ رات کو تیز بارش ہوئی تھی اور میں ساری
رات ہوئیں کے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی خاموش



شماره 9 اکتوبر 2014ء

میرا ذہن سپاٹ تھا۔ میں کوئی بات نہیں سوچ رہی تھی یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ ڈیڈی سے اس بارے میں بات کروں گی اور ان سے کہوں گی۔

’ڈیڈی! شاید کی طرف سے محتاط رہنا بے حد ضروری ہے۔ وہ اس مزاج کا انسان نہیں ہے جس کا ہم نے سمجھا تھا۔ وہ چھوٹا آدمی ہے اور یقیناً آئندہ بھی وہ چھوٹی حرکتیں کرے گا۔‘

گھر واپس پہنچی تو ایک عجیب سا ماحول پایا۔ ملازم سہے سہے تھے اور مجھے دیکھ کر بھونچکے سے ہو گئے تھے۔ پھر ہمارے دو دیرینہ ملازم میرے پاس آ کر رونے لگے اور میں دھک سے رہ گئی۔

”کیا بات ہے؟“

”آپ..... آپ..... آپ کو نہیں معلوم ہو سکا بی بی!“ فضل بابا نے پوچھا۔

”کیا نہیں معلوم ہو سکا؟“ میں متحیرانہ انداز میں بولی اور فضل کی بھنگی ہوئی آنکھیں مجھے کچھ بتانے لگیں..... میں نے وحشت زدہ انداز میں فضل بابا کو جھنجھوڑا دیا۔

”کس بارے میں کہہ رہے ہو فضل بابا! بتاتے کیوں نہیں؟“

”ہاں..... کیا ہو گیا صاحب کو.....؟“

”بی بی! وہ تو آپ کے جانے کے 15 دن کے بعد ہی..... بس دل کا دورہ پڑا تھا۔ آپ کو یاد کرتے کرتے..... فضل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور میرے حواس گم ہو گئے۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے کیا کچھ کیا اور کب تک کرتی رہی.....

ہوش آیا تو تنہا تھی بس ملازمین کے علاوہ اور کوئی

اب اس کی آنکھوں پر پردے گراتی جا رہی تھی۔

وہ صبح کو واپس آیا۔ چہرے پر شرمندگی اور گزری

ہوئی رات کی نوحہ کے آثار منجمد تھے۔ مجھ سے

آنکھیں نہیں ملا پارہا تھا۔ وہ پشیمان سے لہجے میں بولا۔

”مجھے احساس ہے کہ تمہیں بڑی تکلیف سے یہ

رات گزارنی پڑی ہوگی۔ لیکن میں کیا کروں چند لوگوں

سے شناسائی ہو گئی ہے۔ یہ ہمارے کاروباری بھی

ہیں۔ بس انہوں نے دعوت کر ڈالی تھی۔ پھر اسی دعوت

میں تھا کہ بارش شروع ہو گئی اور کچھ ایسی تیز ہوئی کہ

میں واپس نہ آ سکا۔“

بڑا گھٹیا بہانہ کیا تھا اس نے۔ لیکن میں نے اس

پر حقیقت منکشف نہیں کی۔ یہ نہیں بتایا کہ اسے کہ میں

اس کی اصلیت سے واقف ہو چکی ہوں۔ بس میں

نے ایک ہی بات کی۔

”شاید! ہم واپس چلیں گے۔“

”ایں..... کیا کہہ رہی ہوں۔“ میرا مقصد ہے

ابھی! ابھی سے! ابھی وقت ہی کتنا گزرا ہے؟“

”شاید! ہم واپس چلیں گے۔“ میں نے سرد

لہجے میں کہا اور وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں مجھے

دیکھنے لگا۔ اس وقت تو اس نے کچھ نہیں کہا لیکن بعد

میں خاصی برہمی کا اظہار کیا تھا۔

”ابھی تو ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ شبی!

اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو تم یہاں رک جاؤ میں

واپس چلی جاتی ہوں۔“ میں نے بدستور سختی سے کہا۔

”یہ کیسے ممکن ہے بھلا! اگر تم واپس ہی جانا

چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔“ اس نے بے دلی سے کہا

اور پھر نہایت بے دلی سے وہ واپس چل پڑا۔

”اطلاع..... وہ تو دے دی گئی تھی۔“ تنویر صاحب
تعب سے بولے۔

”کے دے دی گئی تھی.....؟“

”آپ سوئیز لینڈ میں تھیں۔ کیبل کا جواب
بھی ملا تھا۔ شاہد صاحب کی طرف سے۔“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں تنویر صاحب!“

”جوابی تار میرے پاس موجود ہے مکی بیٹی!“

”لے کر آئیں میرے پاس۔“ میں نے غصیلے

لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ غم وغصے سے میری

کیفیت بہت خراب ہو رہی تھی۔ تنویر صاحب اتنا بڑا

جھوٹ تو نہیں بول سکتے ہیں لیکن شاہد نے یہ بات

کیوں چھپائی مجھ سے..... اس نے اتنے عرصہ تک

مجھے کچھ نہیں بتایا اور پھر خود ہی میں نے اس کا جواب

بھی حاصل کر لیا۔ شاہد تو رنگ رلیاں منانے آیا تھا۔

وہ بھلا فوری واپسی کب پسند کرتا..... اسے خود بھی تو

واپس آنا پڑتا۔

تنویر صاحب نے شاہد کا جواب میرے سامنے

رکھ دیا۔ لکھا تھا۔

”سخت غم ہوا۔ شیمی غڈ ہال ہے۔ ابھی اسے

واپس لانا ٹھیک نہیں ہے۔ اسے بھلانے کے لیے رکنا

ضروری ہے۔ آپ تمام امور کی نگرانی کریں۔ شاہد۔“

”فریبی شاہد! کہاں ہے وہ.....؟ وہ کہاں ہے

تنویر صاحب!“

”معلوم نہیں بیٹی! وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔

تمام کام ان دنوں ان کا سیکرٹری حسن دیکھ رہا ہے۔

بڑی پریشانیاں ہوتی ہیں شاہد صاحب کے بغیر۔“

تنویر صاحب نے جواب دیا۔

نہیں تھا میرے پاس۔ شاہد بھی نہیں تھا۔ میں نے
نفاہت بھرے لہجے میں شاہد کے بارے میں پوچھا تو
بواشیراں نے بتایا کہ۔

”صاحب تو بہت کم گھر آتے ہیں بس کبھی دن
میں آ جاتے ہیں کبھی رات کو دفتری کاموں میں الجھے
رہتے ہیں۔“

غم والہم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے مجھ پر۔

ڈیڈی نے ساری زندگی مجھے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ دنیا

ترک کر دی تھی انہوں نے میرے لیے۔ لیکن میں

نے نئی زندگی پاتے ہی انہیں نظر انداز کر دیا تھا۔ میں

انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی اور میری جدائی وہ برداشت نہ

کر سکے..... لیکن ڈیڈی کے انتقال کو کئی ماہ گزر گئے

تھے۔ ہمیں خبر بھی نہ دی گئی حالانکہ بے شمار لوگ موجود

تھے۔ ملازم تھے ہمارے مجھے ان لوگوں پر شدید غصہ

آیا۔ میں نے اسی وقت تنویر صاحب کو فون کیا۔ تنویر

صاحب ہماری ایک فیکٹری کے مگران تھے۔ میں نے

بچپن سے انہیں دیکھا تھا۔ ڈیڈی ان پر بہت اعتماد

کرتے تھے۔

”تنویر صاحب! میں شیمی بول رہی ہوں۔“

”کیسی طبیعت ہے شیمی بیٹی! ڈاکٹر بتا رہے تھے

کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”ڈاکٹر اور طبیعت کو جہنم میں جھونکیں مجھے اس

بات کا جواب دیں کہ آپ کو ہمارے بارے میں

معلوم نہیں تھا.....؟“

”میں سمجھا نہیں بیٹی!“

”مجھے ڈیڈی کی موت کی اطلاع کیوں نہیں دی

گئی تھی.....؟“

”میں جانتی ہوں تم کتنے نیک نیت ہو..... اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”مجھے افسوس ہے شبنی! لیکن میری طرف سے غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ لوگ تمہیں برا رہے ہیں۔ تمہاری صحت پہلے ہی خراب ہے۔“

”کتنے دن کے بعد گھر آئے ہو؟“ میں نے طے سے پوچھا۔

”میری صحت کی طرف سے بہت فکر مند لگے ہو۔“ میں بدستور طنزیہ انداز میں بولی۔

”شبنی! میں سمجھ گیا ہوں..... میں جان گیا ہوں کہ کون تمہیں میرے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ لیکن شبنی

ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ گھر کے ملازمین اور دفاتروں میں کام کرنے والے طبقے کے لوگ گھسیا ہو۔

ہیں۔ ان کے ذہنوں میں صرف ایک بات ہوتی۔ کہ مالکان کی ہمدردیاں حاصل کریں اور اپنا مالی مفاد پورا کریں۔ تصویر صاحب بھی اس قسم کے لوگوں میں

سے ہیں۔ اب میرا تجربہ اتنا بھی محدود نہیں ہے۔ کہ میں انسانوں کے بارے میں اندازہ نہ لگا سکوں۔

تار انہوں نے محفوظ رکھا اور بالآخر تم تک پہنچا دیا اس کی وجہ پر غور کیا تم نے.....؟ وہ صرف تمہاری تو

چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تم ان کی ہمدردی پر غور کرو ان پر بھروسہ کرو۔ اس کے بعد وہ اپنے مسامحہ

تمہارے سامنے لائیں گے اور ظاہر ہے اس کے بعد اپنے ہمدردوں کے بارے میں نہ سوچو گی تو کس

بارے میں سوچو گی۔ یہ لوگ میری طرف سے تمہیں بہت زیادہ بہکا دیں گے چونکہ اسی میں ان

جیت ہے۔“

”باقاعدہ نظر نہیں آتا پھر کہاں رہتا ہے.....؟“

”خدا جانے.....“

میں سوچ میں ڈوب گئی۔ شاید کی فطرت نے واقف ہو گئی تھی ورنہ خوش فہمیوں کا شکار رہتی۔ تصویر

صاحب کے جانے کے بعد نہ جانے کب تک سوچتی رہی۔ پھر ملازموں کو بلا کر شاید کے بارے میں معلومات

حاصل کرنے لگی۔ پتہ چلا کہ وہ گھر میں بھی بہت کم نظر آتا ہے۔

بہر حال اس شام شاید واپس آ گیا۔ مجھے ہوش و حواس میں دیکھ کر اس نے کسی خاص جذبے کا

اظہار نہیں کیا تھا۔ بس یونہی رکی طور پر طبیعت پوچھ لی۔ لیکن میں نے تار اس کے سامنے رکھ دیا۔

”تم نے مجھے ڈیڈی کی موت کی اطلاع کیوں نہیں دی شاید.....؟“

”اوہ..... ی..... یہ کہاں سے آیا تمہارے پاس.....؟“

”یہ جواب ہے تمہارا؟“

”نہیں..... بس پوچھ رہا تھا۔ میری ہمت نہیں بڑی تھی شبنی! یہ غم ناک خبر میں تمہیں نہ سنا سکا۔

تمہیں صدمہ ہوتا۔“

”ڈیڈی مر چکے تھے اور ہم تقریحات مناتے پھر رہے تھے۔“ میں نے کہا۔

”یہ کیوں نہیں کہتے شاید! کہ تمہاری تقریحات ترک ہو جاتیں۔ تمہیں واپس آنا پڑتا۔ اس کا اعتراف

کیوں نہیں کرتے؟“

”تمہیں میری نیک نیتی پر شک نہیں کرنا چاہیے شبنی!“

زیادہ کچھ نہیں کہنا۔ تم اپنے ملازمین سے ربط رکھو۔ ان سے دوستیاں کرو۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر غور کرتی رہو مجھے ذلیل و رسوا سمجھو میں تمہیں اس سے نہیں روک سکتا۔“

شاید یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور میں اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ میں اس مکار آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ فرانس میں اگر میں اسے اس انداز میں نہ دیکھ لیتی تو شاید یہی سمجھتی کہ شاید کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے لیکن جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ غلط نہیں تھا اور اس کے بعد میں کسی حماقت کی شاکر نہیں ہو سکتی تھی۔ شاید پر قابو رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اس کی لگا میں کھینچنے رکھوں اور لگام کو کبھی ڈھیلا نہ ہونے دوں۔

یہ بات اس سے قبل مجھے نہیں معلوم تھی کہ ڈیڈی جائیداد کے بارے میں کوئی وصیت نامہ چھوڑ گئے ہیں نہ ہی میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی میری تو حالت ہی درست نہیں تھی لیکن شاید یہ بات بھی مجھے بتا گیا تھا۔ یقیناً اسے ان ساری چیزوں سے دلچسپی ہوگی۔ ڈیڈی کی بات نہ مان کر میں نے شدید نقصان اٹھایا تھا۔ اگر شاید کو باہر کی دنیا کی ہوائ لگتی تو شاید انسان ہی رہتا۔ لیکن میں نے اس کی اصلی تصویر دیکھ لی تھی اور اب میں شاید اس پر کبھی بھی بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ جو اب سے پہلے مجھے اس کی ذات پر تھا۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ ڈیڈی کر گئے ہیں اب اس سے قطعاً انحراف نہ ہوگا۔

شاید حسب معمول اپنی رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ میں اسے کسی بات کا پابند نہیں کر سکتی تھی۔ جب

”نہیں شاہد! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے تصویر صاحب کو یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آپ نے مجھے ڈیڈی کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“ میں نے چپچپے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اور شاہد لا جواب ہو گیا۔ ظاہر ہے بے چارے غریب صاحب کو یہ بات کیا معلوم تھی کہ شاہد نے مجھے ڈیڈی کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اس لیے شاہد کا یہ اعتراض خود بخود ختم ہو گیا تھا۔

”بہر صورت۔“ شاہد نے گہری سانس لے کر کہا۔

”میں محسوس کر رہا ہوں شمشی! کہ میرے لیے حالات بہت ناسازگار ہوتے جا رہے ہیں۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ شروع سے لے کر اب تک میں صرف ایک کھولنے کی حیثیت رکھتا ہوں۔ ڈیڈی مرحوم نے مجھے ایک تنہا آدمی پایا، اپنی بیٹی کے لیے ایک گھر داماد حاصل کر لیا۔ یہ سوچ کر کہ میں ان کا دست نگر ہوں گا اور ان کے احکامات پر عمل کرتا رہوں گا۔ ان کا انتقال ہو گیا تو ساری دولت اور ساری جائیداد وہ تمہارے نام کر گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ میں ایک اجنبی شخص ہوں اور اسی طرح ان کی بیٹی کا غلام بن کر رہ سکتا ہوں کہ اس کا دست نگر ہوں مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے شمشی! لیکن ایک حقیقت میں تمہارے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں وہ حیثیت حاصل نہیں کر سکا جو مجھے ملنی چاہیے تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں تمہارے گھر میں صرف ایک ڈمی ہوں اور شمشی! ڈمی بن کر انسان خوش نہیں رہ سکتا..... بس مجھے اس سے

”تمہیں یہ خبر کس نے دی ہے شبنم؟“

”مجھے میری بات کا جواب دو شاہد! مجھے صرف

جواب درکار ہے.....؟“

”وقت آگیا ہے شبنم! کہ میں تم پر اپنی حقیقت

کھول دوں۔ ہمارے دشمنوں نے ہمارے درمیان

ایک وسیع خلیج حائل کر دی ہے۔ اتنی وسیع کہ اگر

میں تمہیں حقیقت حال سے روشناس نہ کر دوں تو نہ

جانے کیا ہو جائے..... آؤ شبنم! براہ کرم اس وقت

تک کے لیے برے خیالات ذہن سے نکال دو۔

جب تک تم پر میری حقیقت واضح نہ ہو جائے۔ آؤ میں

اس سے قبل تم سے کچھ نہ کہوں گا۔“

کچھ ایسی اداکاری کی تھی اس نے نومی! میں۔

بیوقوف بن گئی۔ میں اس اسرار کو جاننے کی خواہاں

ہو گئی۔ جس کے بارے میں شاہد نے کہا تھا اور شاہد

مجھے اپنی کار میں لے آیا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور میرے

استفسار کے باوجود خاموش رہا تھا۔ بس اس نے ایک

جملہ کہا تھا۔

”چند لمحات توقف کرو شبنم! تم پر تمام حقیقتیں

عمیاں ہو جائیں گی۔“ میں اس کا فریب نہیں سمجھتی تھی

اور جس میں ڈوبی میں یہاں تک آگئی تھی۔ آخری

وقت تک میں اس کی چال نہ سمجھی۔ مجھے تو اس وقت

احساس ہوا جب شاہد نے مجھے اس پہاڑ کی چوٹی سے

نیچے دھکیل دیا تھا۔ میں گہرائیوں میں جا رہی تھی لیکن

شاید میری روح نیچے پہنچنے سے قبل ہی بدن کی قید سے

آزاد ہو گئی تھی۔ میں نیچے کرتے اپنے بدن کو دیکھ رہی

تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں اسے اپنے ہاتھوں میں

لپک لوں..... لیکن ان نادیدہ ہاتھوں میں اتنی قوت

دل چاہتا وہ گھر آ جاتا۔ جب دل چاہتا چلا جاتا۔

ابتداء میں میں نے اس سے پوچھا..... مگر کوئی تسلی

بخش جواب نہ پاسکی۔ کئی بار اس نے مجھ سے بڑی

بڑی رقیس وصول کی تھیں۔ اس کے علاوہ دفتر سے بھی

وہ رقیس حاصل کرتا رہتا تھا۔ جس کی اطلاع مجھے مل

جاتی تھی۔ لیکن میں چشم پوشی کرتی رہی۔ البتہ اس دن

میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ جب مجھے شاہد کی دوسری

شادی کی خبر ملی۔ شاہد نے ایک اور شادی کر لی تھی۔ نہ

جانے کب..... ممکن ہے مجھ سے شادی سے قبل ہی وہ

شادی شدہ ہو..... اس جیسے شخص کے بارے میں کیا

کہا جا سکتا تھا۔ یہ خبر مجھے ایک بالکل غیر متعلق آدمی

سے ملی تھی۔ یہ ایک اسٹیٹ بروکر تھا۔ جو شاہد سے

ملاقات کے لیے آیا تھا۔ شاہد نے اپنی بیوی کے لیے

ایک بنگلہ خریدا تھا۔ اس کے کاغذات کی تکمیل کے

لیے بروکر یہاں آگیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ میں

بھی شاہد کی بیوی ہوں۔ لیکن چند ایسی باتیں ہوئیں

کہ مجھے سب کچھ متلوم ہو گیا۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ

شاہد نے یہ بنگلہ اپنے بیٹے کے نام سے خریدا ہے۔

فراز شاہد! یہ اس کے بیٹے کا نام تھا۔ اسی بات سے

میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے مجھ سے قبل ہی وہ شادی

شدہ ہو۔

میں غم و غصے سے میں پاگل ہو گئی۔ شاہد آیا تو

میں طوفان بنی بیٹھی تھی جو اسے دیکھتے ہی بپھر گیا۔

”تم پہلے سے شادی شدہ ہو شاہد! میری تقدیر

پھوڑنے کے بعد تم نے یہ شادی کی تھی.....؟ جواب دو

شاہد!“ شاہد کا چہرہ اتر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

مجھے دیکھنے لگا لیکن پھر سنبھل گیا۔

نہیں تھی۔ میرا بدن پانی میں آگرا اور یہاں لگی ہوئی

جھاڑیوں میں انک گیا۔ یہ جھاڑیاں اب یہاں نہیں ہیں پہلے تھیں۔ میرا وجود بہت ہلکا ہو گیا تھا۔ میں ہر فکر سے بے نیاز ہو گئی تھی اور..... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا کوئی خیال ہی نہیں آیا مجھے۔ لیکن نومی اس وقت نہ جانے کیوں مجھے سب یاد آ رہا ہے..... یہ سب کچھ.....

ہمیشہ شرارتوں پر آمادہ رہنے والا نومی بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”آؤ دیکھیں شیخی! اب وہ لوگ کیا کر رہے ہیں دیکھو تو سہی..... پتہ تو چلے کہ شاہد اب کس حال میں ہے۔“

دھتھا میرے دل میں بھی شاہد کو دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی اور اس بار میں تیار ہو گئی۔ نومی میرے ساتھ پرواز کر رہا تھا۔

”ہم اس تک کیسے پہنچ سکیں گے نومی؟“

”ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ چلتی رہو میرے ساتھ۔ میں تمہیں شاہد کی رہائش گاہ کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دوں گا۔ آؤ چلتی رہو۔“

یہ وہ گھر نہیں تھا جہاں میں اپنے ڈیڈی کے ساتھ رہتی تھی کوئی نئی جگہ تھی۔ لیکن بے حد خوبصورت پہلی کٹھی سے ہزار درجے حسین اور کشادہ۔ سامنے کی سمت ایک بڑا لان تھا۔ ایک طرف چھوٹے چھوٹے کوارٹر بنے ہوئے تھے جو ملازمین کے لیے تھے۔ مالکان کے حصے کی رونق دیکھنے کے قابل تھی۔ ملازم ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ خوب چہل پہل

تھی۔

نومی ایک گھنے درخت کی شاخ پر الٹا جالٹا۔
”اب تم جاؤ تمہارا کام یہ دنیا تمہاری ہے۔“
اس نے کہا۔

”یہ شاہد کی کٹھی ہے۔ مگر شاہد کہاں ہے؟“
”تلاش کرو۔“ منہوس نومی پھر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسنے کی عادت بھلا کہاں جا سکتی تھی۔ میں اس اجنبی ماحول میں حیران تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جاؤں..... کیا کروں..... بہر حال وہاں سے آگے بڑھ گئی اور اصل رہائش گاہ کی عقبی سمت نکل آئی۔ اس سمت ایک اور عمارت بنی ہوئی تھی۔ چھوٹی سی عمارت جو الگ تھلگ تھی۔ اس کا بڑا سار وازہ بند تھا مجھے شاہد کی تلاش تھی۔ شاہد کہاں ہے.....؟

ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ مجھے کچھ لوگ اس طرف آتے نظر آئے۔ وہ اچانک گھوم کر سامنے آ گئے تھے۔ اس لیے میں خود کو ان سے چھپا بھی نہیں سکی۔ چند نوجوان لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا اور یہ نوجوان لڑکا شاہد تھا۔ خوبصورت، خوب رو شاہد، جو پہلے سے زیادہ حسین، پہلے سے زیادہ جوان نظر آ رہا تھا۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی..... آہ.....! کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا وہ۔

ان لوگوں نے مجھے دیکھا اور ٹھٹک گئے۔ پھر آگے بڑھ آئے۔

”آپ.....! آپ شاید بھٹک کر ادھر آ گئی ہیں خاتون! ملازموں نے آپ کو گائیڈ نہیں کیا..... کس سے ملنا ہے آپ کو.....؟“ شاہد نے معصومیت سے پوچھا۔

دونوں پھینک پھرنے لگ چکے ہیں۔ ہر وقت خون تھوکتے ہیں۔ دراصل انہوں نے اپنی صحت اپنے ہاتھوں ستاہ کی ہے۔ شراب کی زیادتی کی اور اب بھی باز نہیں آتے۔“ نو جوان کے لہجے میں بے زاری تھی۔

”تو کسی ہسپتال میں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”جی نہیں گھر پر ہیں۔ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔“ نو جوان نے کہا۔

”میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”اپنی دشمن ہیں آپ؟“

”کیوں.....؟“ میں نے کہا۔

”ان کا مرض شدت اختیار کر چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے ہدایت کر دی ہے کہ ان سے قطعاً دور رہا جائے۔ ورنہ کوئی بھی اس مرض کا شکار ہو سکتا ہے۔“

”ہسپتال میں کیوں نہیں رکھا آپ نے انہیں؟“
”ہسپتال..... وہ.....“ کہتے ہیں۔ موت

سے انہیں شدید خوف محسوس ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہسپتال میں انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ کئی بار انہیں ہسپتال اور سینی ٹوریم بھیجا..... لیکن بھاگ آتے ہیں وہاں سے۔ بس یہ بوڑھے لوگ بعض اوقات اولاد کے لیے درد سر بن جاتے ہیں۔ لا پرواہ ہو جاؤ تو زمانہ اخلاقیات کے لاکھوں سبق دہرا دے گا لیکن.....“

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاہد کا بیٹا بول رہا تھا۔ شاہد کا گناہ بول رہا تھا۔ یہ شاہد کی حیثیت تھی اس گھر میں جو میری دولت کو نصب کر کے حاصل کیا گیا تھا۔ ان کے لیے شاہد نے مجھے قتل کیا تھا۔ اسے اس کے لیے سزا تو ملنی ہی چاہیے تھی۔ قدرت کسی ظالم کو اس طرح تو نہیں چھوڑ دیتی۔ مجھے انوکھا

میں بنو اسے دیکھ رہی تھی۔ میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ کجخت کو گمان بھی نہیں ہوگا کہ یہ میں ہوں۔

”کس سے ملنا ہے آپ کو.....؟“ شاہد نے پھر پوچھا۔

”کسی سے نہیں..... یونہی آگئی تھی۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”یونہی.....؟“ شاہد حیرانی سے بولا۔

”تم..... تم شاہد ہونا.....؟“ میں نے تلخ مسکراہٹ سے پوچھا اور شاہد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”فراز شاہد شاہد میرے والد کا نام ہے۔“ اس نے جواب دیا اور میں چونک پڑی۔ مجھ سے بھی تو حماقت ہوئی تھی۔ میرا بھول ہی گئی تھی۔ کوئی آج کی بات تھوڑی تھی ساہا سال بیت گئے تھے۔ طویل عرصہ

گا۔ بوڑھا ہو گیا ہوگا 25 سال کم تو نہیں ہوتے..... تو یہ شاہد کا بیٹا ہے فراز شاہد۔

وہ سب مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھر فراز نے پوچھا۔

”آپ کون ہیں.....؟“

”میں..... میں آپ کے والد سے ملنا چاہتی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ..... خاتون! شاید آپ کسی دوسرے شہر سے آئی ہیں اور شاید آپ کو میرے والد کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔“ فراز نے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ میں نے پوچھا۔
”وہ بیمار ہیں، شدید بیمار، ٹی بی ہے انہیں۔“

سکون محسوس ہوا۔

وہ بڑی اپنائیت سے آگے بڑھ کر بولا۔

”تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے آپ صبح

جلد پہنچ گئی ہیں بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ یہاں تک

آئیں۔ ہم سب آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔“ پھر

فراز نے اپنی ساتھی لڑکیوں سے میرا تعارف کرایا۔

”یہ میری بہن عذرا شاہد ہے یہ جیسے شاہد اور یہ

خواتین ان دونوں لڑکیوں کی سہیلیاں ہیں اور آپ؟“

اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔ میں اس جھرمٹ

میں ایک نام بھی گھڑچکی تھی۔

”میرا نام ماریہ ہے۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ماریہ!“ فراز

نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ”اور خاص طور سے اس لیے کہ

اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گی۔ آئیے میں آپ کو مٹی

سے ملاؤں۔ مگر یوں کریں۔ عذرا تم گیٹ روم کھلو

دو۔ مس ماریہ کو پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہونے

دیں۔ اس کے بعد انہیں مٹی سے ملائیں گے۔ جاؤ

کوئی تکلیف نہ ہوس ماریہ کو۔“

”آئیے۔“ عذرا نامی لڑکی نے کہا۔ جو فراز کی

بہن تھی اور میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ نوی کا قبضہ

پھر میرے کانوں میں ابھرا تھا۔ یہ شریہ شخص نے میری

اس حرکت سے بہت خوش ہوا ہوگا۔ میں اس کی

فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

لیڈیز گیٹ روم اس کوٹھی کے شایاں شان تھا۔

عذرا مجھے ایک خوبصورت کمرے میں چھوڑ گئی۔ اس

نے میرے سامان کے بارے میں پوچھا۔

(جاری ہے)



”تو شاہد کی تیار داری کون کرتا ہے؟“

”بس ایک بڑے میاں ہیں ہمارے پرانے

ملازم۔ میرے بچپن سے ساتھ ہیں۔ دونوں بوڑھے

موت کے منتظر ہیں۔“ فراز مسکرا کر بولا۔

”کہاں ہیں وہ.....؟“ میں نے پوچھا اور فراز

نے اس الگ تھلگ عمارت کی طرف اشارہ کر دیا جو

میرے عقب میں تھی۔

”وہاں..... شاید ڈیڈی نے یہ عمارت اسی لیے

تعمیر کرائی تھی اور کوئی مصرف تو نہیں ہو سکتا اس کا۔ مگر

خاتون! میں نے آپ کے سوالات کے جواب تو

دے دیئے۔ اب میری باری ہے۔ اپنے بارے میں تو

کچھ بتائیں آپ۔ آپ کا محل وقوع کیا ہے.....؟“

”میں.....؟“ میں نے ایک گہری سانس لی۔

جھوٹ ہی بولا جاسکتا تھا ان سب سے حقیقتوں کو برداشت

کرنے کی ہمت کہاں ہوں گی ان میں۔ چنانچہ میں

نے کہا۔

”میں ایک ستم رسیدہ ہوں، بے حد بد نصیب“

یورپ میں رہتی تھی۔ میرے والد صاحب شاہد صاحب

کے دوست تھے۔ ان کے سوا میرا کوئی نہیں تھا اس

جہاں میں۔ لاکھوں روپے کی دولت کی وارث ہوں

لیکن اس جہاں میں ایک دتہا ہوں۔ اپنوں کے لیے

ترستی ہوئی۔ مرتے ہوئے والد صاحب نے کہا تھا کہ

ان کے دوست شاہد کے پاس چلی جاؤں۔ نہ جانے

کتنی وقتوں کے بعد یہاں تک آئی ہوں لیکن اب

اب کیا کروں.....؟“

فراز کے چہرے پر ہمدردی کے آثار پھیل گئے۔

ایک پندرہ فٹ کے سیلا بھوت نے جس کی زبان باہر لٹکتی ہوئی نظر آرہی تھی..... دانت باہر..... لباس کے نام پر پوزے جسم پر صرف ایک لنگوٹ بندھا ہوا بن مانس کی مانند سارے جسم پر کالے لمبے بال نے ہمیں سلاخ سمیت حصار سے باہر کھینچ لیا اور میں اڑتا ہوا بیس تیس فٹ دور قبروں پر بھد سے جا کر گرا

وہ سرد بھیانک رات

کھ..... ڈاکٹر سید نعیم احمد ادیب جعفری

سال رہی ہوگی۔

دن پر دن یونہی گزرتے رہے ماموں جان کی چلہ کشی، ریاضت و عبادت جاری رہتی اور میں رفتہ رفتہ ان کا مرید و معتقد ہوتا چلا گیا..... انہی دنوں کثرت سے ایک قدیم کتاب جو کہ تسخیر جن بھوت و ہمزاد سے متعلق تھی، میرے زیر مطالعہ رہی..... بس اب سر میں سودا سماتا چلا گیا کہ ہم بھی کسی جن بھوت کو قابو میں کریں تاکہ وہ چشم زدن میں ہمارے تمام کام کر دیا کرے.....! ہم نے اپنی خواہش کا اظہار دب لفظوں میں اپنے ماموں جان سے بھی کر دیا۔ شروع میں تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا لیکن میرے روز روز کے اصرار پر آخر انہیں ہتھیار ڈالنے ہی پڑے.....

دسمبر کی بخ بستہ راتیں اور دھند میں اٹے دن تھے..... نوچندی جمعرات کی شام کو انہوں نے مجھے تیار رہنے کو کہا۔ دل بلیوں اچھل رہا تھا اور رواں رواں مسرت سے سرشار تھا..... میری نظر میں شاید یہ سب کچھ کھیل تماشے سے زیادہ حشیت نہیں رکھتا تھا..... رات گہری ہوتے ہی ماموں جان ہمیں اور اپنے

یہ ان دنوں کی بات ہے جب آتش جوان تھا..... مجھے ان دنوں عملیات سیکھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا..... اور میرے اس شوق کو ابھارنے میں میرے مرحوم و شفیق ماموں جان ایوب لکھنوی اور ان کی عملیات و وظائف پر مشتمل کتب کا زیادہ عمل دخل رہا..... بلاشبہ وہ میرے ماموں اور استاد ہی نہیں تھے بلکہ ان کی شخصیت بطور عامل و ماہر روحانیات بھی مسلمہ تھی.....

قارئین! جو واقعہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے جا رہا ہوں یہ بالکل سچا اور مبنی بر حقیقت ہے۔ ان لفظوں کی صداقت و سچائی کے ثبوت لیے میں خود آپ میں موجود ہوں..... ان دنوں ہم موضع کٹھوگھن ضلع فتح ریکری یو پی میں قیام پذیر تھے..... ہماری تانی اماں کا گھر انہیں بھرا پڑا تھا اور اس میں ماموں ایوب کی حیثیت ایک روشن چراغ کی سی تھی..... عملیات سے میری خاص الخاص دلچسپی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مجھے اپنی کتب کے مطالعے کی اجازت دے رکھی تھی..... اس وقت میری عمر یہی کوئی سترہ



عملیات سے متعلق ساز و سامان کو ساتھ لے کر
قبرستان کی جانب چل پڑے۔ ان دنوں قبروں کو پکا
کرنے کا رواج قطعاً نہیں تھا۔ وہ عام رات نہیں بلکہ
ایک کھٹکھو رسیاہ سنائے بھری تاریک ترین رات تھی
ہڈیوں کا گودا تک جمادینے والی ٹھنڈی رات..... ہم
دونوں کپڑوں میں ملبوس ٹھہرتے ہوئے چلے جا رہے
تھے..... چلتے چلتے ہم قبرستان پہنچ گئے۔ قبرستان پہنچ
کر ماموں جان نے جان بوجھ کر یا شاید عمل کے

سلاخ کو حصار کے دائرے سے باہر جلتی ہوئی آگ پر مار کر دیکھنا چاہیے کہ کیا ہوتا ہے؟“ بس اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے وظیفہ پڑھا..... سلاخ پر دم کیا اور جیسے ہی سلاخ کو باہر جلتی آگ پر مارنے کے لیے اپنے حفاظتی دائرے سے ہاتھ باہر نکالا..... ایک پندرہ فٹ کے سیاہ بھوت نے جس کی زبان باہر لٹکتی ہوئی نظر آ رہی تھی..... دانت باہر..... لباس کے نام پر پورے جسم پر صرف ایک لنگوٹ بندھا ہوا..... بن کی مانند سارے جسم پر کالے لمبے بال نے ہمیں سلاخ سمیت حصار سے باہر کھینچ لیا اور میں اڑتا ہوا بیس تیس فٹ دور قبروں پر بھد سے جا کر گر..... اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا.....

ہوش میں آنے کے بعد تمام گھر والوں کو اپنی مسہری کے اطراف میں پایا۔ بعد میں گھر والوں نے بتایا کہ۔

”مجھے پورے تین دن بعد ہوش آیا تھا۔ کامل 17 دن میں بخار میں پھنکتا رہا..... اور اس دن کے واقعہ کے بعد میں چھ ماہ تک میری یہ کیفیت رہتی کہ میں الناسیدھا اور ہذیان بکتا رہتا.....

خدا خدا کر کے وہ بھی ایک دن گزر ہی گئے۔ آج میں برصغیر پاک و ہند کا نامور عامل ہوں۔ صرف اس نکتہ راز کی بدولت کہ استاد و مرشد کے حکم سے کبھی ادھر ادھر ایک انچ بھی نہیں ہوتا۔

عالم و عامل با عمل محترم ماموں جان ایوب لکھنوی کو خدائے قہار غریقِ رحمت کرے (آمین)



تھانے کے تحت ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں کا ماحول پہلے ہی بوجھل تھا۔ ایک ٹنڈ منڈ درخت اور چند شکستہ ٹوٹی پھوٹی قبریں اپنا حال آپ بیان کرتی نظر آ رہی تھیں..... بقول استاد محترم (ماموں جان) کے۔

”ہمیں یہیں چوکی جمانا ہوگی۔“ عملیات کی دنیا کے اصطلاحات میں چوکی جمانا یا بٹھانا سے مراد وظیفہ یا چلہ کشی کی مخصوص جگہ پر ساز و سامان کے ساتھ بیٹھنا ہوتا ہے۔

ماموں جان نے چلہ کشی کے لیے حصار (ایک حفاظتی دائرہ جس میں عامل بیٹھ کر اپنے وظائف پڑھتے یا منتر جنتروں کا جاپ کرتے ہیں) بنا کر ہمیں بٹھا دیا۔ اب انہوں نے حصار کے باہر کی جانب آگ روشن کر دی۔ میرے ہاتھ میں لوہے کی ایک سلاخ تھی۔ جسے مجھے پڑھائی کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ دم کر کے دائرے کے اندر مارتے رہنا تھا۔

پہلی رات تین گھنٹے کا یہ عمل میں نے کامیابی کے ساتھ کیا..... دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا..... الغرض یونہی سات روز گزر گئے..... یہ آٹھویں دن کا ذکر ہے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے وظیفہ پڑھتے رہنے کے ساتھ ساتھ سلاخ پر دم کر کے حصار کے دائرے کے اندر کی جانب مارتے رہنا تھا۔ نجانے اس روز مجھے کیا ہوا.....؟ سر میں کون سا سودا سایا.....؟ کیا ہوا تھا میرے حواس کو میں نہیں جانتا‘ بس میرے دماغ میں آیا کہ۔

”اتنے دنوں سے تسخیرِ جنات بھوت پریت کا عمل کیے جا رہا ہوں یہ سب ڈھونگ ڈھوسلا ہے۔ آج

دنیا کی بہترین خوفناک پراسرار دہشت ناک
حیرت ناک وحشت ناک دل کو ہلا کر رو نگٹے
کھڑے کر دینے والی کہانیوں کا مجموعہ
”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“

ماہنامہ سچی کہانی لاہور نے بہت جلد قارئین میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اب ملک بھر میں ”سچی کہانی“ قارئین کا پسندیدہ میگزین بن چکا ہے۔ سچی کہانی کا ہر شمارہ بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی پروڈکشن عوام میں مقبولیت حاصل کرے تو اپنی مصنوعات کو شہرت کی بلندیوں پر لانے کے لیے آپ ”سچی کہانی“ میں اشتہار دیجئے۔

نرخ اشتہارات

15000 روپے

ایک صفحہ کلر اشتہار فل صفحہ

12000 روپے

ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ

10000 روپے

ایک ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ

4000 روپے

بلیک اینڈ وائٹ فل صفحہ

2000 روپے

بلیک اینڈ وائٹ آدھا صفحہ

✽ اگر آپ ”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“ میں اپنے اشتہارات شائع کرانا چاہتے ہیں تو ”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“ کے نام ڈرافٹ بنا کر ہمراہ اپنا اشتہار ہمیں ارسال کریں۔ اپنے اشتہارات ہر ماہ کی یکم تاریخ تک ارسال کریں۔

ایک سال کے لیے اشتہارات پر 20% فی صدر عایت دی جائے گی۔

رابطہ۔ ماہنامہ ”سچی کہانی“ 29 حبیب بینک بلڈنگ چونک اردو بازار لاہور



0314-4008530 رابطہ نمبر



پراسرار حوبلی

کچھ..... واجد نیکوئی

”اچھا تو مجھے اس مبینہ کی تنخواہ ملنے پر وہ ساڑھی لادو گے جو کہ پڑوسن پہن کر کبھی کبھی آتی ہے اور تم لپچاتی ہوئی نگاہوں سے پتا نہیں ساڑھی کو دیکھتے ہو یا پڑوسن کو؟“ شہنشاہی عرف بٹو نے عجیب نگاہوں سے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو دیکھا۔ میری رانی! تو مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہے۔ ارے پڑوسن کو تو اس لئے دیکھا کرتا ہوں کہ وہ نئی ساڑھی پہن کر کبھی تیری خوبصورتی کا مقابلہ نہیں کر پاتی“ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے بھی کوئی گھاس نہیں کاٹی تھی۔ آخر کو تھا پولیس کا جوان۔

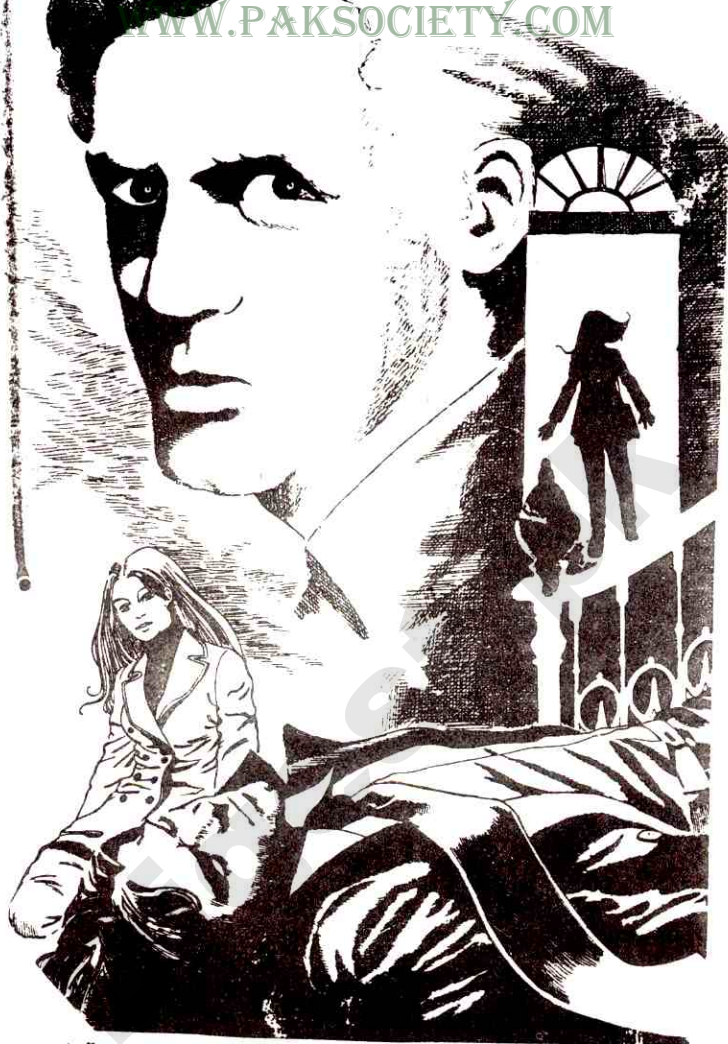
Against police Department
لکھنا شروع کر دیا تھا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی مصروفیات میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ ذہنی طور پر پریشانیوں اور الجھنیں بڑھ رہی تھیں۔ چاروں طرف ہاتھ پیر مارنے کے باوجود کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا تھا سوال سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے وقار کا پیدا ہو گیا تھا۔

عام شہریوں Ordinary civilians اور ممبران اسمبلی و پارلیمنٹ میں عجیب عجیب چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ضلع کے اعلیٰ حکام کے لئے بھی شرم کا مقام تھا کیونکہ بات وزراء Ministers کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کئی دنوں

”تم نے کئی بار مجھے سینما دکھانے اور نقوی پارک گھمانے کے لئے وعدہ Promise کیا لیکن ایک دفعہ بھی جلد گھر نہیں آئے“۔ زوجہ محترمہ شہنشاہی عرف بٹو نے اپنی تمام شکایات کا آج مداوا کرنا چاہا۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مجھے دفتر سے سیرپائے کی فرصت ہی کب ملتی ہے۔ دوسرے میں نہیں چاہتا کہ تیرا یہ تازک سا کو بھی جیسا بدن پہنے پھرنے سے ہلکا ہو جائے تیسرے یہ کہ سینما اور پارکوں میں گھومنے والے لوگ تجھے لپچائی ہوئی بری نگاہوں سے دیکھیں گے اور خاص طور پر خواتین تیری ناروغ البال جوانی سے حسد کرنے لگیں گی اور ہو سکتا ہے تجھے نظر لگ جائے تیرے بغیر تو میں اس دنیا میں نہ بھی نہیں رہ سکتا اب بتا کیا تو پارکوں میں گھومنا اور سینما دیکھنا پسند



Laziness بھلے ہی دور ہو گئی تھی لیکن دماغ کچھ
 Sleeping بو جھل بو جھل سا تھا۔ سلیپنگ گاؤں
 Gauoon اپنے جسم پر ڈال کر گھر سے باہر ہوا
 خوری کے لئے نکل پڑا۔
 نقوی پرانا اسپتال کے عقب میں کافی جھاڑ

سے دفتر نہیں جا رہا تھا اور اپنے نجی طور پر معاملہ سے
 نپٹنے کے لئے To cover case
 privately حتی الوسع کوششوں میں سرگرداں تھا
 گزشتہ شب زیادہ دیر جاگنے کی وجہ سے دس بجے سو کر
 اٹھا، ایک سرسری، نظر اخبار روز نامہ گینے ٹائمر پر ڈالی
 منہ دھو کر ناشتہ سے فارغ ہوا۔ نہانے سے سستی

بہر حال اسے اس معاملے کی چھان بین بھی اسی مقام سے ہی شروع کرنی تھی۔ جب Pocket سے محدب شیشہ نکالا اس نے پھر دیکھنا چاہا لیکن اگی ہوئی خود رو گھاس کے علاوہ قدموں وغیرہ کے نشانات دیکھنا ممکن Possible نہیں تھا۔

اس نے آس پاس گھوم کر کچھ اور چیز تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر وہاں سے ناامید Hopless ہو کر اس نے مل چلائے کسانوں کی طرف رجوع Atract ہوا۔ فردا فردا ہر ایک سے معلوم کرنے پر کہ ان کی مستورات Women یا جان بیچان والوں میں سے تو کوئی زیور Jewellery پہن کر وہاں نہیں آتی جواب نفی میں ملا۔

گلینڈ یونین بینک کے منیجر سید حسن مہدی کو پازیب دکھانے پر اس کا خیال صحیح ہی نکلا۔ وہ چوری ہو جانے والے زیورات Theft Jewelleris میں سے ایک تھی۔ اگرچہ ان وارداتوں کا سراغ لگانے میں پہلی کامیابی اسے ہوئی تھی لیکن ابھی تک وہ اندھیرے میں تھا۔ وہ نہ تو یہ جان سکا تھا کہ چوری میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے اور وہ کہاں رہتے ہیں؟

بہر حال اب اسے کامیابی کی ایک کرن نظر آتی تھی۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ چور اس جگہ سے ضرور گزرے ہوئے جہاں پازیب پائی گئی۔ ہو سکتا ہے چوروں Thieves نے اس رات اس علاقے کی خاموشی اندھیرے اور جھاڑ جھنکار سے فائدہ اٹھایا ہو حقیقت میں یہ جگہ تھی بھی محفوظ سی دن میں ہی سناٹا سا رہتا تھا۔ رات کو عام لوگوں کے گزرنے کا سوال

جھنکار تھا دور سے پیر جی سید مظہر بخش نقوی کا مقبرہ Tomb آسانی سے نظر نہیں آتا تھا۔ ان جھاڑیوں Bushes میں جنگلی خرگوش اور تیرتے تھے۔ چڑیاں بھی بکثرت رہتی تھیں۔ اس طرف روشنی کا معقول انتظام Proper Arrangement نہ ہونے کی وجہ سے رات کا منظر Scene of night انتہائی ڈراؤنا ہوتا۔ گیدڑ Jackals اور جنگلی جانور اپنی دہشت ناک آوازوں کی ریہرسل کیا کرتے تھے۔

موسم میں ابھی کچھ ٹھنڈک موجود تھی۔ اس لئے دن کی دھوپ Sun light تگوار خاطر ہونے کی بجائے ایک لذت بخشی تھی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی خراماں خراماں گھاس کو روندنا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کھیتوں کے اس پار بانسوں Bamboos کے جنگلات Forests کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ایک بار چھن کی سی آواز ہوئی۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کا جوتا کسی چیز سے ٹکرا گیا تھا۔ دور خلاؤں میں بھٹکا ہوا سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی چونک پڑا۔ جھک کر Bending ہاتھ میں اٹھانے والی چیز پازیب تھی۔ یہ اندازہ لگانے میں سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کو زیادہ دیر نہ لگی کہ یہ سونے Gold کی ہے۔

لیکن یہ مرحلہ اس کیلئے پریشان کن تھا کہ یہ یہاں کیسے پہنچی؟ اور اس کا مالک کون ہو سکتا ہے؟ دور دور تک نگاہیں دوڑانے کے باوجود اسے سوائے کھیتوں میں مل چلائے دہقانوں Farmers کے اور کوئی نظر نہیں آیا۔

ہی کب اٹھتا ہے؟

نقوی پرانا اسپتال کی عمارت سے سامنے نظر
آجے والے بانس کے جنگلات پر اس کا شبہ
Doubt تھا اور پورا پورا یقین بھی کہ چور لیروں کا
اڈا یہی جگہ ہو سکتی ہے۔ ان جنگلات کے گھنے پن
Density سے ضرور ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہوگا؟
اب اس کے سامنے ایک ہی سوال باقی تھا کہ
کب اور کس طرح پورے جنگل کا محاصرہ کر کے اس
کے پناہ گزینوں کو حراست Arrest میں لیا جائے
آج صبح سویرے Early morning ہی
سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بستر چھوڑ
دیا۔ نیم گرم پانی سے غسل Bath کیا۔ ناشتہ
Break fast کبھی کامیز پر لگ چکا تھا۔ جسم میں
چستی و توانائی Smartness and
energy کچھ زیادہ ہی عود کر آئی تھی۔

بتائے ہوئے وقت کے مطابق
According calling time ڈرائیور
Driver نے گاڑی لا کر دروازے سے لگا دی۔
ہارن کی آواز سن کر Hearing of horn
سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی
آمد سے By arrival مطلع ہو چکا تھا۔ تصدیق
نواب سید قاسم حسین زیدی کے ملازم عزیز نے آکر
دی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے عزیز
کے ہاتھ ڈرائیور سید علی مہدی نقوی کے لئے چائے
اور کھانے کے لئے پراٹھے وغیرہ بھجوائے دفتر کا عملہ
Staff سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی سے
مانوس ہو چکا تھا۔ حالانکہ اسے نگینہ شہر میں آئے اچھا

خاصا عرصہ ہو چکا تھا لیکن ہاتھوں
Assitstants کے ساتھ اس نے کبھی سختی نہیں
برتی۔ ہمیشہ نرمی سے Politely پیش آیا وہ آفیسر
اندرب داب کا قائل نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ عوامی
خادم اور ملازم ہم سب ہی ہیں خواہ بڑا آفیسر ہو یا
معمولی کلرک Ordinary clerck یا ڈرائیور
سب کو اپنی ڈیوٹی Duty خوش اسلوبی سے دیتے
رہنا چاہئے اور کام کو عمدگی سے انجام دینے کے لئے
سب کا تعاون Cowperate ضروری ہے اور
کچھ ہی دیر بعد کار بڑی تیزی سے شہر City کی
طرف دوڑ رہی تھی۔ کل تمام دن سی آئی ڈی انسپکٹر سید
واجد حسین نقوی نے عادی مجرموں Habitual
Criminals کے پرانے فائلوں Files کی
ورق گردانی کی تھی۔ ہر ایک عادی مجرم کے چہرے
کے نقش کا بغور مطالعہ Carefully
study کیا۔

مجرموں کی ہسٹری شیٹ History
sheet سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اب یہ
ذرا مشکل ہی تھا۔ کہ کوئی عادی مجرم اس کی نظر سے
چوٹک جائے۔ آج کی مہم کے لئے انسپکٹر واجد نے تن
تباہی بیڑا اٹھایا تھا۔ بھیڑ بھاڑ اس کے خیال میں صحیح
تفتیش کے لئے مناسب نہیں تھی۔

آج کا خاص کام سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد
حسین نقوی کے لئے نگینہ شہر کے تمام محلوک لوگوں کو
چیک Check کرنا تھا۔ احتیاطی تدابیر کے پیش
نظر مختلف محلوں کے غنڈوں اور عادی مجرموں کو پہلے
ہی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی ایماء پر
گرفتار کیا جا چکا تھا۔ اب صرف ان لوگوں کی انکوائری

ماڈل کی کھڑی تھیں۔

برآمدے میں جی دھول اور کبوتروں کی بیٹیں تھیں۔ اس کے علاوہ سلیں یہ بتا رہی تھی کہ مالک مکان Owner کتنی بے پرواہ طبیعت کا انسان ہے۔ صفائی کی طرف سے کتنا غافل Careless رہتا ہے۔ کواڑ Door پر چاک سے دلکش لکھا ہوا تھا۔

دروازہ پر بہیم دستک Knocking دینے کے بعد ایک عجب پر اسرار شخص Stranger person برآمد ہوا تمام جسم پر بڑے بڑے چھلے دار بال Culging Hairs تہمند باندھے اور ایک بنیان بننے جسامت میں دیو قامت انسان بڑی پر عجب شخصیت کے ساتھ کھڑا تھا۔

”آئیے اندر تشریف لے آئے“ اجنبی فرد نے کہا اور سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی بغیر کسی جھجک کے اس کے پیچھے ہو گیا۔ ”تشریف رکھیے“ چند بوسیدہ کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجنبی نے کہا شکریہ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے جواب دیا۔

برابر کے کمرے میں شاید اور لوگ بھی موجود تھے۔ مہم مہم دھیرے دھیرے گفتگو کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

”اب آپ فرمائیے، کیسے تکلیف کی؟“ اجنبی پر اسرار شخص نے کھڑے کھڑے دریافت کیا۔

”میں کوآپریٹو سوسائٹی میں انسپکٹر ہوں۔ کرائے کے مکان کی تلاش میں ادھر آ نکلا“۔ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے تمہیدی۔ بہر حال آپ کا کچھ بھی نام ہو مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے اور نہ رنج، میں بہت

Enquiry کرنی تھی۔ جن کے خلاف مناسب ثبوت Available نہیں تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے کام کا طریقہ بڑا سلکھا ہوا تھا۔ وہ مشکوک لوگوں سے کئی حیثیتوں سے ملا، بیمہ کمپنی کا سرکل انسپکٹر Circle inspector of insurances company بن کر اور مختلف کاروبار کرنے والی کمپنیوں کا ایجنٹ بن کر اس نے مختلف افراد سے بات چیت Talking کی۔

گنیمت شہر کی عام پارٹیوں میں شرکت کرنے سے وہ عموماً گریز کرتا تھا۔ اس لئے اسے پہچان لئے جانے کا زیادہ خدشہ نہیں تھا۔ بغیر کسی خاص میک اپ Make up کے ہی وہ اپنا کام آسانی سے کر رہا تھا۔ چنانچہ چند محلوں اور علاقوں پر اسے خصوصی توجہ Special attention دینی پڑی۔ مثلاً بارہ درہ، مغلان، کلیپور، مسلم، کلیپور، ہندو، پہاڑی دروازہ، قاضی سرائے پنجابیان اول اور دوم، لال سرائے پٹیری سرائے، بھلیا، سرائے میر، کلانان، لوہاری سرائے، تعلیمدان، بشنوی سرائے، سبزی، منڈی خیاری سرائے جہاں عجیب و غریب کردار کی کچھ شخصیتیں رہتیں تھیں۔ اس کے علاوہ سید واڑہ اور دھن کی رہتی بھی اس کے زیر غور تھے۔

کار ایک ایسی اجاڑ اور ویران گشتی میں داخل ہوئی جس کی کوئی چھار دیواری نہیں کسی بھی طرف سے داخل ہوا جاسکتا تھا۔ لان میں خورد و گھاس پھوس اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ گشتی کا پلاستر بھی جگہ بہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا۔ گشتی کی برساتی میں چند بوسیدہ کاریں جنگ آزادی سے قبل 1857ء کی

زندگی کے لوازمات اور سلیقہ آپ کو اس میں نہیں ملے گا۔ معاف کیجئے گا۔ میں ابھی پانچ منٹوں بعد پھر حاضر ہوں گا۔“ فرد میاں کھڑے کھڑے ہی ایک دوسرے کمرے کی طرف چلے گئے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص بیک وقت کئی کئی انسانوں سے مختلف موضوع پر بات چیت کرنے کا عادی Habitual ہے اور اگر یہ جرائم پیشہ زندگی گزارتا ہو تو اس میں بھی کوئی تعجب والی بات نہیں ہوگی۔ معاف کیجئے گا انسپکٹر واجد! میں آپ سے مزید گفتگو

کرنے کے موذ میں نہیں ہوں۔ اس لئے اجازت ہی چاہوں گا۔ فرد میاں نے بڑے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ ”کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں،“ آپ کی زحمت کا بہت بہت شکریہ میں نے آپ کا کافی وقت لیا ہے۔ اس کے لئے میں آپ کا بہت بہت مشکور ہوں یہ کہہ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے فرد میاں کو خدا حافظ کہا اور پھر انسپکٹر واجد کی کار بڑی تیزی سے سول لائن کی شاہراہوں پر دوڑ رہی تھی۔

سڑک بالکل صاف و شفاف مانند آئینہ Mirror چمک رہی تھی۔

شب کا ایک بجا ہوگا۔ سارے ماحول پر سناٹا طاری تھا۔ کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے Barking of dogs کی آوازیں آرہی تھیں اور آس پاس کے گھنے پرانے درختوں پر سے بڑی ہولناک ڈراؤنی الوؤں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ منظر بڑی ہی ہیبت ناک اور پر اسرار ہو گیا تھا۔

ایک بڑے سائز کی موٹر سائیکل پر اور اس کے آگے پیچھے دو تین کاریں بڑے ہی عجیب انداز میں

صاف گواہان ہوں۔ آپ خیال نہ کیجئے گا۔ جب تک دو انسانوں کے آپس کے تعلقات میں کوئی مفاد پوشیدہ نہیں ہوتا تو کہہ دیتا کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ایک رسمی بات ہے۔ مجھے میرے واقف کار فرد میاں کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ ایک ہی سانس میں فرد میاں نے اپنے تعارف کے ساتھ اپنی فلاسفی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”معاف کیجئے گا میں ابھی آیا،“ اور یہ کہہ کر فرد میاں دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بظاہر سامنے پڑے ہوئے ایک امریکن میگزین کی ورق گردانی شروع کر دی اس کے خیال میں فرد میاں امید سے زیادہ عجیب و غریب اور پر اسرار شخصیت ثابت ہوئے تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کی بے چین نگاہوں نے سب ہی نظر آنے والی چیزوں کا جائزہ لے لیا تھا۔ کوئی بھی شے یا سامان قریب سے نہیں رکھا ہوا تھا کوٹھی کے اندر صحن کے کونے میں بہت سے پھٹے ہوئے ٹائر پڑے تھے۔ ان پر چینی کے برتن پھیلے ہوئے تھے۔ ہر شے ایک ڈھیر کی شکل اختیار کئے ہوئے تھی انسپکٹر واجد صاحب! میں درویشانہ زندگی گزارنے کا عادی ہوں کوئی چیز سلیقے سے نہیں ملے گی۔ میری زندگی افراتفری کی نذر ہوگی فرد میاں نے دوبارہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان کو ایک مسافر کی طرح زندگی گزارنا چاہیے۔“ انسپکٹر واجد نے اس کے رنگ میں گفتگو کی۔ ”بات اصل میں یہ بھی ہے کہ میں تہا شخص ہوں۔ اس لئے گریہ

نوجوان بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ بھاگنے کی آوازیں دور دوری ہوئی جارہی تھیں۔ آخر میں سب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جس کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر نکلے تھے وہ ایک سرنگ نما راستہ پیر جی کے مقبرے کی دیوار میں سفیدی سے ڈھکا ہوا تھا جو بالکل ذرا سا بھی باہر سے نمایاں نہیں تھا۔

”یہ تو تمہیں معلوم ہی ہو گیا کہ اس پرانے اسپتال کی تمام دیواریں کھوکھلی ہیں جن میں کئی تہہ خانوں کے اندر راستوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے۔“ آواز اب صاف پہچانی جاسکتی تھی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی آہستہ سے بول رہا تھا۔

”انسپکٹر صاحب! آپ کا خیال درست ہے۔ ہم لوگ اس عمارت کے چاروں طرف تعینات رہے اور یہاں سے بالکل کبھی نہیں بٹے اس لئے یہاں سے بھاگ جانے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ مجرموں نے بھاگنے کا کوئی اور راستہ اختیار Adopt کیا ہے جو ضرور سرنگ میں سے ہوتا ہو اور کہیں نکلتا ہوگا۔“

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے چہرہ پر مایوسی اور فکر مندی کے اثرات موجود تھے۔

”معلوم ہوتا ہے شکار ہاتھ سے نکل گیا۔“ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے ابھی جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک کچھ فاصلے پر کار کے اشارت Start ہونے کی آواز سنائی دی اور بڑی پھرتی کے ساتھ سب جوان اپنی گاڑیوں کی طرف پلٹ پڑے۔

پہلی کار کے چلنے کی آواز کی سمت ہی دونوں گاڑیوں آگے پیچھے تعاقب Chase میں چل پڑیں اور کچھ ہی دیر بعد مجرموں کی کار کو گنینہ شہر کے شمال کی سمت کو جانے والی سڑک پر جالیا۔ اس کار

نقوی پرانے اسپتال کی طرف آئیں اور ساری عمارت کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ دھیرے دھیرے مدہم آواز سے ایک لمبی سیڑھی Stair لگا کر وہ ایک چھت پر کودا۔ سب نے بڑے جوتے اور ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے۔

وہ سب کے سب مختلف سمتوں میں بٹ گئے اور عمارت کا گوشہ گوشہ بڑے انہماک کے ساتھ چھان مارا۔ کچھ پر اسرار سائے ایک کمرے میں پہنچے اور اس کے اندر داخل ہو گئے۔ چند ہاتھ بڑی مہارت کے ساتھ اس لکڑی سے بنی چوکی کی طرف بڑھے جس کے چاروں طرف ڈھول اپنی جگہ پر سے چوکور نمالائن میں ہٹی ہوئی تھی۔ سرچ لائٹ میں آتے ہی چوکی ایک چھوٹے سے دروازے کی شکل میں نظر آئی اور اس کے نیچے ایک سیڑھیوں والا تہہ خانہ نمودار ہو گیا ایک سینکڑ ضائع کئے بغیر پاکٹ ٹارچ کی روشنی میں نوجوان سیڑھیاں اترنے لگے۔ نیچے ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس کے چاروں طرف راہداریاں تھیں۔ ادھ جلی موم بتیاں اس بات کی شاہد تھیں کہ کمرے کا استعمال اب بھی جاری ہے۔

اچانک دے دے قدموں کی چاپ سن کر سب کے کان کھڑے ہو گئے ذرا سی دیر میں ایسا محسوس ہوا جیسے بہت سے افراد تیزی کے ساتھ ایک ساتھ دوڑ رہے ہوں۔

”صرف تین چار جوان یہاں رک جائیں۔ باقی تیزی سے راہداری میں آگے بڑھیں“ ہلکی سی سرگوشی ہوئی اور اب سرچ لائٹ کا حکم کھلا استعمال ہونے لگا۔

”اپنی اپنی راتقلیں آگے کی طرف تائیں“



معلوم صورت بنا کر کہا، 'سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی صاحب میرا شمار تمام داستان کو بے چینی سے سننے والوں میں کیجئے۔ تمام حالات میرے سامنے رونما ہونے کے باوجود میری کیفیت ایسی ہی ہے کہ ساری الف لیلا ختم ہو جانے پر بھی مجھے معلوم نہیں کہ زلیخاں مرد تھی یا عورت، اصل مجرموں کی شکل میں نہ دیکھ سکا۔'

اس پر تمام اہلکاروں کی طرف سے ایک فرامشی قہقہہ بلند ہوا۔ اصل حقیقت یہ ہے 'سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا اس کا مجھے خود افسوس ہے کہ مجرموں کی صورت ہی نہ دیکھ سکا اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون لوگ تھے۔ سہم سب کے سامنے ہی کارالٹ جانے پر بدکردار انسان نذر آتش ہو گئے۔' (ختم شد)

کے پیچھے والی گاڑی اس برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی اس کو روکنا اور پکڑنا آسان نہیں تھا اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اگلی کار کے پچھلے ٹائروں کو پرست کر دیا جائے تیز رفتاری کی وجہ سے صحیح نشانہ لینا قطعی بیکار Useless تھا جواباً پہلی کار میں سے پستول لئے ایک ہاتھ باہر نکلا اور تعاقب کرنے والوں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے سروں کو جھکا کر قریب کی سیٹوں سے ملا لیا۔ ایک گولی وینڈا سکرین کو توڑتی ہوئی بیک میں جا رہی تھی۔ حالت بڑی مخدوش ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان کا بس ہوتا تو وہ کاروں کو کچھ اور تیز چلاتے ان کی برق رفتاری میں کوئی نہیں آیا تھا کہ اچانک تعاقب کرنے والوں کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

اگلی کار الٹ گئی تھی۔ پٹرول کے باہر نکل جانے کی وجہ سے اور انجن کے گرم ہونے کی وجہ سے کار میں آگ لگ گئی تھی اور ذرا سی دیر میں آگ کی لپٹیں بلند ہو رہی تھیں۔ اگر تعاقب کرنے والی کار کے ڈرائیور نے ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا ہوتا تو اس کا بھی یہی حال ہوتا۔ پچھلی کار تو فاصلے پر تھی۔ جسے بریک لگانے کا اچھا خاصا موقع ملا تمام کار شعلہ زار بن گئی تھی شعلے دور دور تک فضا میں بلند ہو رہے تھے آگ بڑے ہولناک منظر کو جنم دے رہی تھی۔

اگلا دن سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے لئے بڑا ہنگامہ پرور تھا۔ اپنے دفتر کے علاوہ پریس رپورٹروں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ سب کے سب کل کے حالات اور واقعات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بے قرار تھے۔

سارجنٹ سید واجد حسین نقوی نے اپنی بڑی

خوفناک اڑدھوں کی آنکھوں کو جنبش ہوئی اور گوتہ بدہ کی
مورتیوں کے سر گھڑی کے پنڈوم کی طرح آہستہ آہستہ ہلنے لگے

جادوگر

کچھ..... رفعت محمود

کو فردوس گوش خوشبو اور عطریات نے بخت شام
اور گل ہائے رنگا رنگ نے جنت چشم بنا رکھا تھا
اشارہ شاہی پاتے ہی رقاصات پری چہرہ منہ جبین
جواہرات کے مرصع لباس زیب تن کیے آداب
شاہی بجلائیں اور سحر آگیاں نغموں سے حاضرین
کو محظوظ کر دیا۔ مجلس رقص و سرور ختم ہوئی تو
سفیران لڑکا نے درباری رسم کے مطابق کھڑے
ہو کر جانے کی اجازت چاہی شاہ برمانے شاہ لڑکا
کو محبت کا پیغام بھجوایا۔ سفیران لڑکا نے عنایات
شاہی کا شکریہ ادا کیا اور اگلے پاؤں دربار شاہی
سے باہر آ گئے۔

شاہ برمانے جلسہ پیکوڈا کی شرکت تک آرام
فرمانے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ دربار شاہی برخاست
ہوا سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ گیان
تھو وزیر اعظم اور مونگ پھو وزیر خزانہ امور
سلطنت پر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔
شاہ برما امور سلطنت میں دخل دیتے ہیں۔
وزیر اعظم نے کہا۔ حالانکہ وہ ابھی نا تجربہ کار

شاہ برما کے محل کے اس پار برگرد کے سائے
میں کچھ فاصلہ پر تھکے ماندے ہاتھی آرام کر رہے
تھے۔ دو پہر کی سخت دھوپ میں محل کی فصیل پر مور
چہل قدمی کر رہے تھے۔ شاہ برما تخت سلطنت پر
جلوہ افروز تھا۔ اس کے ایک طرف پان دان رکھا
تھا اور دونوں طرف شاہ لڑکا کے سفیر نہایت ادب
واحترام سے دوزانو بیٹھے تھے۔ سفیر شاہ لڑکا کی
اکلوتی بیٹی کی شاہ برما سے شادی کے متعلق شاہ لڑکا
کے اعلان کی خوش خبری لے کر آئے تھے۔ شادی
دو سال بعد ہوگی۔

بادشاہ کے گرد وزراء ارکین سلطنت اور
دوسرے لوگ اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھے
ہوئے تھے عقب میں اقصات دربار حاجر رگیں
پر چم علم اور جھنڈے طائران نو گرفتاری طرح پھڑ
پھڑا رہے تھے ایک میز کے قریب سونے چاندی
کے پرتوں میں موسم کے پھل سجے ہوئے رکھے
تھے ہر جگہ طاؤس شاہی اور فیل سفید بت آویزاں
تھے برما کے لوگوں اور سازندوں نے دربار شاہی



ہیں۔

شاہ برما کا سفید ہاتھی جس پر مرصع جھول پڑی تھی محل شاہی کے پھانک پر لایا گیا جو مہات کا حکم پاتے ہی بیٹھ گیا شاہ برما تشریف لائے انہوں نے درباری لباس اتار کر دوسرا پہن لیا تھا وہ ہاتھی پر بیٹھے اور ہاتھی کھڑا ہو گیا اور دوسو افراد کا جلوس پکیوڈا کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہو گیا۔

پکیوڈا کا خالی چہرہ کھڑا تھا دیوار کے طاقوں میں گوتم بدھ کے بت نصب تھے اور ہر ایک بت

وزیر خزانہ نے بادشاہ کی شادی کے اتنے طویل التوا پر اظہار افسوس کیا اور کہا۔ اس مدت میں ان کے لیے کوئی مشغلہ تلاش کرنا ضروری ہے، تھوڑی دیر بعد قرونوں کی صدا بلند ہوئی اور گرد و نواح میں ایک حرکت سی ظاہر ہوئی باغ میں چراغاں ہوا اور ملازمین شاہی اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کمر بستہ ہو گئے۔

دوسرے گروہ کے پاس جاتی لیکن لوگ اس پر نفرت اور حقارت کی نظر ڈال کر اپنا منہ پھیر لیتے آخر کار شاہ برما بھی ادھر آ نکلے لڑکی نے بادشاہ کو بغیر پہنچانے سوال ڈھرا اور بادشاہ کا التفات دیکھ کر اس کے قدموں پر گر پڑی اس کا حسن اور خستہ حالت دیکھ کر بادشاہ کو اس پر ترس آ گیا اور اس نے ان سفاکوں اور سنگدلوں کو جو لڑکی کی راہ میں حائل ہونا چاہتے تھے اپنے ہاتھ کے اشارے سے باز رکھا وہ بادشاہ کو ایک رحم دل انسان سمجھ کر مگر اس کی شخصیت سے لاعلم ہو کر اس سے کہا کہ وہ اس کی باندی اور کنیز تک بنے کو تیار ہے۔

بادشاہ اس کی داستان نہایت خاموشی سے سنتا رہا وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے باپ کی موت کے بعد سے گاؤں والوں کے ظلم و تشدد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اگر اس کا کوئی قصور تھا تو صرف اتنا کہ اس کی ماں اطالوی تھی اور وہ خود مفلس اور تنگ دست لڑکی اس امر کی متنی تھی کہ وہ خود گاؤں میں اس کی جھونپڑی پر آئے اور اپنی آنکھوں سے واقعات دیکھ لے ہاتھ کے اشارے سے بادشاہ نے لڑکی کی درخواست منظور کر لی لڑکی لٹھ بیٹھی لوگ چاروں طرف جمع ہو گئے اور ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ بادشاہ مبہوت ہو کر ہر اس شخص کو جو کسی نہ کسی صورت دخل دینے کی کوشش کرتا ایک طرف دھکیل دیتا لڑکی آگے آگے اور بادشاہ اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ پیکڈ اسے باہر نکل کر وہ دونوں رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

کے سامنے ایک شمع روشن تھی پیتل کے تھالوں میں گلاب چنبیلی اور دوسرے پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن پر رنگ رنگ روشنی پڑ رہی تھی یہ منظر بڑا دلکش اور نہایت پر کیف تھا۔ ایک بڑا سا گھڑیاں جنبش میں آیا۔ گھننے کی آواز سننے ہی لوگ جوق در جوق چار طرف سے اتر کر چبوتے پر آنے لگے مرد عورتیں بچے بوڑھے سب کے سب قیمتی لباسوں میں ملبوس تھے۔ نوجوان ایک دوسرے سے باتیں کرتے اور ہنستے عمر رسیدہ اشخاص خاموشی اور سنجیدگی سے گوتم بدھ کے حضور میں منتیں چڑھانے لائے تھے۔ حسین لڑکے اور لڑکیاں خوش گپیوں میں مصروف تھے بچے خاموشی سے رنگ برنگی گیندوں سے کھیل رہے تھے۔ کونوں میں شامیانوں کے نیچے جوتی پتیاں لیے کڈ لیاں کھینچنے میں مشغول تھے یہ ایک رنگ برنگ پھر بھی ہم آہنگ منظر تھا۔

بادشاہ ان کے پاس سے تنہا گزرا اور کسی نے اسے نہیں پہنچانا وہ آگے جا کر جہوم میں غائب ہو گیا۔ چند ہی لمحہ بعد معصوم مہوش ایک حسین دوشیزہ بھی داخل ہوئی وہ دیوانہ وار ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتی اور ہر ایک سے کہتی۔

میں شاہ برما سے جواب بھی ابھی یہاں تشریف لائے تھے۔ ملنا چاہتی ہوں لوگ اس کی پریشان حالی وارفتگی اور مجنونانہ حالت دیکھ کر اور شاہ برما سے ملنے کی درخواست سن کر ایک دوسرے کو دیکھتے مسکراتے اور چل دیتے وہ ایک گروہ سے

جنگل میں جھونپڑی کی جگہ ایک پختہ عمارت بن گئی۔ جس کی ساخت نصف بری اور نصف اطالوی تھی اور اس کے کمرے نصف اطالوی فرنیچر بری ساز و سامان سے مزین تھے۔ عمارت کے چھوٹے چھوٹے برآمدوں میں نہایت بیش بہا ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔

دو پہر کا وقت تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی آس پاس کے بیڑ اس سناٹے میں سنتریوں کی طرح عمارت کی حفاظت کر رہے تھے بری ملازم باہر سفید اور چوڑی سیڑیوں پر اوگھ رہے تھے۔ اندر رباب پر نغمہ محبت بج رہا تھا زندگی موسم گرما کی لمبی دو پہر میں سو رہی تھی آخر دو ملازموں نے اس خاموشی کو یوں توڑا یہ حضرت آخر اس زندگی سے التائیں گے نہیں۔ پہلے نے نفرت سے کہا گھبراؤ نہیں۔ دوسرے نے کہا۔ خاتمہ قریب ہی ہے۔

آخر کار کتنا عرصہ۔ پہلے نے پوچھا۔

ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتا۔ دوسرے نے جواب دیا۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ دو میں سے ایک کا دل ضرور ٹوٹے گا۔

کیا وہ اسے چھوڑ دے گا۔ پہلے نے پوچھا۔

ہاں دوسری کوئی صورت ہی نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ قسمت سے کون لڑ سکتا ہے کوئی نہیں

سورج قدرے ڈھلا۔ ہوا کھجور کے ساکت پتوں کو پیار کرتی اور وہ مست ہو کر جھومنے لگے ملازمین ایک بڑا خیمہ۔ چاندی کی کرسیاں پھل

آخر وہ دونوں ٹوٹی پھوٹی اور فرسودہ حال جھونپڑی پر پہنچے جھونپڑی کی شکستہ حالی اس کے کینوں کی زبوں حالی اور مفلسی کی گواہ تھی گردو نواح کی خاموشی باشندوں کی بے زبانی کی دلیل تھی۔ آس پاس کی بربادی مالکوں کی بے سرو سامانی کی شہادت تھی راستہ کا نشیب و فراز لوگوں کی قسمت کے پھیر کا ظہر کرتا تھا اور جنگل کی تاریکی ان کی دل کی تباہی ظاہر کرتی تھی۔

مینگ بینگ مہوش کے لیے بے مثال حسن اور بے مانگی پر تعجب ہوا لڑکی نے کہا کہ وہ مفلسی سے ہیں بلکہ ہمسایوں کی کینہ پروری سے عاجز تھیاں کی دشمنی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ وہ اس کے تر بوز اور انٹاس کی فروخت میں بھی آڑے آتے تھے۔ بادشاہ کی نظر لڑکی پر جمی رہی اور وہ اسے ٹٹلکی باندھے دیکھتا رہا آخر کار وہ لڑکی کی حفاظت کا ضامن بنا اور وعدہ کیا کہ بہت جلد وہ اس جنگل میں اس کے لیے ایک عالی شان مکان تعمیر کرا دے گا۔

اس نے کہا وہ دو سال تک مطلق العنان رہے گا اور ان دو سال میں بالائے شرکت اپنی زندگی کا مالک رہے گا غرض یہ کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا اور اسے اپنا ناچا ہوتا تھا وہ دونوں مل کر ایک جنت کی بنیاد ڈالیں گے۔

لڑکی حیرت اور خوف کے جذبات سے کانپ اٹھی اور پوچھا دو سال کے بعد۔
بادشاہ نے جواب میں کہا۔

بندہ آپ کو لینے آیا ہے منیگ بینگ پر بجلی سی گری
اور وہ خاموش ہو گیا۔

جہاں پناہ کا جب دل چاہے واپس آ سکتے
ہیں۔

بادشاہ نے مہوش کو سمجھایا کہ وہ ضروری
کاموں کے لیے کچھ عرصہ کے لیے اس سے جدا
ہوگا۔ ممکن ہے وہ ایک ماہ سے پہلے ہی واپس آ
جائے وہ ایک دوسرے سے بمشکل جدا ہوئے۔

بادشاہ وزیراعظم کے ساتھ چل پڑا۔ مہوش
دور تک اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر غش کھا کر گر
پڑی۔

سات سال گزر گئے اور وہ نہ آئے مہوش
برآمدے میں بیٹھی تھی۔ آس پاس کے درخت
کاٹ دیئے گئے تھے تاکہ دور تک سڑک صاف
نظر آ سکے وہ ہمیشہ ٹکٹی لگائے اسی سمت دیکھا کرتی
جس طرف اس کا محبوب گیا تھا اس کے ساتھ اس
کے بھولے بھالے بچے بھی بیٹھے تھے اور وہ دل
میں کہتی۔ شاید آج کل لیکن ایک دن ضرور آئیں
گے۔

آج وہ بھولے ہوئے گنگنا رہی تھی۔ گاتے
گاتے وہ یکا یک پکار اٹھی۔

آخر آئی گئے۔ دور سے سڑک پر کچھ سوار نظر
آئے مہوش برآمدے سے باہر آئی۔ اتنے میں
سوار بھی آ گئے تھے اس کی نظر گیان تھو پر پڑی
وزیراعظم سفید لباس میں ملبوس تھا۔ سفید لباس برما
کا ماتمی لباس ہوتا ہے۔ مہوش حیران رہ گئی دل

پھول اور کئی چیزیں لائے تین سازندے بری اور
اطالوی لباس پہنے اپنے ساز ہاتھ میں لیے وہیں
آ گئے۔ خیمہ نصب ہوا منیگ بینگ اور مہوش بھی
آئے اور ان کے پیچھے پیچھے دو بری خادماں دو
چھوٹے بچوں کو گود میں لیے آئیں۔

ملازمین کچھ دور ہٹ گئے شاہ برما اور اس کی
محبوبہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ بچے رنگین گیندوں
سے زمین پر کھیلنے لگے۔ سازندوں نے ایک نغمہ
چھیڑا

دو سال میں اب دو دن باقی ہیں۔ شاہ برما
نے اندوہناک لہجے میں کہا
اور تم خوش ہو۔ مہوش نے کہا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ وہ مسکرائی اسے کسی بات کا
شبہ نہیں ہوا وہ ریشم کا بہترین لباس زیب تن کیے
اور یا قوت کے بندے پہنے بیٹھی تھی وہ آج ہمیشہ
سے زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی۔

منیگ بینگ نے شطرنج کی بساط بچھائی اور وہ
دونوں شطرنج کھیلنے رہے سورج غروب ہو رہا تھا
یکا یک گاڑی کے پہیوں کی آواز آئی کچھ دیر بعد
شاہ برما کے وزیراعظم نے ایک خط دیا جو منیگ
بینگ نے بغیر پڑھے ہی رکھ لیا۔ خیمہ کے پردے
گرے اور ساز بند ہو گئے۔

بادشاہ اور وزیراعظم بات چیت کرنے لگے۔
وزیراعظم نے بادشاہ سے کہا کہ لٹاکا کی شہزادی اور
اس کا قافلہ عنقریب پہنچنے والے ہیں درباری اور
رعایا بے چینی سے حضور کا انتظار کر رہے ہیں اور

دھک سے رہ گیا اور ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔
بادشاہ نے اپنے بچوں کو بلا بھیجا ہے۔ وزیر
نے کہا۔ ملکہ کا انتقال ہو گیا ہے اور کوئی وارث نہیں
بچا۔

ملکہ --- کون ملکہ۔ مہوش نے حیرانی سے
پوچھا۔

برما کی ملکہ۔ وزیر اعظم نے جواب دیا۔
مہوش کو آج معلوم ہوا تھا اس کا محبوب ملک کا
بادشاہ ہے وہ زار و قطار رو رہی تھی اس نے اپنے
جگر گوشوں کو بلایا اور حکم شاہی سنایا اس میں خلاف
ورزی کی ہمت نہ تھی اس نے گڑ گڑا کر اپنے بچوں
کے ساتھ جانے کی اجازت چاہی خواہ وہ ملازمہ یا
آپاہی کی صورت کیوں نہ ہو۔ وزیر اعظم نے انکار
کر دیا اور کہا۔

اس بڑی سی دنیا میں اس چھوٹی سی عورت کے
لیے کوئی جگہ نہیں۔ بڑوں کو بھول جانے کی ہی
عادت ہوتی ہے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ آپ یہیں
قیام کریں۔

تب اس نے حکم دیا کہ ہونے والے بادشاہ
اور اس کے بھائی کے سفر کا فوراً انتظام کیا جائے۔
بچے خاموش کھڑے اپنی ماں اور وزیر اعظم کو تنک
رہے تھے اور خوف و ہراس کے آثار ان کے
چہروں پر عیاں تھے مہوش بھی کھڑی تھی ایسا معلوم
ہوتا تھا وہ بت بن گئی ہے۔

اسی شب مہوش چینی جادوگر کے گھر گئی جادو
گر کا مکان دریا کے کنارے تھا جس میں ہر قسم کی

اشیاء کا انبار لگا تھا۔ سونے کے اژدھے جن کی
زمر دی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔
قیمتی دھاتوں کے بنے ہوئے گوتم بدھ کے بڑے
بڑے مجسمے جن کے سر جنبش کر رہے تھے۔ لہراتے
ہوئے جھنڈے جن کے کناروں پر موتی جڑے
ہوئے تھے۔ الٹینیں جن کے شیشوں پر عجیب سی
تصویریں تھیں جادوگر کاؤٹیکے سے ٹیک لگائے
بیٹھا تھا اس کے چیرے پر جھریاں پڑی تھیں اس
کے ہاتھ نہیں چنے تھے سارا منظر ہیبت ناک اور
ڈراؤنا تھا۔

جادوگر نے گدوں کے ایک ڈھیر کی طرف
اشارہ کیا مہوش وہاں کھڑی ہوئی اور اپنا غم سنانا
شروع کیا جو کچھ اس نے کہا جادوگر نے بہت غور
سے سنا اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا خوفناک
اژدھوں کی آنکھوں کو جنبش ہوئی اور گوتم بدھ کی
مورتیوں کے سر گھڑی کے پنڈوم کی طرح آہستہ
آہستہ ہلنے لگے عشق و محبت کا یہی انجام ہوتا
ہے۔ جادوگر نے کہا۔ میری عمر ایک ہزار سال
ہے اور میں نے اس عرصہ میں دنیا میں یہی ہوتے
دیکھا ہے۔

مہوش کھوئی کھوئی سی معلوم ہوتی تھی اور
جادوگر کی باتیں سن رہی تھی میں اپنے بچوں کے
پاس کیسے پہنچ سکتی ہوں۔ اس نے پوچھا۔
میں تمہیں پرندہ بنا سکتا ہوں۔ جادوگر نے
جواب دیا۔ تم اڑ کر محل میں جا سکتی ہو۔ باغ میں
نہل سکتی ہو اور اپنے بچوں کو دیکھ سکتی ہو۔

کون سا پرندہ بناؤ گے۔ مہوش نے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا۔

سفید بگلا۔ جادوگر نے جواب دیا۔

مہوش کو یہ بات پسند نہ آئی وہ بڑے سے کمرے میں ٹہلنے لگی اور بولی۔

مجھے مور میں تبدیل کر دو۔ وہ زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔

جاؤ ایسا ہی ہوگا۔ جادوگر سر جھٹک کر بولا۔

کمرہ کی سب روشنیاں ایک ایک کر کے سب بجھ گئیں۔ شام کا وقت تھا بادشاہ کے محل کے باغات سے پانی نکل رہا تھا اور پھولوں پر پھوار پڑ

رہی تھی باغ کے سبزہ پر طاؤس خراماں خراماں چل رہے تھے صرف ایک دوسروں سے زیادہ بڑا اور

زیادہ خوبصورت مور اپنا سر جھکائے اور پروں کو سمیٹے تنہا کھڑا تھا منظر رنگ اور روشنی سے چمک رہا

تھا ابک قسم کی خاموشی طاری تھی وزیر اعظم اور وزیر خزانہ جوتشیوں کے ساتھ آئے۔

کوئی دوائی کارگر نہیں ہوتی۔ طبیب نے کہا۔ کوئی تدبیر سمجھ نہیں آتی۔ صبح تک بیمار کا بچنا مشکل

نظر آتا ہے۔ بیماری جان لیوا صورت اختیار کر چکی ہے

سیاروں کی رفتار بادشاہ کی صحت یابی کے خلاف ہے۔ جوتشی نے کہا۔ صرف کوئی معجزہ ہی

بادشاہ کی جان بچا سکتا ہے۔ قسمت کے آگے ہتھیار ڈالنا ہی پڑتے ہیں سب نے ایک

دوسرے کی طرف گھبرا گھبرا کر دیکھا اور سب اپنا

سر جھکائے محل کی طرف چل دیئے دیوار پر بیٹھے مور نے اپنی دم پھیلا دی اور ایک دل خراش چیخ نکالی جیسے سر کر ہر کوئی خوف و ہراس سے پھڑک

پڑا۔ طاؤس نے اپنی دم سمیٹ لی اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ غور و فکر کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہو۔

یہ مور دوسرے موروں کی طرح نہیں ہے۔ ایک جوتشی نے کہا۔ میں اسے کئی سال سے دیکھ رہا

ہوں۔ یہ ہمیشہ تنہائی پسند ہے اور غضب تو یہ ہے دوسرے مور بھی اس سے ڈرتے ہیں۔

تم غلطی کر رہے ہو۔ دوسرا جوتشی بولا۔ یہ تو مور کی شکل میں بھوت ہے۔ اس کی آنکھیں

دیکھو۔ پرندوں کی آنکھوں کی طرح تو ہیں ہی نہیں وہ تو ایک سفید روح کی مانند ہے۔

یہ کہہ کر وہ چل دیئے۔ مور نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں دونوں نوجوان شہزادے

باغ میں آئے باغ میں پہنچ کر ان کی رفتار سست ہو گئی اور وہ دبی دبی زبان سے کچھ باتیں کرنے

لگے۔ شہزادوں کے پیچھے پیچھے ان کے نوکر تھے۔ جن کے ہاتھوں میں چڑیوں کو کھلانے کے

لیے دانہ کی ٹوکریاں تھیں دیوار پر بیٹھے ہوئے مور نے زرا بھی جنبش نہیں کی اس کی نظر ہمیشہ شہزادوں

پر ہی رہی بڑا شہزادہ مٹھی بھر دانے لے کر مور کے دینے کے لیے آیا لیکن مور نے دانوں کی طرف

منہ نہ کیا۔

اے ملکہ سلطنت پرندگان میں نے تجھے سمجھنے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ میں آج تک تجھے نہ

ہاں وہ زندہ رہے گا۔ جادوگر نے جواب دیا۔ اور کسی اور حسینہ کو اپنی آغوش میں لے کر داد عیش دے گا لیکن یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب تم اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو جاؤ تم اپنی جان دے کر اسے بچا سکتی ہو۔

میرے محبوب کی جان کے مقابلہ میں مدوش نے کہا۔ میری جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کیا میں پانچ سال تک اپنے محبوب کا دیدار نہ کیا۔ اس کی آواز نہ سنی۔ میں گھنٹوں بھوک اور پیاسی رہی۔ میں نے گھنٹوں تک اپنے بچوں کو کھیلے ہوئے دیکھ لیا۔

تب تو قطعی طور پر مطمئن ہو۔ جادوگر نے پوچھا۔

آپ جادوگر ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

بے شک یہ محبت کا کرشمہ ہے۔ جادوگر نے کہا۔ اور یہ وہ جادو ہے جس سے نہ صرف جادوگر بلکہ ہر کوئی واقف ہے۔

بادشاہ اپنی آرام گاہ میں ریشمی گدوں کے ڈھیر پر موت وزیست کی کش مکش میں مبتلا تھا۔ کمرے میں دھندلی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی بادشاہ کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں بے نور جو نقاہت کی وجہ سے کھل بھی نہیں سکتی تھیں۔ وزراء اراکین سلطنت درباری ملازمین اور بہت سے خواص ادھر ادھر کھڑے تھے اور ان کے چہروں سے غم کے آثار نمایاں تھے۔ پو پھٹ چکی تھی

سمجھ سکا۔ یہ کہہ کر وہ مور کے پروں کو تھپتانے لگا اس کا ہاتھ لگتے ہی پروں کی چمک دوچند ہو گئی۔

شہزادہ مور سے کچھ منہ ہی منہ میں کہہ رہا تھا۔ بادشاہ اس وقت موت وزیست کی کش مکش میں مبتلا ہے میرا اور میرے بھائی کا دل غم کا شکار ہے۔ اگر بادشاہ مر جائے تو میں ہی تخت و تاج کا وارث ہوں گا مگر حکومت اور سلطنت کا خیال آتے ہی میں کانپ اٹھتا ہوں ہم دونوں ہی یہی چاہتے ہیں کہ باپ کی موت کے بعد جنگل واپس چلے جائیں اور اپنی ماں سے جا ملیں جو یقیناً ہم دونوں کی واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہوگی مور یہ سب باتیں غور سے سنتا رہا پھر اپنے پر پھیلانے اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ اڑنے کو پرتول رہا ہو لیکن پھر خوشی سے بیٹھ گیا اور شہزادے کو غور سے دیکھتا رہا۔

اتنے میں محل سے ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور

بولاً۔

جہاں پناہ قریب المرگ ہیں اور شہزادوں کو یاد فرماتے ہیں۔ شہزادے ملازم کے ساتھ چلے گئے اور مور اڑ گیا۔

اسی دن رات کو جادوگر نے مدوش کو انسانی شکل میں بدل دیا اور اس سے کہا میں نے تمہیں تمہاری درخواست پر دوبارہ انسانی شکل میں بدل دیا ہے۔ لیکن تمہاری زندگی کے چند گھنٹے ہی باقی ہیں کیونکہ تم اپنے پہلے کے عہد کو ایفانہ کر سکیں بادشاہ تو زندہ رہے گا۔ مدوش نے پوچھا



قریب ہی میز پر دوائی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ طبیب
دوائیں بدلتے بدلتے تھک چکے تھے لیکن کوئی دوا
مریض کی حالت ٹھیک نہ کر سکی۔ کمرے میں
قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ طبیب دہلی
دہلی زبان سے کہہ رہے تھے۔ بس اب چند لمحے
کے مہمان ہیں یہ سن کر سب کی نگاہیں مریض کی
طرف پھر جاتیں۔ یکا یک جوشی بول اٹھے۔
سیاروں کی نحوست پر زوال آچلا ہے اور ان کے
اثرات کمزور ہو چلے ہیں۔

سورج کی شعائیں مریض کا منہ چوم رہی
تھیں اور وہ آنکھیں کھول دیتا تھا۔ شہزادے
بادشاہ کو دیکھنے آگے بڑھے انہوں نے اس کا سر
اونچا کر کے تکیوں پر رکھ دیا۔

اچانک کمرے کے دروازے سے بے تحاشا
کھلے بال ایک جوان اور حسین عورت دیوانہ وار
کمرے میں داخل ہوئی اس نے ان لوگوں کو
دھکیل کر ایک طرف کر دیا جو اس کا راستہ روکنے کی
کوشش کر رہے تھے۔

میرے آسمان زندگی کے ستارے۔ وہ بادشاہ
کے قریب پہنچتے ہوئے بولی۔

میں تیرے لیے زندگی لائی ہوں۔ آب حیات
لائی ہوں۔ اور۔۔۔ اور

وہ جملہ پورا نہ کر سکی اس کا سراپے محبوب کے
قدموں میں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا
سب ڈگ دوڑے دوڑے آئے۔ کمرے۔۔۔

بیگم! بچوں کے سکول کب ٹھیلیں گے
جو ہرات چمک اٹھے پوری رعایا میں حیرانی کی لہر
دوڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بادشاہ کی بیماری غائب
ہو گئی تھی۔



دل چھوٹے قند
چھوٹے قند

کیا چھوٹا قند آپ کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے؟
چھوٹے قند اور کمزور صحت کی وجہ سے اکثر بچے پکیوں کے رشتے نہیں ہو پاتے۔
چھوٹے قند اور کمزور صحت کی وجہ سے نوکری نہیں مل پاتی۔
چھوٹے قند کی وجہ سے لڑکیاں سسرالیوں اور شوہر کے طعنوں کا نشانہ بنتی ہیں۔
چھوٹا قند اور کمزور صحت بچوں کی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتا ہے۔ تو پریشان ہونا چھوڑیے

آپ میڈلین کا ساتھ دیں۔ میڈلین آپ کا ساتھ دے گی

بچوں کے چھوٹے قند سے پریشان نہ ہوں 30 سال تک کے لڑکے لڑکیاں اپنے قد میں اضافہ کر سکتے ہیں جو ان ہونیوالے لڑکے لڑکیوں کو پروٹین کی بہت ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی کی وجہ سے قد بڑھنا رک جاتا ہے صرف 10 فیصد ہارمونز کی کمی پیشی سے ایسا ہوتا ہے۔ اس دوران لحیات زیادہ

کریں۔ تاکہ
بڑھوترے
جلد ممکن
ہو سکے۔

(Ideal Height)
آئیڈیل ہائیٹ کورس

قد بڑھنے کا شیڈول

12 سے 18 سال تک عمر: قد میں 6 انچ اضافہ
19 سے 24 سال تک عمر: قد میں 4 انچ کا چانس
25 سے 30 سال تک عمر: قد میں 2 انچ اضافہ۔

ابجے قد بڑھانا بے حد آسان ہے

قدمیں یقینی اضافہ

چھوٹے قد والوں کے لئے لمبی خوشخبری ہے

کورس 1 ماہ قیمت 1600 روپے

گرتے بال، سکری خشکی، چہرے پر کیل
چھائیاں، داغ، دھبے، فالٹویاں، کالی
رنگت، جوڑوں کا درد، گردہ پتھری بعد
دمہ، ہر قسم کی کمزوری کا مکمل علاج

کورس بذریعہ V.P روانہ کیا جاتا ہے خرچہ 50 روپے
صبح 11 بجے سے 6 تک کال کر کے VP منگوا سکتے ہیں

0313-5022903-0334-0700800

WWW.DEVA.PK.COM

0313-5022903

اپنی صحت کے بارے میں مفت کتابچہ منگوانے کیلئے اپنا نام پتہ SMS کریں

دوسری اور آخری قسط

اس نے تیزی سے کروات بدلی اور حیرت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ سانس روک کر کان کھڑے کر لیے۔ کمرے میں سامنے خالی بستر پر کچھ حرکت ہو رہی تھی

پراسرار سیٹی

.....اشفاق انور

”میرا خیال ہے کہ مجھے ایک کبل اور چاہیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سردی کچھ بڑھ رہی ہے۔“
تھوڑی ہی دیر میں خادمہ ایک کبل لے کر آ گئی۔

”کون سے بستر پر رکھوں جناب؟“ اس نے پوچھا۔

”اسی بستر پر رکھ دو جہاں میں رات کو سویا تھا۔“ پارکنس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”معاف کیجئے گا جناب معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں بستر استعمال کیے ہیں لہذا آج دونوں کی چادریں بدلی پڑیں گی۔“

”واقعی؟ بڑی عجیب سی بات ہے۔“ پارکنس نے کہا۔

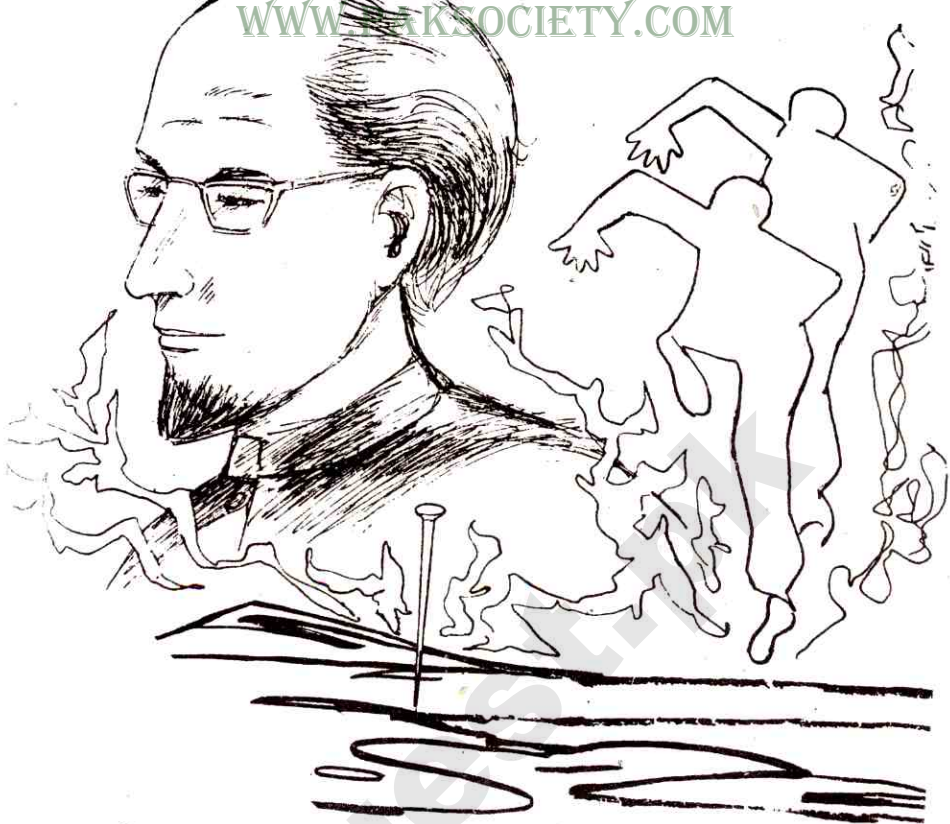
”لیکن میں نے تو دوسرے بستر کو چھوا بھی نہیں۔ البتہ اس پر کچھ چیزیں ضرور رکھی تھیں۔ کیا واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس پر سویا ہوا تھا؟“
”بالکل جناب۔“ خادمہ نے کہا۔

”بستر پر جرمی طرح شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور

دیا سلائی کی رگڑ اور روشنی کے شعلے سے رات کی مخلوق چونک اٹھی۔ وہاں چوہے تھے یا شاید کوئی اور چیز بہر حال فرش پر تیزی سے کچھ حرکت ہوئی۔
لیکن یہ کیا دیا سلائی تو بجھ گئی دوسری تیلی اچھی طرح جلی اور ایک موم بتی اور ایک کتاب کا انتظام ہو گیا جس کے سہارے پارکنس نے خاصا وقت کاٹ لیا حتیٰ کہ گہری نیند نے اس پر غلبہ پالیا۔ اسکی باقاعدہ اور محتاط زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب اگلی صبح کوئی آٹھ بجے اسے آواز دی گئی تو شمدان میں روشنی کی لواب بھی بھلما رہی تھی اور میز کی سطح پر موم جبی ہوئی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں گولف کھیلنے کا لباس تبدیل کر کے تیار ہو رہا تھا۔ قسمت نے کرنل کی صورت میں ایک اچھا سا بھی دیا تھا۔ ایک خادمہ کمرے میں داخل ہوئی۔

”جناب کیا آپ اپنے بستر کے لیے مزید کبل لینا پسند کرتے ہیں؟“ اس نے دریافت کیا۔
”اوشکر یہ۔“ پارکنس نے کہا۔



ہوئی شکر یہ۔“ خادمہ نے یہ کہا اور باہر چلی گئی۔
”پارکنس گولف کی مشق کرنے اور کھیل کو بہتر
بنانے کا ارادہ کر کے چل پڑا۔

میں یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ وہ
اپنے ارادے میں اس حد تک کامیاب ہوا کہ دن
چڑھتے ہی کرل جو اس کے ساتھ کھیلنے کا صبح ہی سے
پروگرام بنارہا تھا بڑی بے تکلفی سے باتیں کرنے
لگا۔ اور اس کی آواز اس طرح گونجنے لگی جیسے کسی
شاعر کے کہنے کے مطابق کسی گرجے میں بہت سے

سب چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ بلکہ آپ
اجازت دیں تو یہ بھی کہوں گی کہ سونے والے نے
رات بڑی بے چینی سے گزاری ہے۔“

”اچھا۔“ پارکنس نے کہا۔
”ہو سکتا ہے کہ میں نے اس پر سامان کھول کر
اسے توقع سے زیادہ شکن دار کر دیا ہو۔ بہر حال
مجھے افسوس ہے کہ تمہیں زحمت دی۔ مجھے امید ہے
کہ میرا ایک دوست کیمرج سے جلد ہی یہاں پہنچ
جائے گا اور وہ ایک دورا تیں یہاں قیام کرے گا۔“
”کوئی بات نہیں جناب مجھے کوئی زحمت نہیں

آدی مل کر گار ہے ہوں۔
 ”رات بڑی تیز ہوا چل رہی تھی۔“ اس نے کہا۔
 ”ہمارے ہاں ایسے موقعوں پر کہتے ہیں کہ کوئی اس کے لیے سیٹی بجا رہا ہوگا۔“
 ”کیا واقعی؟“ پارکس نے کہا۔
 ”کیا آپ کے علاقے میں اب بھی کوئی اس قسم کا توہم پایا جاتا ہے؟“
 ”مجھے توہم کا تو پتہ نہیں۔“ کرنل نے کہا۔

”البتہ ڈنمارک اور ناروے کے علاوہ یارک شائر کے ساحلی علاقوں میں لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اور میرا تجربہ ہے کہ کئی پشتوں سے لوگ جس چیز میں اعتقاد رکھتے ہوں اس کی تہ میں ضرور کوئی بات ہوتی ہے۔ لیکن اب آپ کی باری ہے۔“
 (گولف کھیلنے والے تصور کر سکتے ہیں کہ مناسب وقتوں کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔) جب گفتگو دوبارہ شروع ہوئی تو پارکس نے ذرا ہچکچاتا ہوئے کہا۔

”آپ نے ابھی جو کچھ کہا تھا اس کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اس قسم کی باتوں کے متعلق میرے نظریات بڑے ٹھوس ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کو مانوق الفطرت کہتے ہیں میں اس میں قطعاً یقین نہیں رکھتا۔“

کرنل نے کہا۔ ”کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ آپ بھوت پریت یا اس قسم کی چیزوں کو نہیں مانتے؟“

پارکس اس کا یہ جواب دینا چاہتا تھا کہ روی

ان سب لوگوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں ان کا قدیم عہد نامے میں ذکر موجود ہے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ شاید اس میں ان کا زیادہ حوالہ نہ ہو اس نے اپنے اوپر عائد کیے گئے الزام پر قہقہہ لگایا۔
 ”شاید ایسا ہی ہو۔“ اس نے کہا۔
 ”لیکن..... ذرا معاف کیجئے گا..... لڑکے مجھے میری سنک دینا۔“ (کچھ وقفہ)

”اب یہ جو ہوا کے لیے سیٹی بجانے کا مسئلہ ہے اس کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ ہوا پر جو قانون چلتا ہے وہ چمچیروں اور اس قسم کے لوگوں کو بالکل معلوم نہیں۔ اس کے فوراً بعد تیز ہوا چلنے لگتی ہے۔ لیکن اب ایسے آدمی عام ہیں جو آسمان کو دیکھ کر یا بیر میٹر کی مدد سے اس کے متعلق پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ لیکن دیہاتی چمچیروں کے پاس بیر میٹر نہیں ہوتے اور وہ موسم کی پیش گوئی کے کچھ بعد ہی یہی اصول برتتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ کسی مفروضہ بے دین آدمی کو ہوا چلانے کا باعث سمجھا جائے گا۔ اور وہ اس قابلیت کے لیے شہرت حاصل کر لے گا۔ اب گذشتہ رات کے واقعے کو ہی لیجئے ہوا یوں کہ میں خود سیٹب جا رہا تھا۔ میں نے دوبارہ سیٹی بجائی اور ہوا چلنے لگی جیسے وہ واقعی سیٹی کی آواز سن کر ہی آئی ہو۔ اگر مجھے کوئی دیکھ لیتا۔“

معلوم ہوتا تھا کہ سننے والا اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ پارکس کسی حد تک وعظ کے انداز میں بول رہا تھا۔ آخری فقرے کو قطع کرتے ہوئے کرنل بولا۔

”آپ سیٹی بجا رہے تھے؟“ اس نے کہا۔
 ”کس قسم کی سیٹی ہے جو آپ نے بجائی تھی۔“

نہیں۔ دن بہر حال ٹھیک ٹھاک گزرا تھا لہذا وہ کرنل کے ساتھ گھر روانہ ہو گیا۔

جونہی وہ مکان کے پاس سے گھومے ایک لڑکا جو بھاگتا آ رہا تھا کرنل سے بری طرح ٹکرایا۔ اور پھر بھاگ جانے کے بجائے اس کے ساتھ ہی چمٹا رہا۔ وہ ہانپ رہا تھا یہ قدرتی بات تھی کہ کرنل نے لڑکے سے پہلے جو کچھ کہا وہ ڈانٹ ڈپٹ کے الفاظ تھے لیکن اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ لڑکا خوف کے مارے بول نہیں سکتا۔ شروع کے سوالات تو غلط ثابت ہوئے جب لڑکے کا دم میں دم آیا تو وہ چلانے لگا۔ وہ اب بھی کرنل کی ٹانگوں سے چمٹا ہوا تھا۔ آخر کار اسے الگ کیا گیا مگر وہ بدستور چلاتا رہا۔

”کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر؟ یوں چلا کیوں رہے ہو؟ کیا دیکھ لیا ہے تم نے؟“ دونوں نے اس سے پوچھا۔

”اف میں نے اسے کھڑکی میں اپنی طرف گھورتے دیکھا ہے۔“ لڑکے نے دردناک آواز میں کہا۔

”اور میں اسے قطعاً نہیں دیکھ سکتا۔“

”کون سی کھڑکی میں؟“ کرنل نے غصے سے کہا۔

”پوری بات بتاؤ لڑکے۔“

”سامنے کی کھڑکی ہوئی کی۔“ لڑکے نے کہا۔

پارکنس نے یہ سن کر لڑکے کو گھر بھیجنے کی رائے دی لیکن کرنل نے انکار کر دیا۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ لڑکے کو اس طرح ڈرا

پہلے آپ گیند کو ضرب لگالیں۔“ (وقف)

”آپ جس سیٹی کے متعلق پوچھ رہے ہیں وہ بڑی عجیب سی ہے۔ یہ میری جیب میں..... نہیں وہ تو میں اپنے کمرے ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ بہر حال یہ سیٹی کل مجھے ملی تھی۔“

اور پھر پارکنس نے سیٹی پانے کا واقعہ بیان کیا جسے سن کر کرنل نے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر وہ پارکنس کی جگہ ہوتا تو کیتھولک گرجے سے تعلق رکھنے والا ایسی چیز کو استعمال کرنے سے احتیاط کرتا جن کے متعلق یہ یقینی بات ہے کہ نہ جانے کیا پیش آ جائے۔ پھر وہ علاقے کے پادری کی برائیاں گننے لگا۔ جس نے گذشتہ اتوار کو اعلان کیا تھا کہ جمعے کے دن حواری سینٹ طامس کی دعوت ہوگی اور پھر گیارہ بجے گرجے میں دعا ہوگی۔

کرنل کا خیال تھا کہ اس قسم کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پادری درپردہ طور پر پوپ پرست ہے اور پارکنس نے اس سے اختلاف نہ کیا۔ وہ اس علاقہ کی باتوں سے فوری طور پر کرنل سے اتفاق بھی نہ کر سکتا تھا۔ دراصل صبح وہ اتنی خوش اسلوبی سے وقت گزار چکے تھے کہ دوپہر کے کھانے کے بعد ان کے درمیان علیحدگی کی کوئی بات قابل قبول نہ تھی۔

دونوں دوپہر کے بعد بھی کھیلتے رہے یا کم از کم اس حد تک محو رہے کہ وہ شام کا جھنپٹا ہونے تک ہر چیز کو بھولے رہے۔ پارکنس کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ درسگاہ کے کھنڈروں میں مزید حقیقی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے سوچا کہ اس کی کوئی اہمیت بھی

”اور یہ رہے چھ پنس..... نہیں بلکہ یہ لو ایک شلنگ..... اور اب اپنے گھر بھاگ جاؤ۔ اس کے بارے میں اور کچھ نہ سوچنا۔“

لڑکا جلدی سے شکرے ادا کرتے ہوئے چلا گیا اور کرٹل اور پارکنس مڑ کر دیکھ بھال کرنے کی غرض سے گلوب ان کے سامنے کے رخ پر پہنچے۔ لڑکے نے جو تفصیل بتائی تھی اس کے مطابق وہاں ایک ہی کھڑکی تھی۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ پارکنس نے کہا۔
”بظاہر تو یہ میرے ہی کمرے کی کھڑکی ہے۔ جس کا اس لڑکے نے ذکر کیا تھا۔ کیا آپ کچھ دیر کے لیے اوپر آئیں گے، کرٹل ولسن؟ دیکھیں تو سہی کہ کون میرے کمرے میں آزادانہ آتا جاتا ہے۔“
وہ جلد ہی دروازے کے سامنے جا پہنچے اور پارکنس دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

”یہ بڑی ہی عجیب بات ہے۔“ اس نے کہا۔
”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج صبح میں نے جاتے وقت کمرے کو تالا لگایا تھا۔ تالا اب بھی اسی طرح لگا ہوا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ چابی بھی میرے پاس ہی ہے۔“ اس نے چابی دکھاتے ہوئے مزید کہا۔

”اب اگر نوکروں کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی کی غیر موجودگی میں کمروں میں داخل ہوتے ہیں تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں ایسی باتیں ہرگز پسند نہیں کرتا۔“ عجیب طرح کے جذبات کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا (جو کہ واقعی مقفل تھا) اور موم

دینا بڑی بُری بات ہے اور اگر پتہ چل جائے کہ کچھ لوگ مذاق کر رہے ہیں تو انھیں اس کی سزا ملنی چاہیے۔ کئی سوالات کرنے کے بعد یہ کہانی بنی لڑکا گلوب ان کے سامنے کچھ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جب کھیل کے بعد سب لڑکے اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے اور وہ بھی روانہ ہو رہا تھا کہ اس کی نظر سامنے کی کھڑکی پر پڑ گئی۔ وہاں کوئی چیز تھی جس نے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جہاں تک اسے معلوم ہوا اس چیز کا رنگ یا لباس سفید تھا لیکن اس کا چہرہ نہ دکھائی دے سکا۔ وہ کوئی اچھی چیز نہیں تھی۔

اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھا شخص نہیں تھا۔ کمرے میں روٹی تھی؟ نہیں اس کا خیال یہ کہ وہاں روشنی نہ تھی۔ کھڑکی کون سی تھی؟ اوپر والی یا دوسری؟ دوسری والی۔ بڑی کھڑکی۔

”اچھا بھی لڑکے۔“ کرٹل نے کچھ اور سوالوں کے بعد کہا۔

”اب تم گھر جاؤ میرا خیال ہے کہ کوئی شخص تمہیں محض ڈرانے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ پھر کبھی ایسا موقع پیش آئے تو ایک بہادر انگریز لڑکے کی طرح اس پر پتھر پھینکو لیکن نہیں ایسا نہ کرنا بلکہ کسی بیرے یا ہوٹل کے مالک مسٹر مین کو بتا دینا اور کہنا کہ میں نے تمہیں ایسا کرنے کی ہدایت کی تھی۔

لڑکے کے چہرے پر جو تاثرات تھے ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کچھ شک محسوس کرتا ہے کہ شاید مسٹر مین اس کی بات دھیان سے نہ بنے لیکن کرٹل نے اسے اہمیت نہ دے کر فرمایا۔

تھے کہ اس نے صبح بستر ٹھیک طرح بچھایا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اس کمرے میں نہیں آئی۔ اس کے پاس کوئی دوسری چابی نہیں ہے۔ مسٹر سمین کے پاس البتہ چابیاں ہوتی ہیں اور وہی آپ کو بتا سکیں گے کہ یہاں کوئی آیا تھا یا نہیں۔

یہ ایک معمہ تھا۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ کوئی بھی قیمتی چیز اٹھائی نہ گئی تھی۔ اور پارکنس کو میزوں پر چھوٹی چیزوں کی ترتیب اچھی طرح یاد تھی اور اسے یقین بھی تھا کہ کوئی حرکت نہیں کی گئی۔ مسٹر اور مسٹر سمین نے بھی یہی کہا کہ ان میں سے کسی نے بھی اس کمرے کی چابی کسی شخص کو نہیں دی۔ پارکنس ایک اچھے ذہن کا مالک تھا۔ اسے ہول کے مالک اس کی بیوی یا کسی ملازم میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس سے کسی پر کوئی الزام لگایا جاسکے۔ اس کا یہی خیال تھا کہ لڑکے نے کرنل کو من گھڑت کہانی سنائی تھی۔

موخر الذکر خلاف معمول رات کے کھانے پر اور شام کے وقت خاموش اور متفکر سا رہا۔ سونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت اس نے پارکنس کو شب بخیر کہی اور روکھے سے لہجے سے کہا۔ ”اگر رات کو میری ضرورت پڑے تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کہاں ہوتا ہوں۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے شکر یہ کرنل ولن لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے آپ کو پریشان کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔ ہاں یاد آیا۔“ اس نے مزید کہا۔

”میں نے جس پرانی سیٹی کا آپ سے ذکر کیا

بتایاں جلائیں۔
”کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تو معلوم نہیں ہوتی۔“ اس نے کہا۔
”سوائے آپ کے بستر کے۔“ کرنل نے کہا۔

”معاف کیجئے وہ میرا بستر نہیں۔“ پارکنس نے کہا۔

”میں اسے استعمال نہیں کرتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اسے چھیڑا ضرور ہے۔“

واقعی بات کچھ ایسی ہی تھی۔ بستر کے کپڑے ایک ڈھیر کی صورت میں پڑے تھے اور بڑے بچ دار طریقے سے مڑے ہوئے تھے۔ پارکنس کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”میرا خیال تو یہ ہے۔“ آخر اس نے کہا۔
”کہ کل رات میں نے اپنا سامان کھولنے کے

دوران انھیں بے ترتیب کر دیا تھا اور اس کے بعد کسی نے بستر کو ٹھیک نہیں کیا۔ شاید میرے بعد کوئی بستر ٹھیک کرنے کے لیے اندر آیا ہو اور اسے لڑکے نے کھڑکی میں دیکھا ہو اور پھر اسے کسی نے بلایا ہو اور وہ بستر ٹھیک کیے بغیر ہی تالا لگا کر چلا گیا ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ واقعات اسی طرح ہوئے ہوں گے۔“

”اچھا تو گھنٹی بجا کر کسی کو بلائیں اور دریافت کریں۔“ کرنل نے کہا۔ پارکنس کو یہ تجویز بڑی پسند آئی۔

خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور مختصر آہ کہ اس نے حلیفہ بیان کیا کہ مسٹر پارکنس ابھی ہوٹل ہی میں

لیکن وہ ہمت کر کے اٹھا اور ایک کبیل، کچھ سیفنی پنوں اور ایک چھڑی اور ایک چھتری کی مدد سے کھڑکی کے آگے ایک ”پردہ“ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر یہ قائم رہ سکے تو اپنے بستر پر چاند کی سیدھی کرنوں کو نہ پڑنے دے گا۔ اور جلد ہی وہ اپنے بستر میں بڑے آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ جب وہ کافی دیر تک کچھ بڑھتا رہا تو اس نے بالآخر سونے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے کمرے میں خواب آلود نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور روشنی بجا کر لیٹ گیا۔

وہ بمشکل ایک گھنٹہ سویا ہوگا کہ اچانک کسی کھٹ پٹ کی آواز نے اسے جگا دیا۔ ایک لمحے ہی میں اسے احساس ہو گیا کہ اس نے بڑی احتیاط سے کھڑکی کے آگے جو پردہ کھڑا کیا تھا وہ گر چکا ہے۔ اور روشن چاند بالکل اس کے چہرے کے سامنے ہے۔ اسے کافی حد تک ناگواری سی محسوس ہوئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اٹھ کر پردے کو پھر ٹھیک کرے؟ یا شخص سونے کی کوشش کرے؟

چند منٹ تک وہ لیٹا ہوا امکانات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے تیزی سے کروٹ بدلی اور حیرت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ سانس روک کر کان کھڑے کر لیے۔ کمرے میں سامنے خالی بستر پر کچھ حرکت ہو رہی تھی اس کا اسے یقین تھا۔ کل وہ اسے یہاں سے اٹھوا دے گا کیونکہ اس میں ضرور چوہوں یا کسی اور چیز نے بسیرا کر لیا ہوگا۔ اب خاموشی تھی۔ اب ہل چل پھر شروع ہو گئی۔ وہاں کچھ ایسی کھڑکھڑاہٹ اور جرجراہٹ کی آواز پیدا

تھا وہ آپ کو دکھاؤں؟..... یہ دیکھتے ہی ہے وہ سیٹی۔“ کرٹل نے اسے موم بتی کی روشنی میں بڑی احتیاط سے دیکھا۔

”کیا آپ اس عبارت کا مطلب سمجھ سکتے ہیں؟“ پارکنس نے اسے واپس لیتے ہوئے دریافت کیا۔

”نہیں اس روشنی میں نہیں۔ آپ اسے کیا کریں گے؟“

”جب میں کمبرج واپس جاؤں گا تو وہاں کسی ماہر آثار قدیمہ کو دکھا کر معلوم کروں گا کہ وہ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ کوئی محفوظ رکھنے کے قابل چیز ہوئی تو میں غالباً کسی عجائب گھر کو تحفہ دے دوں گا۔“

”ہوں۔“ کرٹل نے کہا۔

”ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اگر یہ میرے پاس ہوتی تو میں اسے سمندر میں پھینک آتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ باتوں سے قائل نہیں ہوں گے لیکن مجھے توقع ہے کہ آپ اس سے کوئی نہ کوئی سبق ضرور سیکھیں گے۔

اللہ کرے کہ آپ کی رات خیریت سے گزرے۔“

تھوڑی دیر بعد دونوں اپنے اپنے کمرے میں تھے۔ بد قسمتی سے پروفیسر کے کمرے کی کھڑکیاں پردوں اور بھلملمیوں سے محروم تھیں گذشتہ رات اس نے اس طرف دھیان نہ دیا تھا۔ لیکن آج رات معلوم ہوتا تھا کہ چاند بالکل اسکے بستر کے سامنے چمک رہا ہے۔ اور شاید وہ اس طرح سونہ سکے گا۔ یہ سوچ کر اسے اگرچہ کسی حد تک ناگواری سی ہوئی

حرکت دے رہا تھا۔ جیسے راستہ ٹٹول رہا ہو۔

پارکنس کی جانب سے ذرا پرے مڑتے ہوئے اسے اچانک پارکنس کے چھوڑ دئے بستر کا احساس ہوا اور وہ تیزی سے ادھر بڑھا۔ وہ بستر پر جھکا اور نکیوں کو ٹٹولنے لگا جس سے پارکنس کے جسم میں کچھ سی دوڑ گئی۔ اگر وہ اپنے بستر پر ہوتا تو کیا ہوتا؟ چند لمحوں میں اس مخلوق کو معلوم ہو گیا کہ بستر خالی ہے۔ اس کے کھڑکی کی طرف روشنی میں چلنے سے پہلے بار پتہ چلا کہ وہ کس طرح کی چیز ہے۔

پارکنس جو اس بارے میں کسی پوچھ گچھ کو پسند نہیں کرتا ایک دفعہ میرے سامنے اس دہشت ناک مخلوق کے متعلق کچھ بیان کر رہا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسے زیادہ تر جو بات یاد ہے وہ یہ ہے کہ اس کا چہرہ جو شکن دار کپڑے کا چہرہ دکھائی دیتا تھا بہت زیادہ خوفناک تھا۔ اس کے چہرے پر کیا تاثر تھا۔ وہ بتانے سے قاصر ہے۔ البتہ اس وقت اس کا خوف اس حد تک شدید تھا کہ اس کا پاگل ہو جانا یقینی تھا۔

لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھ نہ سکتا تھا کیونکہ وہ شخصیت بڑی تیزی سے کمرے کے وسط کی طرف حرکت کر رہی تھی۔ اور جونہی اس نے راستہ ٹٹولتے ہوئے اپنے بازو ادھر ادھر لہرائے تو اس کے لباس کا ایک کونہ پارکنس کے چہرے سے ٹکرا گیا۔ اور وہ نفرت سے چلائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے ڈھونڈنے والے کو بہت جلد اس کا سراغ مل گیا اور وہ پھرتی سے پارکنس کی طرف لپکا۔ پل بھر میں پارکنس کھڑکی میں آدھا پیچھے کی طرف جھکا ہوا

ہو رہی تھی جو کوئی چوہا وغیرہ ہرگز نہیں کر سکتا۔

میں اپنے طور پر پروفیسر کی گھبراہٹ اور دہشت کا کافی حد تک انداز کر سکتا ہوں کیونکہ میں سال پیشتر میں نے اسی قسم کا خواب دیکھا تھا۔ لیکن قارئین شاید اس منظر کا تصور نہ کر سکیں کہ کتنی دہشت ناک حالت میں اسے خالی بستر پر ایک دم کوئی اٹھ کر بیٹھتا ہوا نظر آیا۔

پارکنس اپنے بستر سے کود کر اتر اور تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکا تاکہ اپنا اکیلا ہتھیار یعنی چھڑی پکڑے۔ جس کی مدد سے اس نے کھڑکی کے آگے پردہ سانبایا تھا لیکن عین اسی وقت خالی بستر سے وہ شخص تیزی سے اٹھا اور دونوں بستر کے درمیان اور دروازے کے سامنے بازو پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

پارکنس نے اسے بڑے دہشت ناک اضطراب سے دیکھا۔ اس کے پاس سے گزر کر کسی طرح دروازے کے راسے فرار ہونے کا خیال اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ نہ جانے کیوں وہ شخص کو چھونے سے گریز کر رہا تھا۔ اور اگر اس شخص نے اسے چھونے کی کوشش کی تو وہ اس سے پہلے ہی کھڑکی سے چھلانگ لگادے گا۔

پل بھر کے لیے وہ شخص تار یک سائے میں کھڑا رہا لہذا وہ اس کا چہرہ اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔ اب اس نے ذرا جھک کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اچانک پارکنس کو کچھ دہشت اور قدرے اطمینان کے ساتھ احساس ہوا کہ وہ اندھا تھا کیونکہ آگے بڑھتے ہوئے وہ اپنے لیے ہوئے بازوؤں کو یوں

کیا وضاحت بیان کی گئی۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ البتہ پروفیسر کو ہولناک دیوانگی سے نجات مل گئی اور ہول آسب زدہ مکان کے طور پر بدنام ہونے سے بچ گیا۔

اس بارے میں کچھ زیادہ سوالات نہیں کیے گئے کہ اگر کرنل اس وقت نہ آ جاتا تو پارکنس کا کیا حشر ہوتا۔ بظاہر وہ یا تو کھڑکی سے باہر کود جاتا یا پھر اپنے حواس ہی کھو بیٹھتا۔ لیکن اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ مخلوق جو سیٹی کے جواب میں وہاں وارد ہوئی تھی۔ اسے خوفزدہ کرنے کے علاوہ کیا کر سکتی تھی۔ وہاں بستر کے کپڑوں کے سوا اور کوئی سامان بھی نہ تھا۔ جس سے اس مخلوق کا جسم وجود میں آتا تھا۔ کرنل نے جسے ہندوستان کا ایک ایسا ہی واقعہ یاد تھا رائے ظاہر کی کہ اگر پارکنس اس مخلوق کے ساتھ بندر ہوتا تو وہ اسے کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکتی تھی کیونکہ خوفزدہ کرنا ہی اس کی واحد خوبی تھی۔ کرنل نے مزید کہا کہ اس سارے معاملے سے کھیسائے روم کے بارے میں اس کی رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس ضمن میں کوئی اور خاص قابل ذکر بات نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ پروفیسر کے نظریات میں بڑی حد تک تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اس کے اعصاب بھی بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اب وہ کسی دروازے پر کوئی جب لٹکا بھی نہیں دیکھ سکتا خواہ وہ ساکن ہی ہو۔ اور ایک دن کسی کھیت میں اس نے چڑیوں کو ڈرانے والا پتلا دیکھ لیا جس کے بعد اس کی دوا ایک راتیں بڑی بے چینی سے گزریں۔

اپنی پوری طاقت سے متاثر چیخ رہا تھا اور کپڑے کا چہرہ اس کے اپنے چہرے پر بہت قریب جھکا ہوا تھا۔ عین اس موقع پر جبکہ لمحہ بھر کی دیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس کی گلا خلاصی ہو گئی۔ جیسا کہ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کرنل نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا اور ٹھیک وقت پر پہنچ کر کھڑکی کے پاس یہ خوفناک منظر دیکھا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو دونوں میں سے ایک ہی وہاں موجود تھا۔ پارکنس غش کھا کر آگے کی طرف کمرے کے فرش پر گر پڑا اور اس کے سامنے فرش پر بستر کے کپڑوں کا ایک بے ترتیب ڈھیر پڑا تھا۔

کرنل ولسن نے اس موقع پر اس سے کوئی سوال دریافت نہ کیا۔ بلکہ دوسروں کو کمرے میں داخل ہونے سے روکتے ہوئے اس نے پارکنس کو اس کے بستر پر آرام سے لٹا دیا۔ اور خود ایک کمرے لے کر دوسرے بستر پر قبضہ جمالیا جہاں وہ رات بھر رہا۔ اگلے دن سویرے ہی راجرس آ پہنچا۔ اگر وہ ایک روز پہلے آتا تو اس کا اتنا اچھا استقبال نہ ہوتا۔ اور پھر پھرتیوں نے پروفیسر کے کمرے میں طویل تبادلہ خیالات کیا جس کے اختتام پر کرنل ہول کے دروازے سے باہر نکلا۔ اس نے اپنی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ایک چھوٹی سی چیز پکڑ رکھی تھی جسے اس نے لے جا کر اپنے ورزشی بازو کی پوری طاقت سے دور سمندر میں پھینک دیا۔ اس کے بعد گلوب ان کی پچھلی سمت سے آگ کا دھواں اوپر اٹھتا دکھائی دیا۔

ہول کے عملہ اور مہمانوں سے اس معاملے کی

نئے لکھنے والوں کے لیے خوشخبری ☺☺

آپ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں..... لکھنے کی ہمت نہیں کر پارہے ہیں..... اپنے دل کی آواز دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں یا دوسرے رسائل و ڈائجسٹ سے ماپوس ہو چکے ہیں۔ گھبرائیے نہیں! آپ کی تحریروں کے لیے ”ماہنامہ سچی کہانی لاہور“ کے دروازے کھلے ہیں۔ ہم آپ کی تحریر کی نوک پلکھ درست کر کے شائع کر دیں گے۔ آپ اپنی تحریر خوشخط اور ایک صفحہ چھوڑ کر لکھیں تاکہ پڑھنے اور اصلاح کرنے میں آسانی رہے۔ آپ کی تحریر خوفناک ہونی چاہیے۔

✉ ماہنامہ سچی کہانی لاہور 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530

نامور قلم کار محمد رضوان قیوم کی 11 انعام یافتہ دلچسپ منفرد پلاٹ کے حامل سچی کہانیوں کا مجموعہ

”کربِ ماضی“

کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب درج ذیل بکسٹال پر دستیاب ہے

📖 ورائٹی بک شاپ، بینک روڈ، صدر راولپنڈی کینٹ فون: 051-5583397

📖 ملک بک شاپ، کمیٹی چوک، مری روڈ، راولپنڈی فون: 051-5530352

🌸 قیمت کتاب -/250 روپے 🌸

قبر کی سل اٹھا کر تابوت پر لیت جائو کل صبح میں تمہیں لینے آؤں گی

میں واپس آؤں گا

کھ..... رانا جی

ایک شام یہ اعلان کیا روزی اس کی شریک حیات بننے پر رضامند ہو گئی ہے تو ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں روزی ہمارے دوست جارج کی چچا زاد بہن تھی، لیکن وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ شہر کے سارے کنوارے یکے بعد دیگرے اسے شادی کا پیغام بھجوا چکے تھے۔ دوسرے اسے جارج سے دلی نفرت تھی کم از کم ہمارا یہی خیال تھا کیونکہ وہ جارج سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتی تھی اور کئی بار اس نے ہمارے سامنے بری طرح اس کی بے عزتی کی تھی۔

جارج یہ خبر سنا کر چلا گیا تو ہم سوچنے لگے ایسی حسین و جمیل لڑکی جس کے تذکروں سے کلب آباد ہیں جارج جیسے بد صورت، مفلس و تلاش اور کم تعلیم یافتہ شخص سے شادی کرنے پر کیونکہ رضامند ہو گئی۔ کچھ دوستوں کا خیال تھا جارج نے یونہی گپ لگائی ہے لیکن ریمنڈ نے جو اتفاق سے روزی کا بڑا بھائی تھا تصدیق کی اس نے دو تین بار روزی کو جارج کے

کہنے کو تو جارج میرا دوست تھا لیکن جچ پوچھنے تو میں اس کے ساتھ کسی تقریب میں شامل ہونا پارک میں گھومنا یا تفریح پر جانا پسند نہ کرتا تھا۔ شکل و صورت سے اچھا خاصا کارٹون نظر آتا تھا۔ چھوٹا قد گنبا سر میڑھی آنکھیں نیچے دانت باہر کو نکلے ہوئے چال ایسی بے ڈھنگی کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا زمین پر گیند لڑھک رہا ہے۔ وہ خود بھی اپنی جسمانی خامیوں سے آگاہ اور ان کے سبب شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا تھا۔ گفتگو کرتے ہوئے اچانک خاموش ہو جاتا اور کچھ سوچنے لگتا۔ سب لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور لڑکیاں تو بالخصوص اسے دیکھتے ہی ہنسنے لگتیں۔ یہی وجہ تھی ہماری منڈلی میں بیٹھنے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی چار دیواری سے باہر اس کا ساتھ دینا پسند نہ کرتا تھا۔

شکل و صورت کے علاوہ اس کی تعلیم معمولی اور مالی حالت خراب تھی۔ اسکے باوجود جب اس نے



بینہ کر شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اپنے موٹر سائیکل کی طرف لپکا اور آن واحد میں اسے اسٹارٹ کر کے ٹیکسی کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

ٹیکسی بڑی سڑک چھوڑ کر قبرستان جانے والی چھوٹی سڑک پر آ گئی۔ میں نے کچھ فاصلے پر ان کا تعاقب جاری رکھا۔ سینٹ اینوز کے قبرستان کے دروازے پر ٹیکسی رکی اور جارج اور روزی اتر کر اندر چلے گئے۔ میں نے اپنا موٹر سائیکل سڑک کے کنارے ایک چائے فروش کے پاس چھوڑا اور دوڑتا ہوا قبرستان میں داخل ہو گیا۔ وسیع و عریض قبرستان میں انھیں تلاش کرنا اور وہ بھی اس طرح کہ انھیں میری خبر نہ ہو سکے بہت مشکل کام تھا۔ تاہم میں نے جاسوسی کہانیوں اور سرانفرسانی کی فلموں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بالآخر درختوں کے ایک جھنڈ میں انھیں ڈھونڈ نکالا۔

قبر کی سل پر بیٹھی ہوئی روزی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ جارج اس کے قدموں میں لیٹا ہوا تھا۔ دونوں کسی اہم موضوع پر بات چیت کر رہے تھے۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھا اور ایک ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے ان کی آواز بخوبی سنائی دیتی تھی۔ روزی کہہ رہی تھی۔

”میں چاہتی ہوں میرا ہونے والا شوہر میرے حکم پر اپنی جان تک قربان کر دے۔“

”تم جب چاہو مجھے آزما سکتی ہو۔“ جارج نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

”مجھے تم پر اعتماد ہے۔ تم نے میرے کہنے پر اپنا

ساتھ ساحل کی طرف جاتے دیکھا ہے۔

ہم کل نو دوست جمع تھے اور ہم میں سے سات کوروزی نے ٹھکرادیا تھا۔ حد اور رقابت کے سبب ہماری بری حالت تھی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ہم میں سے دو اشخاص خفیہ طور پر جارج کی نگرانی کریں اور اس امر کا کھوج لگانے کی کوشش کریں کہ روزی اور جارج کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے اور کیا واقعی وہ حسین لڑکی چڑیا کے اس غلام کے ساتھ شادی پر رضامند ہو گئی ہے یا وہ ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

قرعہ خال میرے اور ریمینڈ کے نام پڑا۔ ریمینڈ تو روزی کا پڑوسی تھا مجھے منتخب کرنے کی وجہ محض رسی تھی کہ دوسروں کی نسبت جارج مجھ پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ علاوہ ازیں میں شادی شدہ تھا اور اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی وقت بسر کر رہا تھا۔ لہذا روزی بھی مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اسے معلوم تھا میں اس کا امیدوار ہوں۔

خدا کی قدرت دیکھئے ریمینڈ انہی دنوں بیمار پڑ گیا اور مجھے شراک ہو مرنے کا بہت آسان راستہ مل گیا ہے جین میری بیوی بچوں کو لے کر اپنے میکے گئی ہوئی تھی اور میں گھر پر اکیلا تھا۔ چنانچہ بڑی تندی سے روزی اور جارج کی نگرانی شروع کر دی۔ جلد ہی مجھے ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے کا موقع مل گیا۔

مارج کی ایک کہر آلود صبح تھی میں جارج کے گھر سے قریب ہی ایک کینے میں ناشتے کی غرض سے گیا تو روزی اور جارج سڑک پر نظر آئے۔ انھوں نے ایک ٹیکسی کورکنے کا اشارہ کیا اور اس میں

یہ کہہ کر روزی اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں چیزیں جارج کے پاس رکھ دیں۔ جارج نے پرسش کے سے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر وہ سل ایک طرف کھڑا دی اور تابوت پر لیٹ گیا۔ روزی نے کچھ خشک جھاڑیاں اس کے اوپر رکھ دیں تاکہ قبرستان میں آنے والے کسی شخص کی نظر اس پر نہ پڑے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قبرستان کے دروازے کی طرف چل دی۔ میں کچھ دیر خاموش کھڑا رہا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو آگے بڑھ کر جھاڑیاں ایک طرف پھینک دیں اور ہنستے ہوئے کہا۔

”میسویں صدی کے مجنوں صاحب ذرا باہر تشریف لائیے۔“ میری آواز سن کر جارج کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اٹھا اور میرے قدموں میں گر کر بولا۔

”خدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اگر تم نے کسی کے سامنے میرے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں قسم کھاتا ہوں فوراً خودکشی کر لوں گا۔“

اس نے یہ بات کچھ ایسے لہجے میں کہی کہ مجھے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ روزی کے باپ نے اس کی ماں کو گھر سے نکال دیا تھا ماں بیٹی اب تک ملازمت کر کے اپنا پیٹ پالتی ہیں۔ روزی نے بچپن ہی سے اتنے غم اٹھائے ہیں کہ اسے مرد کی ذات پر اعتماد نہیں رہا۔ ہونے والے شوہر کو اپنے قدموں پر جھکانے سے اس کی انا کو تسکین ملتی ہے۔ وہ میری پہچان زاد ہے اور میں چاہتا ہوں اس کا مرد کی

ہاتھ چلتے ہوئے انگاروں پر رکھ دیا تھا، لیکن میں زیادہ سخت امتحان لینا چاہتی ہوں۔ وہ ایک وقتی جذبہ تھا، ہو سکتا ہے تمہیں میری وجہ سے کچھ دیر تک آزمائش میں مبتلا رہنا پڑے تو ہمت ہار بیٹھو۔“

”اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ جارج جیسے مکمل طور پر روزی کے قبضے میں تھا۔

”مجھے قبرستانوں سے خوف آتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں رات کے وقت قبرستانوں میں آوارہ روحیں آتی ہیں میں ان روحوں کی حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہوں، لیکن مجھ میں اتنی جرأت نہیں کہ رات کے وقت یہاں رہ سکوں میری جگہ تم آج رات اس قبرستان میں بسر کرو اور دیکھو رات میں کسی وقت بھی یہاں آؤں گی اور اگر تم موجود نہ ہوئے تو زندگی بھر تم سے کلام نہیں کروں گی۔ بس اسی غرض سے تمہیں یہاں لائی تھی۔“

”ایک رات تو کیا میں عمر بھر قبرستان میں رہنے پر تیار ہوں۔“

”ٹھیک ہے قبر کی سل اٹھا کر تابوت پر لیٹ جاؤ کل صبح میں تمہیں لینے آؤں گی بسکٹ کا یہ ڈبہ اور چائے کا تھرموس اپنے پاس رکھ لو۔“

”میں کسی سے نہیں کہوں گا اگر تم باہر تو نکلو۔“

جارج باہر آ گیا۔ ہم دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ وہ کچھ دیر میری طرف دیکھتا رہا پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

”میں جانتا ہوں تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو تمہارا خیال ہے مجھ پر عشق کا تھوڑا سا سوار ہے

کتاب لگی جس میں یوگا کی ورزشیں لکھی تھیں۔ اس نے وہ سب ورزشیں مجھے کرائیں اور ایک ورزش میں تو میں سر کے بل نصف گھنٹے تک دیوار کے ساتھ کھڑا رہا۔ روزی نے وعدہ کیا ہے وہ جلد ہی شادی کے لیے اپنی ماں سے بات کرے گی۔ شاید یہ آخری امتحان ہو کیونکہ اس ماہ کی بیس تاریخ کو روزی کی سالگرہ ہے اور وہ چاہتی ہے اس موقع پر ہماری شادی ہو جائے۔“

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جارج کی تعریف کروں یا اس کی بے وقوفی پر تہقہ لگاؤں۔ تاہم اس نے میری اتنی خوشامد کی کہ مجھے اپنے بچوں کی قسم کھا کر وعدہ کرنا پڑا میں کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کروں گا۔ اس کی خواہش پر میں نے دوبارہ اسے قبر میں لٹا دیا اور اس کے اوپر خشک جھاڑیاں بکھیر دیں۔

تیسرے روز وہ کلب میں آیا تو روزی اس کے ساتھ تھی۔ اسی شام ان کی مگنی ہو گئی۔ شادی کے لیے بیس تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ اس دوران میں حسب وعدہ میں نے کسی سے جارج کے بارے میں ذکر نہ کیا چنانچہ وہ مجھ سے بہت خوش تھا۔ ایک بار تو وہ روزی کو ساتھ لے کر میرا شکریہ ادا کرنے گھر پر بھی آیا۔

سولہ مارچ کی شام اس نے مجھے فون کیا کہ میں ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جاؤں وہ مجھ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے ہامی بھری۔ وہ اور روزی پلٹ فارم پر میرے منتظر تھے۔ روزی کا چہرہ اترا ہوا تھا جارج بولا۔

ذات پر اعتماد بحال ہو جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تم جانتے ہو شکل و صورت اور مالی لحاظ سے میری حیثیت معاشرے میں اونچی نہیں۔ میں اور روزی ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ اسے اعتماد چاہیے اور مجھے کوئی ایسا وسیلہ جس کے ذریعے میرا اعتماد اپنی ذات پر بحال ہو سکے اور احساس کمتری دور ہو جائے۔ روزی میری آغوش امید ہے وہ میرے لیے محبوبہ نہیں زندگی کی علامت ہے۔ اگر اس کے ساتھ میری شادی ہو جائے تو تم سب لوگوں پر مجھے ایک طرح سے فوقیت حاصل ہوگی اور یہ فوقیت مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں مدد دے گی۔ میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا اور اب میں تم سے درخواست کرتا ہوں میرے بارے میں اپنی زبان بند رکھو۔“

”تم کہتے ہو تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن دوست مجھے یقین ہے روزی کا ذہنی توازن درست نہیں۔ کیا واقعی اس نے تمہیں جلتے ہوئے انگوروں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا تھا؟“

”ہاں مگر میں تمہیں اس کی وجہ بتا چکا ہوں۔ علاوہ ازیں میں اس کی خواہش پر چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا چکا ہوں اور بڑے پل پر سے دریا میں کود چکا ہوں۔ ایک بار اس نے مجھ سے یا پائپ کی مدد کے بغیر تیسری منزل سے زمین پر آنے کا حکم بھی دیا تھا اور میں نے اس حکم کی تعمیل میں اپنا ایک گھٹنا زخمی کر لیا۔ تمہیں یاد ہوگا میں نے تم لوگوں کے سامنے جھوٹ بولا تھا کہ گاف کھیلے ہوئے چوٹ لگی ہے۔ پچھلے سنچر کو روزی کے ہاتھ ایک

روزی نے مجھے بتایا رات اس کا تار موصول ہوا تھا وہ صبح سات بجے والی گاڑی سے پہنچ رہا ہے۔ ساڑھے نو بجے تک اس کا نہ پہنچنے کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ دس بجے والی گاڑی میں آئے گا۔ پونے دس بجے میں موٹر سائیکل پر فوراً اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا تاکہ اسے سواری لینے میں دیر نہ ہو جائے۔ گاڑی تین منٹ لیٹ تھی۔ دس بج کر تین منٹ سے دس بج کر دس منٹ تک یعنی جب تک گاڑی اسٹیشن پر رہی میں نے اس کا ایک ایک ڈبہ چھان مارا لیکن جارج کہیں دکھائی نہ دیا۔ مایوس ہو کر میں اسٹیشن سے نکلا اور گر جا گھر کی طرف روانہ ہوا۔

دروازے پر مجھے ریمینڈ مل گیا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا۔

”جارج نہیں آیا؟“

”جارج تو خیر پہنچ گیا ہے البتہ اس کی حالت قابل رحم ہے شاید ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوا ہے۔“ ریمینڈ نے جواب دیا۔

ہم دونوں اندر پہنچے۔ شادی کی رسوم ادا ہو رہی تھیں۔ لیکن حاضریں کے چہروں پر خوف کے آثار تھے جارج واقعی روزی کے پہلو میں موجود تھا، لیکن اف میرے خدا اس کا رنگ پیلا تھا کپڑے خون سے تر تھے ایک بازو ٹوٹ گیا تھا اور کندھے پر کاری زخم آیا تھا۔ وہ بار بار اپنی گردن سیدھی کرنے کی کوشش کر رہا تھا جیسے گردن ٹوٹ گئی ہو۔ ریمینڈ نے مجھے بتایا دس بج کر دس منٹ پر وہ دوڑتا ہوا گر جا گھر میں داخل ہوا اور جب لوگوں نے اس سے پوچھنا

”میرے استاد اور دادا جان کے نہایت قریبی دوست مسٹر بروین راج کا تار آیا ہے۔ وہ سخت بیمار ہیں اور مجھے بہر صورت سکنا ولی جانا چاہیے۔ روزی پریشان ہے اس کا خیال ہے میں بیس تاریخ کی صبح گیارہ بجے تک واپس نہیں آسکوں گا اور اس طرح شادی کا پروگرام ملتوی ہو جائے گا تم اسے تسلی دو۔“

”روزی ٹھیک کہتی ہے۔“ میں نے فوراً کہا۔

”ہو سکتا ہے مسٹر بروین راج کی طبیعت زیادہ خراب ہو اور تمہیں وہاں رکن پڑے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے بخدا میں ہر قیمت پر شادی کے وقت سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے تب بھی وہاں نہ رکوں گا۔“ اس نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ میں نے روزی کو تسلی دی مگر وہ آخر وقت تک یہی کہتی رہی۔

”جارج تم نہ جاؤ نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے ہماری شادی ملتوی ہو جائے گی کیونکہ تم وقت پر نہ پہنچ سکو گے۔“

جارج ہنس دیا اور مجھے اس کا خیال رکھنے کی نصیحت کر کے گاڑی میں سوار ہو گیا۔ میں نے روزی کو موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھایا اور اس کے گھر چھوڑ دیا۔

بیس تاریخ کی صبح ہم سب دوست نو بجے ہی گر جا گھر پہنچ گئے۔ ساڑھے نو بجے تک روزی بھی دلہن کے لباس میں اپنی ماں اور چند دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ آن پہنچی۔ کئی بار ہم نے جارج کے گھر سے معلوم کیا مگر پتہ چلا وہ ابھی تک سنتا ولی سے نہیں لوٹا۔

خیال تھا جارج نے راستے میں روزی کا گلا گھونٹ دیا ہے لیکن میں جانتا تھا وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ ہم نے اسے سارے شہر میں تلاش کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پولیس والوں نے روزی کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی۔

دوپہر کے وقت پوسٹ مارٹم کے نتائج آ گئے۔ ڈاکٹر نے بیان دیا تھا لاش پر کسی ضرب کا نشان نہیں اور نہ گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔ موت حرکت قلب بند ہونے سے اور اچانک واقع ہوئی۔ پولیس کا خیال تھا جارج کو زخمی دیکھ کر روزی ڈر گئی اور اسی حالت میں اس کی حرکت قلب بند ہو گئی۔ جارج نے اسے مردہ دیکھا تو اس خوف سے کہ پولیس قتل کے جرم میں گرفتار نہ کر لے چلتی ہوئی گاڑی سے باہر کو دو گیا۔

لیکن تین بجے سہ پہر ہمارے یہ خدشات دور ہو گئے اور ایک ایسی حقیقت سامنے آئی جس نے حیرت کے سبب ہمیں پاگل کر دیا۔ سکناولی سے پولیس نے اطلاع دی آج یعنی بیس تاریخ کی صبح پانچ بجے سکناولی کے اسٹیشن کے قریب جارج نامی ایک نوجوان تیزی سے ریل گاڑی میں سوار ہونے کے لیے پلیٹ فارم کی طرف دوڑا تو ایک تیز رفتار کار نے اسے چل دیا۔ لاش پوسٹ مارٹم کے بعد تین بجے کی گاڑی سے بھیجی جا رہی ہے۔

جارج صبح پانچ بجے مرا تھا ایک بجے تک پوسٹ مارٹم ہوا دس بجے صبح اس نے شادی کی اور پھر راستے ہی میں غائب ہو گیا۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس پر سے پردہ اٹھانا کم از کم میرے لیے ممکن نہیں۔

جب باہم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تو اس نے انگلیوں پر رکھتے ہوئے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پادری صاحب کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”آپ شادی کی رسومات شروع کریں۔“

روزی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو بیہوش ہو کر گرنے لگی۔ جارج نے اسے سہارا دیا۔

حاضرین دم بخود تھے۔ نہ جانے جارج کی آنکھوں میں کیا جا دو تھا کوئی شخص زبان سے کچھ نہ کہہ سکا خوف کی ایک سرد لہر نے سب کا احاطہ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ پادری بھی خاموشی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔

دو لہا اور دلہن باہر نکلے تو کسی نے ان پر پھول نہیں برسائے۔ پھولوں کے ہار لوگوں کے ہاتھ میں رہ گئے۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی گھر کی طرف چل دی۔ ہم چند ایک دوست شخص یہ جانے کے لیے کہ جارج کو کیا حادثہ پیش آیا ہے گاڑی کے پیچھے ہو لیے۔ ریمینڈ کا خیال تھا جارج گاڑی سے اتر اور راستے میں اسے ٹریفک کا حادثہ پیش آ گیا۔ لیکن میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوا کہ میری نظر نے دھوکا کھایا ہے میں نے گاڑی کا ایک ایک ڈبہ تلاش کیا تھا۔

جب ہم جارج کے گھر پہنچے تو سڑک پر کھرام چا ہوا تھا۔ جارج کے گھر کے بازو میں روزی اور اس کی ماں رہتے تھے۔ روزی کی ماں اپنے ال نوج رہی تھی۔ معلوم ہوا گاڑی گھر کے سامنے پہنچی اور ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا تو اندر روزی کی لاش پڑی تھی اور جارج غائب تھا۔ رشتہ داروں کا

شادی شدہ احسن بھی خاص استعمال محرم و مرد

سفر جیل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ جیل اسپین، لبنان اور عرب کے اکثر علاقوں میں پایا جاتا ہے جو بہت لذیذ اور بہت لطیف ہوتا ہے قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کر دی ہے جس سے جوڑھے مرد بھی جوان ہو جاتے ہیں اور کمزور مردوں کیلئے ٹھیک ہے۔ سفر جیل ایک ایسا فایا ب پھل ہے جسکے متعلق رسول اللہ کا ارشاد درگاہی ہے کہ سفر جیل کھا تو یہ دل کو طاقت دیتا، دل کے زور کو روکتا، دل کو مضبوط کرتا، دل کی بیماریوں کو ٹھیک کرتا، سانس کو خوشبو دار کرتا اور سینہ کا لو جوہر آتا ہے پھر حضور نے سفر جیل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: سفر جیل کھاؤ! اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نئی نہیں مامور فرمایا ہے جنت کا پھل سفر جیل نہ کھلایا ہو کیونکہ یہ مرد کی قوت کو چالیس افراد کے برابر کر دیتا ہے حکماء قدیم کے نزدیک یہ دل و دگر کی بیماریوں اور قوت خاص کیلئے اکیس کا درجہ رکھتا ہے۔ سفر جیل کے متعلق حکیم عبدالغنی مرحوم امرتسریانی کتاب میں لکھتا ہے اس پھل میں قنارہ طلق نے وہ قوت رکھ دی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور حکیم اسرار دودی (محرر) لکھتے ہیں کہ یہ پھل بیحد مقوی باہ اور قوت خاص میں اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ حکیم نذیر احمد ترائی (محرر) سفر جیل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قدرت نے اس پھل میں وہ قوت خاص رکھی ہے جو کسی اور پھل میں نہیں۔ نہ جانے اس پھل میں اور کیا کیا قوتیں موجود ہیں جو انسان کیلئے یقینی طور پر مفید ہو سکتی ہیں۔ سفر جیل کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کر کے آپکے سامنے وہ قیمتی راز دکھا رہا ہوں جو کہ استاد محترم نے کئی سال خدمت کرنے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ باہ کو قوت دینے، سرعت اثرال کو زور کرنے اور قوت خاص میں تحریک پیدا کرنے کیلئے بالکل اچھے ہے جس کی صرف ایک ہی خوراک کھانے سے مرد میں اتنا کمزور آجاتا ہے کہ مرد چار شادیاں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کا نام احسن ہے بھی خاص ہے جو کہ گویوں کی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ 30 گولی قیمت 1500 روپے بذریعہ TCS یا VP منگوائیں۔

ڈیلرز	بادشاہ دکن علی، بوہڑ بازار، راولپنڈی حکیم صفی نور محمد، اچھرہ سیٹ چوک، جہلم قدیری پٹوئی دواخانہ، کچہری بازار، سرگودھا حق سائیں دواخانہ، فوارہ چوک، سہیل پور، لاہور سیکھنڈ روڈ دواخانہ، ملت دواخانہ، عابد رحمانیہ، گھنٹہ گھر، پشاور حکیم جمیل، مینا بازار، میانہ پور سعید محمد دواخانہ، عدنان دواخانہ، گلگت	راوی دواخانہ، دکنی، مشتاق دواخانہ، غازی خالد دواخانہ، صرف بازار، ایبٹ آباد محمد علی دواخانہ، اسلام آباد۔ 2278463 خالد پرواز، مدنی سٹریٹ، سکھر نعیم دواخانہ، گوجرانوالہ روڈ حافظ آباد ناصر دواخانہ، نوید صحت دواخانہ، سعید دواخانہ، حق سائیں دواخانہ، صدر ریشاوار عاشی دواخانہ، ایم جی جٹ روڈ، ٹھٹھارہ
-------	---	--

نام لیکر طلب کریں اپنے علاقے کے ڈیلر کا نام و پتہ معلوم کرنے یا گھر منگوانے کیلئے مشورہ بھی کر سکتے ہیں۔ 7 بجے تا 11 بجے تک کال کریں
0334-0700880 SMS کریں - 0345-7000088
www.deva.pk.com

میری روح کو یہاں آنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔۔۔۔۔ ان کا احساس تمہیں کیونکر ہو سکتا ہے۔ دیکھو! مجھے قبر سے باہر نکلنے کے لیے کتنی تک و دو کرنی پڑی ہے اور میں اسی لباس میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں

روح کا ملاپ

سبحہ..... فریحہ ملک

ہے۔ ایسی محبت جو شاید ہی کسی کے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ میں حیران ہوں کہ محبت کی اس شدید ضرب سے میرا دل اس وقت کیوں نہ پھٹ گیا۔ میں تاحال کیوں زندہ ہوں؟

بچپن ہی سے میرا دھیان پادری کے مقدس پیشے کی طرف تھا۔ مجھے مقدس بائبل اور دیگر مذہبی کتابوں کی تکمیل کے لیے گرجے کے ساتھ ڈوئٹی کالج میں داخل کرایا گیا۔ جس وقت میں نے مقدس کتب کا کورس کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔ اس وقت میری عمر چوبیس سال تھی۔ میرا قلب اور ذہن بالکل صاف تھا۔ عورت کے متعلق مجھے صرف اتنا احساس تھا کہ یہ صنف اس دنیا میں موجود ہے اور بس۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں اور کسی خیال کا غلبہ نہیں تھا۔ دنیا میں میرا صرف ایک رشتہ دار تھا۔ اور وہ بھی میری ماں۔ جس نے والد کی

میرے بھائی! تم پوچھتے ہو کہ آیا میں نے کبھی محبت کی ہے؟ ہاں میں نے محبت کی ہے۔ میری داستان ایک بچی آپ بنتی ہے۔ ایسی آپ بنتی جو قدرت کی نیرنگیوں کی عجیب داستان ہے اور جسے میں ۲۵ سال کی عمر تک پہنچنے کے باوجود نہیں بھلا سکا۔ بڑھاپے میں میرے ذہن پر ہر وقت جوانی کے واقعات سوار رہتے ہیں۔ میں تم سے کوئی چیز نہیں چھپاؤں گا۔ واقعات ایسے ہیں جن کا تعلق میری ذات سے ہے۔ اس کے باوجود مجھے خود بھی کئی بار یقین نہیں آتا کہ یہ مجھ پر گزرے ہیں؟

تین سال میں نے ایک متقی پرہیزگار پادری کی زندگی گزاری۔ مگر اس کے بعد تین سال شیطان نے مجھ پر غلبہ کیے رکھا۔ اگر میرے پیشوا کی مدد میرے شامل حال نہ ہوتی تو خدا معلوم مجھ پر کیسی تباہی نازل ہوتی۔ ہاں میں نے واقعی محبت کی



اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔

دو منٹ کے اس قلیل وقفے میں میری نظروں میں ایک صرف ایک چیز محبوب ترین رہ گئی۔ میری سالہا سال کی عبادت مقدس کتاب اور روح القدس کے لمبے لمبے وظائف اور مقدس بائبل کے اوراق اور سب سے بڑھ کر میرا مقدس پیشہ۔ یہ سب احساسات مجھے اس طرح جواب دے گئے۔ جیسے ان کا کوئی اثر میری طبیعت میں تھا ہی نہیں مجھے خود بھی علم نہ ہو سکا کہ اچانک ایسا کیونکر ہو گیا۔

میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب نظر اوپر نہیں اٹھاؤں گا۔ مگر کوئی شیطانی طاقت میری نظروں کو پھر اوپر اٹھا رہی تھی۔ 'شیطانی طاقت' کے الفاظ میں نے اس لیے استعمال کیے ہیں کہ میں ایک نہایت مقدس اور روحانی ماحول کی پیداوار تھا۔ اس ماحول میں ذرا سی لغزش بھی شیطانی طاقت کی طرف منسوب کی جاتی تھی۔ مقدس کتب میں حوروں کے قصے کئی مرتبہ پڑھے تھے۔ فردوس بریں کی بریوں کے حالات سنے تھے۔ میں نے حسن کے متعلق اس دنیا کے کئی مصنفوں، مصوروں اور فن کاروں کے تاثرات پڑھے تھے۔ مگر آج عملی تجربہ مجھے جیسے مسکین طبیعت اور عاجز انسان کے ساتھ پیش آ گیا تھا۔ جس کا ماحول لباس، ملازمت، پیشہ سب قدامت پسندانہ تھے۔ جسے ماڈرن لباس اور سوسائٹی سے کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔

آرچ بشپ مقدس کلام پڑھتے جاتے اور میں انھیں غیر شعوری طور پر دہراتا جاتا تھا۔ میری عقل بے چلکی تھی اور میرے اوسان خطا ہو چکے

وفات کے بعد اپنا زیور بچ کر مجھے پادری کی تعلیم دلائی۔ مجھے فطری طور پر اس مقدس پیشے سے دلی لگاؤ تھا۔ جس دن مجھے گرے کا نائب پادری بنانے کی رسم ادا کی جانے والی تھی میں خوشی سے پھولا نہیں سانا تھا۔ یہ ایک طویل رسم تھی جس میں دونوں انگلیوں پر مقدس تیل ملا جاتا ہے۔ اور مقدس گیت گائے جاتے ہیں۔ اور آخر کار بڑے بشپ کے ساتھ ایک جلوس سا نکالا جاتا ہے۔ یہ رسمیں جلد ادا ہونے والی تھیں۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا۔ سینٹ جان کے بڑے گرے میں وہ رسم ادا ہونے والی تھی۔ جیسٹم ٹاؤن کے عوام اور رؤسا بڑی تعداد میں گر جائیں آئے ہوئے تھے۔ پیرس کے آرچ بشپ کو یہ مقدس رسم ادا کرنی تھی۔ تمام رسوم خوش اسلوبی سے ادا ہو چکیں تو میں نے سراٹھا کر دیکھا۔ چوتھی قطار میں ایک دہلی پتلی حسین عورت کی ساحرانہ آنکھیں میری طرف تکی رہی تھیں۔ خدا معلوم اس وقت کیا ہو گیا۔ ایک جنبش سے میرے احساسات کو ایک دھچکا سا لگا۔ جیسے کسی کو روح القدس کا یکدم دیدار ہو گیا ہو۔ میں بالکل مبہوت ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا تھا۔

دو منٹ پہلے آرچ بشپ کی مقدس ذات میرے لیے سب کچھ تھی۔ صرف یہی ایک ہستی میری نظروں میں دنیا کی سب سے مقدس ہستی تھی۔ مگر اس کی تقدیس کا احساس یک لحظت کا فور ہو گیا۔ گرے کی دیواریں مجھے جان سے زیادہ عزیز تھیں۔ مگر اب مشکل ان کی نئی کے باوجود مجھے

عجیب قسم کے تاثر کا بوجھ ذہن میں اٹھائے ہوئے اپنے حجرے کی طرف جا رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے کارڈ دیا جس پر لکھا ہوا تھا۔

”کروشیمالازا کا کتنی پیل جسٹم سٹی۔“

میں نے کارڈ پکڑا۔ میرے ہاتھ بے حد لرزاں کی طرح کانپ رہے تھے۔ میں یہی چٹ سینے پر رکھ کر سو گیا اور مجھے نیند آ گئی۔

کروشیمالازا تھیز کے بوڑھے مالک کی بیٹی تھی۔ جب کوئی پلازا تھیز کی ایکٹریس بیمار ہوتی یا کام نہ کر سکتی تو کروشیمالازا یہ پارٹ ادا کرنا پڑتا تھا۔ قدرت کی قسم ظریفی۔ ایک طرف تو لکھ پتی عورت مگر ایکٹریس اور دوسری طرف ایک مفلس مگر مقدس پوپ کے اعلیٰ خاندان کا فرد اور پیشہ ور پادری۔ آسمانی باپ نے یہ نہ سوچا کہ ناممکن کو کیسے ممکن بنایا جا سکتا ہے؟ دوسرے دن وہی لڑکا مجھے ایک اور کارڈ دے گیا۔ جس پر لکھا تھا۔

”کروشیمالازا آج رات گاروبو کی بجائے ڈرامہ جلن میں پارٹ ادا کرے گی۔“

کیو پڈ کے اس حملے نے میرے لیے تمام دنیا تاریک کر دی تھی۔ میں نے رات کو بھیس بدلا اور اپنی ساہلسال کی عبادت کو بالائے طاق رکھ کر چوری چوری تھیز کی جانب چلا گیا۔

کروشیمالازا نے جو پارٹ تھیز میں ادا کیا وہ صرف پانچ یا دس منٹ کا تھا کیونکہ اصلی ایکٹریس گاروبو کی آمد کا اعلان کیا گیا اور وہ آن پہنچی۔ کروشیمالازا جانے کے بعد مجھے ڈرامے سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ میں دیوانوں کی طرح تھیز کے باہر

تھے۔ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ طبعی طور پر میں کمزور تھا اور ایک رقیق القلب انسان پر ایسے ماحول میں کیو پڈ کا حملہ ایک کاری ضرب تھا۔ مقدس آرچ بشپ کے ایک سوال کے جواب میں ہاں کی بجائے منہ نہ نہ نکل گیا۔ مگر میں فوراً منجھل گیا اور اپنے حواس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی۔ ہم مذہبی آدمی اور پادری اکثر رقیق القلب ہوتے ہیں۔ دلیر جوان مرد تو عشق کا وارہ سہ جاتے ہیں مگر کیو پڈ کا حملہ کسی کمزور دل کے لیے موت کا باعث بن جاتا ہے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ بشپ کو جواب دے دوں کہ میں پادری بننے سے باز آیا۔ مگر میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی اور وہ میری طرف برابر ٹٹلی لگائے دیکھ رہی تھی۔ اور زبان حال مجھ سے کہہ رہی تھی کہ تم تو پادری اس لیے بن رہے ہو کہ آسمانی باپ کو خوش رکھ سکو اور خود بھی ایک مطمئن زندگی گزار سکو۔ میری طرف آؤ میں تمہیں خدا سے زیادہ اطمینان اور خوشی بخش سکتی ہوں۔ تم اپنی جوانی خدا کے آگے گزار کر کیا حاصل کرو گے۔ میرے پاس آؤ خدا کی طرف رغبت نہ کرو۔ انسان کی طرف لوٹو۔ تمہیں زیادہ خوشی نصیب ہوگی۔

رسم ختم ہوگئی۔ تمام لوگ مجھے مبارک بادیاں دے رہے تھے اور میرے ہاتھ چوم رہے تھے۔ جب میں باہر نکلا تو ایک نسوانی آواز میرے کان میں آئی۔

”ظالم تو نے مجھے کیا کر دیا؟“ اور وہ چہرہ صرف یہ کہہ کر ہجوم میں غائب ہو گیا۔ میں ایک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

موجود ہوتا تھا۔ میں نے تیرے متعلق عجیب عجیب باتیں سنی ہیں۔ ایک راہب پرسوں مجھے کہہ رہا تھا کہ پلازا تھیرکی لڑکی کروشیا تجھ پر نذا ہو گئی ہے۔ میں نے یقین اس لیے نہیں کیا کہ وہ لکھ پتی باپ کی بیٹی ہے۔ اور تو پاپائے روم کی مقدس نسل سے ہے۔ پھر بھی مفلس اور لکھ پتی کا ملاپ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ رومن کیتھولک پادری ہمیشہ کنوارے ہی رہتے ہیں اور تمہارا راہب اور راہبہ عورتیں روح القدس اور کنواری مریم کے نام پر کنوار پن ہی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ خواہ تو پروٹسٹنٹ فرقہ اختیار کرے پھر بھی کروشیا تیرے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہے؟ آگ اور پانی کا اتحاد ناممکن ہے۔ رومالڈ مجھے تجھ پر ناز تھا۔ مگر شیطانی طاقتوں نے تجھ پر غلبہ شروع کر دیا ہے۔ میں نے آج احکام جاری کر دیئے ہیں کہ تجھ کو آرلین کے قصبہ کے چرچ کا ناظم اعلیٰ بنا کر بھیج دیا جائے۔ رومالڈ تجھے جدا کرنے میں مجھے روحانی کوفت محسوس ہو گئی مگر حالات درست ہونے پر یہاں واپس بلا لیا جائے گا۔ آخر میں پچیس میل ہی کا فاصلہ تو ہے۔ رومالڈ انجیل مقدس کا ورد باقاعدگی سے جاری رکھنا۔ اور یہ تعویذ تیرے بازو پر میں خود باندھ دیتا ہوں۔ کل تجھ کو آرلین کے قصبہ میں پہنچنا ہوگا۔ تیرا دوست کرامیس راہب کلر آرلین کے گر جا کا چارج دلوانے کے لیے تیرے ساتھ جائے گا۔ آرلین کے پادری کا انتقال گذشتہ ماہ ہو گیا تھا۔ وہ جگہ اب تک خالی ہے۔ خدا حافظ مقدس باپ تیری رکھوالی کرے۔“

گھونسنے لگا۔ میرا باپ بھی اگر موجود ہوتا تو مجھے بھیس بدلے ہوئے بھی نہ پہچان سکتا۔ مگر خدا معلوم اس نے کیسے جان لیا۔ ایک نسوانی ہاتھ میرے کندھے سے مس ہوا اور آواز آئی۔
”رومالڈ! آخر تمہاری خوشبو سے میں نے تمہیں پہچان ہی لیا۔“

میں نے کروشیا سے جو پہلی بات کی وہ میری نصیحت تھی کہ تم کبھی اس غیر مقدس ایکٹنگ میں دوبارہ مت جانا۔ ادھر میں حق تعالیٰ کے احکام کے متعلق وعظ شروع کر رہا تھا اور ادھر کروشیا کی آنکھیں میرے آگے قسم آ میری قس کر رہی تھیں۔ خداوند تعالیٰ کی روحانی طاقت اور شیطانی طاقت کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ آخر کار دو آنکھوں کی فتح ہوئی اور کروشیا میرے تمام پند و نصائح کا مذاق اڑاتی ہوئی غائب ہو گئی۔ اسی طرح دن گزرتے گئے اور کبھی کبھار ہماری ملاقات ہو جاتی۔ میں انہی احکام خداوندی کو دہرائنا شروع کرتا جن کی تبلیغ میں گرجے میں کرتا تھا اور ادھر صرف دو آنکھیں میری چشم بصیرت کو خیرہ کر دیتیں۔

میرے پیشوا آرنج بشپ نے آخر کار مجھ میں تبدیلی محسوس کرنی شروع کی۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا۔

”رومالڈ! میں ایک دو ماہ سے تجھ میں عجیب سی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ تو اب صبح دیر سے اٹھتا ہے اور صبح کے درس میں بھی کئی بار نہیں آتا۔ حالانکہ تو وہ عابد تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی درس میں آ

پڑا۔ وہ ڈر گئی۔ مگر اس نے "اے کوٹلی دی اور یہ کہا
کراس کی مالکہ عالم نزع میں ہے۔ دعا درود کے
لیے کسی پادری کی خدمت کی ضرورت ہے۔

میں نے رضامندی کا اظہار کیا اور اپنے ساتھ
چند ضروری اشیاء لے لیں جن کی ایسے موقعوں پر
کبھی ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ دروازے پر دو
سیاہ رنگ کے گھوڑے تیار تھے۔ اس نے اپنے
گھوڑے کو ایڑی لگائی اور میرا گھوڑا بھی اس کے
پیچھے پیچھے ہوا کی سی تیزی سے ساتھ دوڑنے لگا۔
راتوں رات ہم نے ایک گھنا جنگل عبور کیا۔ تقریباً
دو گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد میں نے اپنے رہبر
سے منزل دریافت کی مگر وہ ہوا سے باتیں کیے اڑا
جارہا تھا چاروں چار میں بھی اس کے پیچھے سیاہ رات
میں چلا گیا۔ آخر منزل آ پہنچی۔ ہم ایک امیرانہ
مکان میں داخل ہوئے جس کے پہلے کمرے میں
چند نوکر پیشہ لوگ مشعلیں لیے پھر رہے تھے۔
میرے رہبر سے ایک ملازم نے کہا۔

”آپ بہت دیر سے پہنچے۔ مریضہ نے جان
دے دی۔“

میرے رہبر نے مجھ سے کہا کہ مرحومہ عالم
نزع میں کہہ رہی تھی کہ آ لین کے پادری رد مالڈ کو
میری آخری رسوم کی ادائیگی کے لیے لایا جائے۔
اس لیے میں نے آپ کو اتنی تکلیف دی۔ میں نے
دریافت کیا کہ مریضہ کس کمرے میں ہے؟ میرا
رہبر مجھے آخری کمرے میں لے گیا۔ جہاں خوش نما
پلنگ پر لاش پڑی تھی۔ میں عجیب تذبذب کے عالم
میں آگے بڑھا میت دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔

آرچ بشپ کے یہ الفاظ سن کر میں پانی پانی ہوا
جاتا تھا۔ مگر میں چپ چاپ ادب کے ساتھ اپنا
قصور ماننا رہا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری
رہے۔ دوسرے دن کرامیٹس دو گھوڑے لے کر
آ گیا۔ اور میں زادراہ باندھ کر آرلین کے قصبہ کی
طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پلازا تھیر کی بالکنی بھی
نظر آئی (خدا معلوم میری رخصتی کا علم کروشیا کو کیسے
ہو گیا تھا) وہاں کروشیا کو میں نے رومال ہلاتے
اور کبھی آنکھیں صاف کرتے ہوئے دیکھا۔ دل پر
پھر ایک دھکا سا لگا اور کرامیٹس کی موجودگی کے
باوجود میں نے رومال ہلا کر الوداع کہی اور پلازا
کے درود پوار کے ساتھ جسنیم ٹاؤن کی شہر چناہ بھی ہم
دونوں کی نظروں سے غائب ہو گئی۔

کرامیٹس مجھے آرلین کے گرجے کا چارج
حوالے کر کے واپس آ گیا۔ اس نئے ماحول میں
میرے دو ماہ اچھی طرح گزر گئے۔ میں نے اپنے
معبود حقیقی کی طرف توجہ دی اور اپنے مرشد آرچ
بشپ کے بتائے ہوئے اور اردو وظائف پر عمل کرنا
شروع کیا۔ میرا وقت وعظ و تبلیغ میں گزرتا تھا۔ میں
نے روزے رکھنے شروع کیے اور تزکیہ نفس شروع
کیا۔ میں بیماروں کی عیادت کو جاتا اور ایک بچے
راہب کی طرح اپنے وجود کو ہر طرح کے عیش و
آرام سے دور رکھتا۔

ایک رات میرے دروازے پر کسی نے زور
سے دستک دی۔ گرجے کی بوڑھی ملازمہ دروازہ
کھولنے آئی تو وہ دوارے پر ایک عظیم الجثہ انسان
امیرانہ کپڑوں میں ملبوس رائفل تھامے ہوئے نظر

کردشیا موت کی گود میں تھی۔
کے ہونٹوں سے نکلی۔

”آہ رومالڈ تم یہاں کیسے آئے؟ میں نے موت کی سرحد تک تمہارا انتظار کیا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہماری سچی محبت کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ رومالڈ آج سے میں تمہارے ساتھ منسوب ہوں۔ میں ہر رات تمہیں ملا کروں گی۔ رومالڈ کاش تم جانتے میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں الوداع رومالڈ ہم عنقریب ملیں گے۔“

لاش کو بولتا دیکھ کر اور حسن خدا داد سے محو ہو کر میں بے ہوش ہو گیا اور اسی وقت گر پڑا۔

جب ہوش میں آیا تو میں آرلین کے قصبے میں اپنے کمرے میں تھا۔ بوڑھی ملازمہ مجھے آنکھیں کھولتا دیکھ کر فرط خوشی سے چیخ اٹھی۔ مجھے بتایا گیا کہ دوسرے دن ہی امیرانہ کپڑوں والا آدمی مجھے بند گاڑی میں واپس لایا تھا اور مجھے یہاں چھوڑ گیا۔ تین دن سے میں اسی بے ہوشی میں پڑا رہا۔ صرف سانس کی آمد جاری تھی۔ لیکن زندگی کے آثار یکسر مفقود تھے۔ میں نے پہلے تو اس واقعہ کو خواب ہی سمجھا۔ مگر جب بوڑھی ملازمہ نے شہادت دی کہ وہی دو گھوڑوں والا امیر آدمی مجھے رات لے گیا تھا دوسرے دن وہی مجھے بند گاڑی میں چھوڑ گیا تھا۔ تب مجھے یقین آیا کہ یہ واقعہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

ایک دن میرا دوست کریمیں مجھے ملنے آیا۔ اسے میری ملازمہ نے میری بیماری کی خبر جسمیں مٹی بھیج تھی۔ اس نے بتایا کہ پلازا تھیٹر کے مالک کی مشہور لڑکی بلکہ ساحرہ کردشیا کا پچھلے ہفتہ انتقال

میں نے کمال ضبط و تحمل سے اپنے آپ کو سنبھالا میرا ہر کمرے سے باہر چا چکا تھا۔ اور اس وقت صرف کردشیا کی لاش کمرے میں تھی۔ میرے دل سے ایک آہ نکلی اور اسی آہ کے ساتھ ایک ہلکی سی نسوانی آہ کی آواز بھی سنائی دی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔ ایک مدغم سی جی جل رہی تھی۔ کمرے سے گلاب کی معطر جیسی خوشبو آرہی تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کردشیا یہی ہے۔ کردشیا کے حسن پر اگرچہ موت کے اثرات طاری تھے مگر اس کے باوجود اس حسن نے ڈراؤنے موقع پر بھی مجھے مسحور کر دیا۔ میں بھول گیا کہ کن فرائش کو سرانجام دینے کے لیے مجھے یہاں بلایا گیا تھا۔ میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے پھیلنے جا رہے تھے۔ میں لمحہ بلکہ محو ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے رخساروں کی دلکش بناوٹ اس کی موٹی آنکھیں اور دلکش چہرہ موت کی گود میں بھی ساحرانہ کیفیت کا حامل تھا۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال اس بھیا تک رات میں بھی مجھے حسین ترین نظر آ رہے تھے۔ کردشیا مجھے بالکل ویسی ہی نظر آ رہی تھی جیسی اس دن نظر آئی تھی۔ جب میری پادری بننے کی رسم ادا کی جا رہی تھی میں نے کانپتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوا۔ وہ برف کی طرح سرد تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اپنے محبوب سے آخری ملاقات تو ہے ہی۔

میں نے ان مُردہ لبوں کو چوم لیا۔ اس کمرے میں عجیب معجزہ رونما ہوا۔ مُردہ لاش نے بھی اپنے لب ہلائے اور آنکھیں کھول دیں۔ ہلکی سی آواز اس

ہو۔ اگر تم خدا کی محبت کو اتنی ترجیح دیتے تھے تو تم نے اس دن میرے مُردہ لبوں کا بوسہ کیوں لیا تھا؟“ میں نے جواب دیا۔
”کروشما تیری محبت نے میرے باپ کی محبت کو محو کر دیا ہے۔“

اتنا سنتے ہی اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور مجھے اپنے ہاتھ چومنے کو کہا۔
”اگر واقعی میری محبت نے خدا کی محبت کو مات کر دیا ہے تو میرے ساتھ باہر چلو۔ میں وہ ہوں جس نے روما کے پوپ کو ٹھکرا دیا تھا۔ جب کہ وہ میری مٹیں کیا کرتا تھا۔ بڑے بڑے شہزادوں کو میں نے حقارت سے دیکھا، مگر رومالڈ نہ معلوم تم نے اپنے ان سادہ کپڑوں میں مجھ پر کیا جادو کر دیا۔ چلو یہاں سے کہیں دور نکل چلیں۔“

میں نے کہا۔ ”کروشما کل چلیں گے۔ اس وقت مجھے ٹکانہ ہی ہو رہی ہے۔“

صبح میں دیر سے اٹھا۔ گرجے کے صحن میں لوگ درس میں میرا انتظار کر کے واپس چلے گئے تھے۔ میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ مجھے عجیب عجیب خواب دکھائی دے رہے تھے۔

دوسری رات پھر مجھے کروشما خواب میں ملی۔ میری خواہ گاہ کے پردے اسی طرح ہلے اور ایک ملائم سی نسوانی آواز اسی طرح آئی۔

”میرے محبوب خواب خرگوش سے اٹھ۔ وقت بہت تھوڑا باقی ہے۔ اٹھ اور کپڑے تبدیل کر۔ ہمارے گھوڑے باہر تیار کھڑے ہیں۔“

ہو گیا ہے۔ اس ساحرہ کے متعلق تمام جیسیٹم شی میں مشہور ہے کہ وہ جادوگرنی تھی۔ کرامیٹس صرف ایک رات میرے پاس بسر کر کے دوسرے روز جیسیٹم شی واپس چلا گیا۔

دو تین دن بعد میں ٹھیک ہو گیا۔ اور چوتھے دن میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میری خواب گاہ کے پردے ہل رہے ہیں۔ میں ایک نسوانی آواز سن کر چونک پڑا۔ سامنے کروشما کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی جتی تھی۔ جو مقبروں میں جلا یا کرتے ہیں۔ وہ انہی سفید کپڑوں میں ملبوس تھی جن میں اسے تابوت میں دفن کرتے وقت لپیٹا گیا تھا۔ اس نے جتی میز پر رکھی اور بیٹھ گئی۔

”رومالڈ تمہیں کئی دن سے میرا انتظار ہوگا۔ تم سمجھتے ہو گے کہ کروشما تمہیں بھول گئی۔ دیکھو میں جتنی دور سے تمہارے پاس آئی ہوں۔ اس سرزمین سے آئی ہوں جہاں سے کوئی مسافر واپس نہیں آ سکا۔ آج عشق نے موت پر فتح پالی ہے۔ یہ عشق سچا تھا۔ میری روح کو یہاں آنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے ان کا احساس تمہیں کیونکر ہو سکتا ہے۔ دیکھو مجھے قبر سے باہر نکلنے کے لیے کتنی تک دو دو کرنی پڑی اور میں اسی لباس میں ہی تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔ رومالڈ اس دن گرجے میں تمہاری نظروں نے مجھے گرویدہ کر لیا تھا۔ مگر تم نے آرلین آکر میری خبر نہ لی۔ میری محبت کے اوپر تم نے خدا کی محبت کو شبث کر دیا۔ میں تمہارے خدا سے حسد کرتی ہوں۔ جس کو تم نہیں بھلاتے اور جس سے تم مجھ سے زیادہ محبت کرتے

”رومالڈ میرے محبوب میں تمام عمر اسی طرح تیرے پاس آتی ہوں گی۔ میری زندگی تیری ہے اور تیری زندگی میری۔ تیرے خون کے چند قطرہوں نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے۔“

میں نے جواب دیا۔ ”کروشیمان تیرے بغیر میری زندگی بے کاری ہے۔ تو یقیناً جاو دو گرنی ہے جس کے مسوکر کن حسن نے آسمانی باپ کی محبت پر بھی غلبہ پایا۔“

وہ کہنے لگی۔ ”رومالڈ تو جانتا ہے کہ میں نے کیوں تیرے زخم کا خون چوسا؟ یاد رکھو میرے وجود کو فنا نہیں۔ آج میں نے تیرا خون چوسا۔ کل تو میرا خون لے گا۔ اس طرح تجھے بھی میرے وجود کی طرح بقائے دوام حاصل ہوگی۔ ہم دونوں اسی طرح زندہ رہیں گے۔ دیکھ چھ ماہ سے تجھے ہر رات ملتی تھی مختلف شہروں کی سیر کراتی ہوں۔ انواع و اقسام کے کھانے کھانے کھلاتی ہوں۔ تو محلوں میں آرام کرتا ہے مرغزاروں اور سبزہ زاروں میں تجھے میری رفاقت نصیب ہوتی ہے۔ کل تجھے دریائے نجون کی سیر کو لے چلوں گی۔ اور ہم وہاں نہایت تیز رفتاری سے پہنچیں گے۔“

اسی صبح کو میری ملازمہ نے مجھے منہ اندھیرے جگا دیا۔ میں نے اسے لٹن طعن کی کہ جب میں نے اسے حکم دے رکھا ہے کہ مجھے سورج نکلنے سے کبھی پہلے نہ جگایا کرے تو نے ایسا کیوں کیا؟ ملازمہ نے جواب دیا کہ باہر ایک بزرگ نورانی صورت گھوڑے پر سوار دستک دے رہے ہیں۔ میں فوراً بار نکلا۔ وہ میرے دینی رہنما حشیم کے آج بپش

کروشیمانے مجھے ایک ڈیوک کا لباس دیا جو اس کے کپڑے پر میں نے پہن لیا۔ اس نے میرے بالوں میں کھنکھی کی۔ آئینہ میرے رو برو کیا۔ واقعی اس وقت مجھے پہلی بار اپنے حسن کا احساس ہوا۔ شہزادوں جیسا حسن میرے خدو خال سے برس رہا تھا۔ دروازے پر دونوں کبھی گھوڑوں پر موجود تھے۔ ہم ایک گھنٹے کے بعد ونس کے شہر کے باہر ایک محل میں داخل ہوئے۔ اس نے اپنے کمرہ خاص میں داخل ہو کر کھانا کھایا۔

اس دن سے میری دورانی زندگی شروع ہوگئی دن کو تو میں آرلین کے گرجے کا ناظم اعلیٰ ہوتا اور پادری کے فرائض انجام دیتا اور رات کو ونس کے محل کا شہزادہ ہوتا۔ اور کروشیمان میرے پاس ہوتی۔ اسی طرح پانچ ماہ گزر گئے۔ اس عرصے میں کروشیمان کی رفاقت مستقل طور پر ہر رات مجھے نصیب ہوتی رہی۔ اس معمول میں مطلق کوئی فرق نہیں آیا۔

ہر رات خواب میں وہ اور میں انواع و اقسام کے کھانے کھاتے۔ اور مرغزاروں اور باغوں کی سیر کرتے اور تفریح کرتے حیرانی تو یہ ہے کہ اگرچہ یہ سب خواب ہی تھے تو پھر بھی میری صحت قابل رشک ہوتی جا رہی تھی۔

ایک دن صبح کو گر جا میں قلم بناتے بناتے میری انگلی زخمی ہوگئی۔ میں نے پٹی باندھ لی۔ اس رات خواب میں کروشیمانے زخم کھولنے کو کہا۔ میں نے پٹی کھولی تو اس نے فرط محبت سے میرا خون چوس لیا اور کہنے لگی۔

ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ پھر ہم تابوت کو اسی طرح بند کر دیں گے۔ اس واقعے کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ ہمارے ساتھ صرف کرامیٹس تیرا ہم راز دوست ہوگا۔ جو کھائی کرے گا۔ آج رات تو اپنی محبوبہ کا گلاسز ابدن دیکھے گا اٹھ کر جلدی تیار ہو۔ آسمانی باپ تیرے ساتھ ہو اور ان کی محبت کا غلبہ تیرے دل میں ڈالے۔“

میں اپنے مذہبی آقا کے دبدبے اور جلال کے سامنے شکست کھا گیا۔ اس کے پر نور چہرے کے روحانی اثرات نے مجھے جانے پر مجبور کر دیا۔

رات کو کرامیٹس نے ہم دونوں کی موجودگی میں تابوت کھولا۔ تو کروشیا کی لاش بالکل محفوظ حالت میں تھی۔ جس حالت میں اسے دفن کیا گیا تھا۔ اس کے جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا تھا۔ بلکہ کفن تک صحیح سلامت تھا۔ میں کروشیا کے ہونٹوں پر خون کے قطرات اور ٹھوڈی پر خون کا ایک قطرہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ (کل رات ہی خواب میں اس نے میرا خون چوسا تھا)

رومالڈ شیطان کے اثرات یہاں تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ آسمانی باپ ہم سب کی مدد کرے۔“

آرچ بشپ نے یہ کہہ کر جب سے مقدس پانی کی ایک شیشی نکالی اور کچھ دم کر کے اس کو کروشیا کی لاش پر چھڑک دیا۔ پانی پڑنے کی دیر تھی کہ اچھی بھلی لاش یکدم راکھ سی ہو گئی اور صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آ گئیں۔

میرے پیرومرشد نے کہا۔ ”رومالڈ یہ دیکھ اپنی محبت کا انجام۔“ میں اس نظارے کی تاب نہ لا سکا

تھے۔ میں نے ان کے قدموں کو بوسہ دیا۔ ان کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور ایک طرف باندھ دیا۔ میں اعلیٰ آرج بشپ کو آرنی کے دور دراز قصبے میں اپنی گناہ کنیا میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے ان کے لیے چائے بنوائی اور ان کے پاؤں دبانے شروع کیے۔

آرچ بشپ نے فرمایا۔ رومالڈ تیرے متعلق آریلین کے لوگوں نے شکایات کی ہیں کہ تو وقت پر درس دینا تو کجا، کچھلی اتوار کو بھی چرچ میں عبادت کرانے بہت دیر سے آیا۔ یہاں کے لوگ تیرے متعلق کہتے ہیں کہ تو مجذوب سا بنا پھرتا ہے اور صبح دیر سے اٹھتا ہے۔ تیرے دوست کرامیٹس نے کل مجھے بتایا کہ تجھ پر کسی بلا کا سایہ ہے۔ اور پلازا کی کروشیا کی روح مر کر بھی تجھے تنگ کرتی ہے اور شیطان کے قبضے میں تجھے دے رکھا ہے۔ خدا کروشیا کی روح کو ہمیشہ بے چین رکھے۔ اس نے میرے چہیتے روحانی بیٹے کو مر کر بھی خراب کر رکھا ہے۔ تیرے ہم راز دوست کرامیٹس نے تیری ہی بہتری کے لیے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ آج تیرا امتحان ہے کہ تجھ میں آسمانی باپ کی محبت اور روح القدس کا پیار زیادہ ہے یا اس مری ہوئی چڑیل کا۔ جس کے وہم نے تیری یہ حالت بنا رکھی ہے؟ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تو میرے ساتھ ابھی جیٹیم ٹاؤن چلے۔ وہاں آج رات میں اور تو اس منحوس کی قبر کھودیں۔ اس کے بدن میں کیڑے چلتے دیکھ کر اور اس کی ہڈیاں ملاحظہ کر کے تجھے چین نصیب ہوگا۔ اور تیرے دل سے اس کے وجود کا خیال



نے دوسرے دن آرلین کے گرجے سے استعفیٰ دے دیا اور اس وقت سے لے کر اس لمحہ تک مجذوبوں کی سی حالت میں یہاں وہاں لڑھکتا پھر رہا ہوں۔

برخوردار یہ ہے میری جوانی کی داستان۔ میں تجھے صرف ایک اور نصیحت کرتا ہوں۔ خردار تیری آنکھیں کبھی کسی عورت کے چہرے کی طرف نہ اٹھیں۔ اس فانی دنیا میں صرف ایسی نظروں کے ساتھ چل جو زمین کی طرف دیکھیں۔ کیونکہ تو لاکھ نیک طینت، نیک خصلت، عابد اور زاہد ہو، صرف ایک لمحے کی نگاہوں کا اتصال تیرے زہد و تقویٰ اور سالہا سال کی عبادت کو برباد کر کے تجھے کسی اور ہی جانب لے جائے گا۔“



اور ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے بعد ہم تینوں وہاں سے چلے آئے۔

دوسرے دن میں اپنے قصبہ آرلین آ گیا۔ رات کو کروشیا پھر مجھے خواب میں ملی۔

”کینے ذلیل انسان۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

”تو نے یہ کیا ذلیل حرکت کی؟ تو کیوں اس

ناہنجار بڑھے اور بے وقوف پادری کے کہنے میں

آ گیا۔ کیا تو خوش نہیں تھا؟ اگر وہ دونوں ذلیل

انسان خود ہی یہ کام کرتے تو میں ان سے فوری بدلہ

لے لیتی۔ مگر جب اس قابلِ نفرت کام میں رومالذتم

بھی شریک تھے تو میں راہ گئی۔ بے وفا اور بے

مروت انسان بتا کیا میں نے تیرے ساتھ کوئی برائی

کی تھی۔ جس کا بدلہ تو نے یہ دیا۔ میرے مزار کی

توہین اور میرے تابوت کی بے عزتی میں تو شامل

ہوا۔ تو نے آج روجوں اور جسموں کے درمیان ربط

کو ختم کر دیا۔ یاد رکھ تو ہمیشہ میری یاد میں تڑپا کرے

گا۔ اور میری محبت تیرے دل میں دس گناہ ہو

جائے گی۔ اور اب ہم اس دنیا میں کبھی نہ ملیں گے۔

بے وفا الوداع۔“

پھر وہ ایک دم غائب ہو گئی۔ اس کے بعد میں

نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ واقعی اس نے سچ کہا تھا

حالانکہ اس واقعہ کو چالیس سال ہونے کو ہیں اور

میں ۶۵ سال کا ہوں مگر آج بھی صرف ایک بار

اسے دیکھنے کی تمنا میرے دل میں موجزن ہے۔

افسوس کہ آج تک آسانی باپ کی محبت نے کروشیا

کی محبت پر میرے دل میں فتح نہیں پائی ہے۔ میں

خوشخبری

خوشخبری

خوشخبری

خوشخبری

اب آپ کے اپنے علاقہ میں حیدر روڈ رانا ٹاؤن میں

صدیقی بک ڈپازٹس سٹیشنرز



ہمارے ہاں تمام سکول، کالج کی بکس اور جنرل بکس، ناول، شعر و شاعری، اسلامی ادبی، سیاسی

اور اس کے علاوہ تمام جنرل بکس بازار سے بارعانت خرید فرمائیں
تمام کمپنیوں کی گائیڈ، خلاصے، ماڈل پیپرز، اور پنجاب بورڈ کی بکس اور
شیٹری کا پیاں رجسٹرڈ، سٹوڈنٹ ڈائری، ڈکشنریاں، ہوم بکچر بک، رسالے ڈائجسٹ
کونگ بکس، بیوٹی بکس، وغیرہ دستیاب ہیں

نیز جلدیں بھی کی جاتی ہیں اور ناول وغیرہ رینٹ پر بھی دیے جاتے ہیں

ناصر صدیقی

ساگر صدیقی

بشارت صدیقی

0334-9915359
0320-4337473 0323-7183071 0313-5095721

بمقام: مین حیدر روڈ رانا ٹاؤن لاہور



ایک ظالم اور سنگ دل جاگیردار کی کہانی جس نے ایک قیمتی ہیرے کی خاطر اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا اور الزام ایک بے بس جوہری پر لگا کر اسے قید کر لیا تھا۔ دنیا کی نظر میں اپنی بیوی کا قاتل اس جوہری کو بنا دیا تھا

بیس برس بعد

کھڑے..... ضرغام محمود

”مگر عدالت دل کے فیصلے نہیں مانتی۔“ وکیل نے جواب دیا۔ ”میں کل ہی جائیداد کے تھپے کے لیے آپ کے رشتہ داروں کی طرف سے دعویٰ دائر کرنے والا ہوں۔“ وکیل نے مزید کہا۔

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔“ عورت جو جوہری رضوان منیر کی بیگم انجم آرا تھی غصے سے کھڑی ہو گئی۔ ”میرے جیتے جی میری شوہر کی جائیداد کبھی تقسیم نہیں ہو سکتی۔“

”بہتر بیگم صاحبہ!“ وکیل بھی کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ ”پھر اب عدالت ہی میں ملاقات ہوتی ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ گھر کا معاملہ ہے گھر ہی میں نمٹ

شہر کے پوش علاقے کی ایک کوٹھی سے تیز تر بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ کوٹھی شہر کے ایک جوہری رضوان منیر کی تھی۔ کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں ایک عورت اور ایک مرد جو وکیل کے لباس میں تھا آپس میں بحث کر رہے تھے۔

”بیگم صاحبہ! آپ سمجھنے کی کوشش کریں جو شخص بیس سال سے لاپتہ ہوا اسے عدالت بھی مردہ تصور کر لیتی ہے۔“ مرد نے کہا۔

”لیکن وکیل صاحب!“ عورت نے مرد کو مخاطب کر کے کہا۔ ”میرا دل کہتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔“



2014-05-16 71

ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سہیل کے دماغ میں کچھڑی سی پک رہی تھی..... بیس سال پہلے کھوئے ہوئے باپ کو وہ کہاں تلاش کرے..... اسی ادھیڑ پن میں وہ بیٹھا تھا کہ ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ وہ چونک پڑا اس وقت کمپارٹمنٹ میں چند ہی افراد تھے اور وہ سب سو رہے تھے۔ سہیل نے جلدی سے کمپارٹمنٹ کے دروازہ کھولا۔ ٹرین کی رفتار بہت ہلکی تھی اور صبح کی سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ سہیل نے دیکھا ٹرین سے ایک لڑکی باہر کودی اور اس کے پیچھے ایک خوفناک شکل کا آدمی کودا پھر دوسرا آدمی..... وہ بھی شکل سے غندہ نظر آ رہا تھا۔ سہیل نے جلدی سے زنجیر کھینچی ٹرین رکنے تک وہ لڑکی ریلوے لائن کے ساتھ پھیلے جنگل میں گھس گئی۔ اس کے پیچھے دونوں بدمعاش بھی جنگل میں داخل ہو گئے۔ ٹرین رکتے ہی سہیل اتر ا اور فوراً ادھر بھاگا جدھر لڑکی اور وہ بدمعاش گئے تھے۔ جب سہیل جنگل میں داخل ہوا تو دیکھا کہ دونوں بدمعاش آپس میں لڑ رہے ہیں اور لڑکی ایک درخت سے لگی کانپ رہی ہے۔ سہیل نے فوراً ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ایک بدمعاش کے سر پر دے مارا اور وہ بدمعاش نیچے گر پڑا۔ لڑکی نے چونک کر سہیل کی طرف دیکھا اور ساتھ ہی دوسرے بدمعاش نے بھی سہیل کی طرف دیکھا اور فوراً جنگل کے اندر بھاگ گئے۔ سہیل بھی ان کے پیچھے بھاگا اور انہیں روکنا چاہا..... مگر وہ دونوں کسی اچھلاوے کی طرح اس کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ سہیل فوراً اس جگہ آیا جہاں دوسرا بدمعاش پڑا تھا۔ جس کے سر پر اس نے پتھر مارا تھا۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔ سہیل نے ایک

جائے تو اچھا ہے۔“ یہ کہہ کر وکیل نے اپنے کاغذات اٹھائے اور چلا گیا۔ مگر بیگم انجم آرا کو ایک نئی پریشانی میں مبتلا کر گیا۔ وکیل کے جاتے ہی بیگم انجم آرا غصے سے اٹھی اور گھر کے اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

”جس ماں کا جوان بیٹا ہو اور لوگ اس کو عدالت کی دھمکیاں دیں۔ شرم آئی چاہیے تمہیں۔“ بیگم انجم آرا اپنے جواں سال بیٹے سہیل پر برس پڑی۔

”مگر میں کیا کروں؟“ سہیل بولا۔

”جاؤ..... جا کر اپنے باپ کو ڈھونڈو۔“

”کہاں ڈھونڈو..... اتنا بڑا ملک ہے۔ کہاں

تلاش کروں.....؟“ سہیل بولا۔

”آخری بار تمہارے ابا فتح گڑھ کے مشہور

جاگیردار چوہدری ملک دین کے پاس گئے تھے۔ بس

پھر یہ خبر آئی کہ انہوں نے چوہدری ملک دین کی بیوی

کو قتل کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گئے..... پھر ان کا

کچھ پتہ نہیں چلا اور آج اس بات کو بیس برس گزر گئے

ہیں۔ اس وقت تم صرف پانچ سال کے تھے۔“ بیگم

انجم آرا نے ساری بات تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

”وہ چوہدری ملک دین کے پاس کیوں گئے

تھے؟“ سہیل نے سوال کیا۔

”وہ ایک بہت قیمتی ہیرا لے کر گئے تھے۔“ بیگم

آرا نے کہا۔

”ٹھیک ہے امی جان! میں آج رات ہی فتح

گڑھ روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ کو دوائیں میرے

ساتھ رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ میں رکا میاب لوٹوں

گا۔“ سہیل نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔



سہیل اپنا سامان اٹھا کر گاڑ کے ڈبے میں آگیا۔

ٹرین جب فتح گڑھ کے ریلوے اسٹیشن پر رکی۔ گاڑ اور سہیل ٹرین سے اترے۔ گاڑ سہیل کو لے کر تھانے پہنچا۔

”کہو لال دین! آج کسے پکڑ لائے ہو؟“
تھانیدار گاڑ سے بولا۔

”سر! ہماری تو ڈیوٹی ہے یہ۔“ گاڑ بولا۔ ”مگر یہ صاحب جرمانہ ادا کرنے کے بجائے ایک عجیب کہانی سنار ہے ہیں۔“ یہ کہہ کر گاڑ نے پوری کہانی تھانیدار کو سنا دی۔ کہانی سن کر تھانیدار اور سہیل کی جانب مڑا اور بولا۔

”ہاں تو مسٹر! کیا نام ہے تمہارا؟“
”سہیل منیر۔“ سہیل نے جواب دیا۔
”ہاں تو مسٹر سہیل! جو کہانی آپ نے سنائی ہے وہ کتنے فی صد سچی ہے۔“

”یہ سو فی صد سچی ہے۔“ سہیل نے جواب دیا۔
”بہر حال جرمانہ تو آپ کو ادا کرنا ہی پڑے گا۔“
تھانیدار نے کہا۔ ”باپ کا کیا نام ہے؟“

”رضوان منیر۔“ سہیل نے جواب دیا۔
”کیا رضوان منیر.....“ تھانیدار گھبرا کر کرسی

سے کھڑا ہو گیا۔ ”وہ رضوان منیر جو چوہدری ملک دین کی بیوی کو قتل کر کے فرار ہو گیا تھا۔“
”انہوں نے کوئی قتل نہیں کیا۔“ سہیل بولا۔

”اور یہی ثابت کرنے میں یہاں آیا ہوں۔“
”یقیناً..... یقیناً رضوان منیر قتل نہیں کر سکتا۔“
بات میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔“ تھانیدار نے

لمبی سانس بھری اور ٹرین کی طرف چل دیا۔

جیسے ہی سہیل ٹرین میں سوار ہوا ٹرین چل پڑی۔ سہیل ابھی اپنے کمپارٹمنٹ میں پہنچا ہی تھا کہ گاڑ آدھما۔

”تو آپ نے زنجیر کھینچی تھی؟“
”جی ہاں۔“ سہیل نے جواب دیا۔
”کیوں..... آپ کی کوئی چیز گر گئی تھی؟“

گاڑ نے سوال کیا۔
”جی نہیں۔“ سہیل نے جواب دیا۔ ”دراصل ٹرین سے ایک لڑکی کودی تھی اس کے پیچھے دو بد معاش تھے۔ وہ تینوں جنگل میں گئے پھر ان میں لڑائی ہونے لگی۔ پھر وہ لڑکی ایک غنڈے کے ساتھ جنگل میں روپوش ہو گئی۔“

”یہ کیا کہانی سنار ہے ہیں آپ.....!“ گاڑ جھنجھلا کر بولا۔ ”لڑکی کے پیچھے دو غنڈے تھے پھر لڑکی ایک غنڈے کے ساتھ بھاگ گئی۔“

”یہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔“ سہیل بولا۔
”ٹھیک ہے حقیقت ہی ہوگی مگر آپ کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ گاڑ بولا۔

”کس چیز کا جرمانہ.....؟“ سہیل حیران ہوتے ہوئے بولا۔

”بلاوجر ٹرین رکوانے کا جرمانہ۔“ گاڑ بولا۔
”میں جرمانہ نہیں ادا کروں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔“ سہیل پر جوش لہجے میں بولا۔

”تو آپ کو میرے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔“
گاڑ بولا۔ ”آپ میرے ساتھ میرے کمپارٹمنٹ میں آئیے۔“

”اکبر کے بچے.....! ایک سال کے اندر اندر تو

اتنا موٹا..... کون سی بچی کا آٹا کھاتا ہے؟“ سہیل نے اکبر کو الگ کرتے ہوئے کہا۔

”ارے اپنے بخشو کے ہوٹل کی روٹی کمال ہے۔ کبجٹ خالص بھوسے کی روٹی بناتا ہے۔“

”کیوں کیا گھر میں روٹی نہیں پکتی؟“ سہیل نے پوچھا۔

”کون پکائے گا روٹی.....؟“ اکبر نے جواب دیا۔

”کیوں تیری والدہ.....“ سہیل نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”ان کا تو چھ ماہ قبل انتقال ہو گیا تھا۔“

”اوہ..... مگر تو نے مجھے اطلاع بھی نہیں دی۔“

”اچھا..... چھوڑو ان باتوں کو..... آؤ اندر آؤ“ دونوں گھر کے اندر داخل ہو گئے۔

”تم نہادھولو“ اکبر نے سہیل کا سامان رکھتے ہوئے کہا۔ جب سہیل غسل لے کر فارغ ہو گیا تو اکبر نے کہا۔

”ہاں..... اب بتاؤ تمہارا یہاں کیسے آتا ہوا؟“

”یار! تجھے تو سب معلوم ہے ابا جان کے بارے میں..... بیس سال سے وہ لاپتہ ہیں بس ان ہی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔“

”مگر تم انہیں کہاں تلاش کروں گے.....؟“ اکبر نے پوچھا۔

”ان پر چوہدری ملک دین کی بیوی کے قتل کا الزام تھا بس چوہدری ملک دین کی حویلی سے ہی تلاش شروع کروں گا۔“ سہیل نے جواب دیا۔

کہا۔

”آپ..... مگر آپ کیسے جانتے ہیں.....؟“ سہیل نے حیرت سے پوچھا۔

”رضوان سے میرے بہت اچھے تعلقات تھے۔ اس وقت میں اسی تھانے میں حوالدار ہوا کرتا تھا۔

ہمارے درمیان اچھی خاصی دوستی تھی۔ میں نے اس کیس پر بہت کام کیا..... مگر ہر طرف سے رضوان ہی

کو قتل کا مجرم پایا مگر مجھے حیرت ہے آخر وہ فرار کہاں ہو گیا.....؟“ تھانیدار نے کہا۔

”میں انہیں ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔“ سہیل بولا۔

”بے شک..... تم ایک بہادر اور ذہین لڑکے لگتے ہو۔ یقیناً تم اپنے باپ کو ڈھونڈ کر ان کے اوپر

سے قتل کا الزام صاف کر دو گے۔ اگر کبھی میری کی ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں بلا جھجھک آ جانا۔“

تھانیدار نے کہا۔

”شکریہ سرا“ سہیل نے کہا۔ ”اب میں چلتا ہوں۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ تھانیدار نے سہیل سے ہاتھ ملایا اور سہیل تھانے سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

”لیکن سرا!“ گاڑنے کچھ کہنا چاہا۔

”بس..... بس خاموش رہو۔“ تھانیدار نے ہاتھ اٹھا کر گاڑ کو بولنے سے روک دیا۔

تھانے سے نکل کر سہیل سیدھا اپنے دوست کے گھر پہنچا اور دروازے پر دستک دی..... تھوڑی دیر میں ہلکی سی چرچاہٹ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔

”سہیل.....! تم یہاں.....“ دروازہ کھولنے والے نے سہیل سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

کے سوراخ میں سے اندر دیکھا تو خیرت زدہ رہ گیا۔ اندر کمرے کا فرش کچا تھا اور وہاں ایک آدمی گردن تک زمین میں دھنسا ہوا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں سرخ لائٹ کی طرح ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

”کون ہو تم.....؟“ سہیل کو اپنے پیچھے سے آواز سنائی دی، تو وہ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ ایک بھیانک شکل کا آدمی اسے گھور رہا تھا۔

”وہ..... م..... میں..... میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ ادھر سے گزر رہا تھا تو مجھے ایک درد بھری چیخ کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھا یہاں کوئی بیمار ہے۔ لہذا ادھر آ گیا۔“ سہیل نے بہانہ بنایا۔

”یہاں کوئی بیمار نہیں ہے تم جا سکتے ہو۔“

”مگر کمرے میں تو.....“ سہیل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”وہ میرا نوکر ہے اور میں نے اسے سزا دی ہے۔“

”مگر سزا دینے کا آپ کو کیا حق ہے؟“ سہیل نے کہا۔

”تم ایسے نہیں مانو گے۔“ وہ بھیانک چہرے والا آدمی بولا اور دروازہ کھول کر زمین میں دھنسے ہوئے آدمی سے بولا۔ ”گو ننگے اسے سیدھا کر دو۔“ زمین میں دھنسا ہوا آدمی ایک جھٹکے سے باہر آ گیا اور سہیل کی طرف بڑھا۔ سہیل خوف کے مارے پیچھے ہٹنے لگا اور حویلی کے اندر دوٹی حصے کی طرف بھاگا۔

”گو ننگے اسے پکڑو نہ جلا دوں گا۔“ وہ بھیانک آدمی پھر چیخا۔

سہیل بھاگتے بھاگتے ایک کمرے میں گھس گیا

”مگر وہ حویلی تو ویران پڑی ہے۔ اپنی بیوی کے قتل کے بعد چوہدری صاحب نے دنیا تیاگ دی اور اپنی حویلی سے باہر نہیں آتے۔ بلکہ اکثر راتوں کو وہاں سے رونے کی بڑی کربناک آوازیں آتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں چوہدری صاحب کی بیوی کی روح گھومتی ہے حویلی میں..... نہ بابا نہ تم وہاں جانے کا خیال دل سے نکال ہی دو۔“

”یہ ناممکن ہے میں آج رات ہی اس حویلی میں جاؤں گا اور تم میرے ساتھ چلو گے سمجھے.....“ سہیل نے تھوڑا وقفہ لے کر جملہ مکمل کیا۔

”ارے..... اپنے ساتھ مجھے کیوں مروار ہے ہو؟“

”زیادہ بکواس نہیں تو میرے ساتھ رات کو اس حویلی میں چلے گا۔“

رات کے بارہ بجے دونوں دوست چوہدری ملک دین کی حویلی کی طرف روانہ ہوئے..... چوہدری ملک دین کی حویلی فتح گڑھ کمرے پر واقع تھی اور حویلی کے پیچھے بہت بڑا گھنا جنگل تھا۔ رات کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی حویلی کسی دیو کا بڑا سامنہ لگ رہی تھی..... وہ دونوں دھیرے دھیرے حویلی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک سانے میں ایک بھیانک چیخ گونجی..... اس چیخ کے ساتھ ہی اکبر زور سے اچھلا اور اس کے منہ سے بھی ایک چیخ نکلی اور وہ دلچسپ دور پڑا..... سہیل نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ مجبوراً سہیل تنہا ہی حویلی میں داخل ہو گیا۔ حویلی مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف ایک کمرے میں ہلکی سے روشنی تھی۔ سہیل نے دروازے

”کیا مطلب..... کیا وہاں کوئی بھوت نہیں ہے۔“ اکبر نے پوچھا۔

”نہیں یار! یہ سب لغویات ہیں عملی زندگی میں بھوت پریت کا کوئی وجود نہیں۔“ سمیل نے کہا۔

”مگر..... پھر وہ حویلی سے رونے کی آوازیں کس کی آتی ہیں؟“

”یہی اہم بات ہے۔ آخر وہ آوازیں کس کی ہیں.....؟“ سمیل کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”میرا خیال ہے مجھے دوبارہ اس حویلی میں جانا پڑے گا۔“

”ارے ایسا غضب نہ کرنا، ایک دفع بھوت نے چھوڑ دیا دوبارہ نہیں چھوڑے گا۔“ اکبر نے جلدی جلدی کہا۔

”میں یہاں ابا جان کی تلاش میں آیا ہوں کوئی گھومنے پھرنے نہیں۔ مجھے ہر حالت میں حویلی میں جانا ہی ہوگا۔“ سمیل نے پرسوج لہجے میں کہا۔



حویلی میں چوہدی ملک دین گونگے پر برس رہا تھا۔

”آخر وہ نوجوان کیسے نکل گیا..... میں تجھے اس کوتاہی کی سخت سزا دوں گا۔“ گونگا اشاروں میں چوہدی کو بتانے لگا کہ۔

”اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔“

”آخر وہ نوجوان تھا کون.....؟“ چوہدی ملک دین سوچتے ہوئے بڑبڑایا..... پھر خود ہی سر جھٹکتے ہوئے گونگے کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر چوہدی نے گونگے کو فرش کا قالین اٹھانے کو کہا۔ جب گونگے نے قالین اٹھایا تو فرش

اور جلدی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کمرے کی چیزیں دروازے کے ساتھ لگانے لگا..... باہر گونگا دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ ہر ٹکر پر دروازہ پہلے کی نسبت زیادہ ہلتا۔

سمیل نے جلدی سے اپنے چاروں اطراف نظریں دوڑائیں۔ کمرے میں سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی سمیل نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی۔

کھڑکی میں صرف شیشہ لگا ہوا تھا۔ سمیل نے کمرے میں رکھا پیر ویٹ شیشے پر دے مارا..... فوراً ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا سمیل کے چہرے سے ٹکرایا۔ کھڑکی کے پار تا حد نظر تک طویل جنگل پھیلا ہوا تھا۔ سمیل نے فوراً کھڑکی سے باہر چھلانگ لگادی۔ اسی وقت دروازہ ٹوٹا اور گونگا کمرے میں داخل ہو گیا۔ مگر سمیل کھڑکی کے راستے سے باہر نکل چکا تھا۔ سمیل جلد سے جلد حویلی سے دور ہونا چاہتا تھا۔ اچانک اسے پھر ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو

پیچھے کوئی بھی نہ تھا..... سمیل کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر حویلی سے باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

اکبر کے گھر پہنچ کر سمیل نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

”بھوت..... بھوت.....“ اکبر دروازہ کھولتے ہی چلا یا۔

”ابے بھوت کی اولاد..... یہ میں ہوں۔“ سمیل نے اکبر کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔

”تم..... تم زندہ ہو..... بھوت نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟“ اکبر نے پوچھا۔

”ارے یار! کوئی بھوت ہوتا تو کچھ کہتا۔“

سمیل نے اکبر کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔

”تم..... تم زندہ ہو..... بھوت نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟“ اکبر نے پوچھا۔

”ارے یار! کوئی بھوت ہوتا تو کچھ کہتا۔“

سمیل نے اکبر کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔

تمہیں آزاد کر دوں گا۔“

”مجھے پاگل سمجھتے ہو چوہدری! جس دن تمہیں

ہیرا مل گیا اسی دن تم مجھے قتل کر دو گے۔“

”تم..... تم“ غصے کی شدت سے چوہدری ملک

دین کے منہ سے کف اڑنے لگا..... اس نے گونگے کو

اشارہ کیا اور گونگے نے بوڑھے جوہری کو کئے مارنے

لگا..... جب بوڑھا جوہری مار کھاتے کھاتے نڈھال

ہو گیا تو گونگے نے دوبارہ اس کے ہاتھ باندھ دیئے

اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر ٹیپ لگا دی۔ پھر چوہدری

ملک دین اور گونگا تہہ خانے سے باہر نکل گئے۔



یہ آج سے تقریباً بیس برس پہلے کی بات ہے

جوہری رضوان منیر دار الحکومت کا ایک بڑا جوہری تھا۔

ایک روز اس کے پاس ایک بہت قیمتی ہیرا آیا۔ جوہری

رضوان منیر نے سوچا کہ اتنا قیمتی ہیرا کون خریدے

گا..... پھر اسے فتح گڑھ کے جاگیردار چوہدری ملک

دین کا خیال آیا جو کہ ہیرے جواہرات کا بہت شوقین

تھا۔ لہذا جوہری رضوان منیر ہیرالے کر چوہدری ملک

دین کی حویلی آیا۔ چوہدری کو ہیرا بہت پسند آیا۔ مگر

قیمت پر دونوں میں بحث ہو گئی۔ جوہری رضوان منیر

نے ہیرے کی قیمت پچاس لاکھ لگائی اور چوہدری نے

صرف پانچ لاکھ..... بحث ہی بحث میں بات بڑھتی

چلی گئی۔ اچانک چوہدری ملک دین نے پستول نکال

لیا۔

”چوہدری! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی

بچ حرکت کرو گے۔“ جوہری رضوان منیر نے کہا۔

”ہیرا میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہیں گولی

میں ایک دروازہ نظر آیا..... چوہدری نے وہ دروازہ

کھولا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا..... ساتھ

ہی گونگا بھی سیڑھیاں نیچے اتر گیا۔ اندر گھپ اندھیرا

تھا چوہدری ملک دین نے ماچس جلائی اور وہاں رکھی

ایک مشعل روشن کر دی۔ مشعل نے تہہ خانے کے

گھپ اندھیرے میں ملگجا سا اجالا کر دیا۔ تہہ خانے

میں خشک گھاس پر ایک بوڑھا آدمی بندھا ہوا تھا۔

”کہو داغ ٹھکانے آیا جوہری رضوان منیر!“

چوہدری ملک دین نے زہر خند لہجے میں کہا۔ مگر بوڑھا

بس۔

”اوں..... اوں“ کر کے رہ گیا کیونکہ اس کے

منہ پر کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ گونگے نے آگے بڑھ کر

بوڑھے کے منہ سے کپڑا نکالا۔

”تم..... تم“ نے مجھے غیر قانونی طور پر نہ جانے

کتنے برسوں سے قید کر رکھا ہے چوہدری ملک دین!

میں تو اب دنوں کا حساب بھی بھول گیا..... مگر تم یاد

رکھنا قانون کے لمبے ہاتھوں سے کبھی بچ نہیں سکتے۔“

منہ کھلتے ہی بوڑھا اپنی نحیف آواز میں بولا۔

”قانون“ چوہدری ملک دین نے ایک قبہتہ

لگایا۔ ”قانون تو تمہیں تلاش کر رہا ہے۔ میری بیوی

کے قتل کے جرم میں۔“

”لیکن..... لیکن اپنی بیوی کو تو تم نے خود قتل کیا

تھا۔“ بوڑھا جوہری رضوان منیر بولا۔

”ہاں..... مگر قانون تو تمہیں مجرم سمجھتا ہے۔“

چوہدری ملک دین نے ایک اور قبہتہ لگایا۔

”دیکھو.....“ کچھ توقف کے بعد چوہدری ملک

دین پھر گویا ہوا۔ ”اگر مجھے وہ ہیرا دے دو تو میں

ماردوں گا۔“ چوہدری ملک دین نے دھمکی دی۔
 ”بے شک تم گولی مار دو مگر ہیرا میں نہیں دوں
 گا۔“ جوہری رضوان مزید بھی ڈٹ گیا۔
 ”میں تین تک گنتا ہوں ہیرا مجھے دے دو
 ورنہ.....“
 ”قطعاً نہیں۔“

”ایک دو.....“ چوہدری ملک دین نے گنتا
 شروع کیا اور تین کہتے ہی چوہدری ملک دین نے گولی
 چلا دی مگر عین اس وقت چوہدری کی بیوی کمرے
 میں داخل ہوئی اس نے جو یہ منظر دیکھا تو چیختی ہوئی
 چوہدری ملک دین کے سامنے آگئی۔ چوہدری ملک
 دین کے پستوں سے نکلی ہوئی گولی اس کے سینے
 میں گھس گئی۔

”بے وقوف یہ تو نے کیا کیا اپنی بیوی کو مار دیا۔“
 جوہری رضوان مزید چیخا..... تو چوہدری ملک دین کے
 شیطانی دماغ نے فوراً ایک پلان بنایا اور گونگے کے
 ذریعے جوہری رضوان مزیر کو تہہ خانے میں بند کر دیا
 اور پولیس کو بلا کر بیان دیا کہ۔

”جوہری رضوان مزیر اس کی بیوی کو قتل کر کے
 قیمتی جواہرات چوری کر کے بھاگ گیا ہے۔“ چوہدری
 نے اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی اس واقعے کے بعد اس کے
 ماموں کے پاس شہر بھیج دیا۔ جو اس وقت تقریباً تین
 سال کی تھی۔

ادھر تہہ خانے میں جیسے ہی رضوان مزیر کو ہوش آیا
 اسے سب سے پہلے ہیرے کی فکر لاحق ہوئی کیونکہ
 اسے معلوم تھا کہ ہیرا حاصل کرتے ہی چوہدری اسے
 بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ تاکہ اس کے جرم کا

کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔
 تہہ خانے میں ایک کونے میں سوکھی گھاس
 پھوس پڑی تھی۔ جوہری رضوان نے ہیرا اس گھاس
 پھوس کے نیچے ایک درج میں اس طرح چھپا دیا کہ کسی
 کو یہ ہیرا آسانی سے نہیں مل سکتا تھا۔ بیس برس سے
 چوہدری روز آتا اور ہیرے کا تقاضہ کرتا اور ہیرے کا
 پتہ نہ بتانے پر روز گونگے کے ذریعے جوہری پر
 زد و کوب کرتا۔



حویلی کے ایک کمرے میں چوہدری ملک دین
 ملک دین کی اکلوتی بیٹی فرزانہ مسہری پریشی کتاب کے
 مطالعے میں مصروف تھی کہ اچانک اسے رونے کی
 دہی دہی سی بھیانک آواز سنائی دینے لگی۔ فرزانہ جب
 سے اپنے ماموں کے گھر سے حویلی واپس آئی تھی اس
 آواز سے سخت پریشان تھی۔ وہ ایک بڑھی لکھی سمجھدار
 لڑکی تھی۔ لہذا بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتی تھی۔

”آخر یہ آواز آتی کہاں سے ہے آج میں یہ
 راز معلوم کر کے ہی رہوں گی۔“ فرزانہ نے سوچا اور
 کمرے سے نکل کر باہر آگئی۔ کچھ دیر وہ آواز کے
 سہارے چلتی رہی مگر اسے وہ جگہ نہ مل سکی جہاں سے
 آواز آرہی تھی وہ حویلی کے پچھلے حصے کی طرف چلی
 آئی۔ حویلی کے پچھلے حصے میں خاردار خردجھاڑیاں
 تھیں۔ فرزانہ دو قدم آگے بڑھی تو ٹھٹھک کر رک گئی
 حویلی کے نچلے حصے میں لگے روشن دان سے جو کہ تہہ
 خانے میں روشنی کے لیے بنایا گیا تھا۔ ایک بوڑھا
 کمزور سا شخص کھڑا تھا۔ رونے کی آواز اسی آدمی کی
 تھی۔ چونکہ اس آدمی کا منہ بندھا ہوا تھا۔ لہذا رونے

کی آواز بہت بھانک لگ رہی تھی۔

طرف بڑھ گیا۔

”ت..... تم..... تم کون ہو.....؟“ فرزانہ نے پوچھا۔ مگر بوڑھا صرف اوں اوں کر کے رہ گیا کیونکہ اس کا منہ بندھا ہوا تھا۔

”میں ابا جان کو بلاتی ہوں۔“ فرزانہ نے بوڑھے سے کہا۔ مگر بوڑھے نے زور زور سے گردن ہلا کر اسے منع کیا۔

”اچھا گونگے کو بلاتی ہوں کہ وہ آپ کو رہائی دلائے۔“ فرزانہ نے پھر سے کہا۔ مگر بوڑھے نے پھر گردن ہلا کر انکار کیا۔

”ٹھیک ہے تو پھر میں خود ہی اوزار لا کر یہ سلاخیں کاٹنے کی کوشش کرتی ہوں۔“ فرزانہ بولی۔

بیس برس میں پہلی بار بوڑھے جوہری کی آنکھوں میں امید کی کرن جھلکائی۔ فرزانہ وہاں سے ہٹ کر حویلی کی طرف آئی۔ تو اس نے دیکھا کہ وہی نوجوان جس نے ایک سال پہلے اس کی جان بچائی تھی۔ وہاں کھڑا تھا۔

فرزانہ تیز تیز قدموں سے چلتی اس کے قریب پہنچی۔

”ارے آپ.....!“ فرزانہ بولی۔

”آپ..... آپ بھی یہاں.....؟“ وہ نوجوان جو سہیل تھا فرزانہ سے پوچھا۔

”میں چوہدری ملک دین کی اکلوتی بیٹی فرزانہ ہوں۔“ فرزانہ نے اپنا تعارف کروایا۔

”میرا نام سہیل ہے۔“ سہیل نے اپنا تعارف کروایا۔

”آپ اندر چلے حویلی میں۔ میں ابا جان سے آپ کو ملواتی ہوں۔“ فرزانہ نے بے تکلفی سے کہا۔ تو سہیل اس کے ساتھ حویلی کے اندرونی دروازے کی

طرف بڑھ گیا۔

”وہ بد معاش کون تھا؟“ سہیل نے چلتے چلتے فرزانہ سے پوچھا۔

”وہ یہاں کا نامی گرامی غنڈہ شیرا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کر کے ابا جان کی دولت ہتھیا نا چاہتا ہے۔ ابا جان کے انکار کے باوجود مجھے ستانے پر تل گیا ہے۔“ فرزانہ بولی۔

”تو پھر آپ پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کرتی؟“ سہیل بولا۔

”میں تو چاہتی تھی کہ غنڈے کو پولیس میں دے دیں مگر ابا جان پولیس کے لفزے میں پڑنا نہیں چاہتے۔“

”کیوں.....؟“

”پتہ نہیں..... چھوڑیے اس موضوع کو آپ اندر آئیے۔“ فرزانہ بولی اور سہیل کو ساتھ لے کر حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی۔

”ابا جان! یہی وہ شخص ہے جنہوں نے ایک مرتبہ اس غنڈے سے میری جان بچائی ہے۔“ فرزانہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

ڈرائینگ روم میں ایک آدمی دروازے کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ فرزانہ کے مخاطب کرنے پر اس شخص نے مڑ کر دیکھا۔ سہیل اس شخص کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے گونگے کو اسے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔

”ہم تمہارے بہت شکر گزار ہے نوجوان! تم نے ہماری بیٹی کو اغواء ہونے سے بچایا۔“ چوہدری ملک دین نے کہا۔

”جی..... اس میں شکریہ کی کیا بات ہے یہ تو

کپ منہ تک لے جاتی چوہدری ملک دین نے اس کے ہاتھ سے کپ چھین کر پھینک دیا۔

”یہ..... یہ کیا ابا جان.....؟“ فرزانہ اس حرکت پر حیران رہ گئی۔

”فرزانہ صاحبہ! یہ کپ صرف میرے لیے تھا کیونکہ اس میں آپ کے ابا حضور نے زہر ملا دیا تھا۔“ سہیل حیکھے لہجے میں بولا۔

”یہ میں کیسا سن رہی ہوں ابا جان! آپ..... آپ نے چائے میں زہر ملا یا ہے؟“ فرزانہ نے چوہدری ملک دین سے کہا۔

”ت..... تم ابھی نکل جاؤ میری حویلی سے۔“ چوہدری ملک دین، سہیل پر دھاڑا۔ سہیل چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

”یہ..... یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ابا جان! گھر آئے مہمان سے کوئی اس طرح سلوک کرتا ہے؟“ سہیل کے کمرے سے نکلنے ہی فرزانہ بولی۔

”وہ..... وہ مہمان نہیں ہے۔“ چوہدری ملک دین نے کہا۔ ”وہ اس سے پہلے بھی حویلی میں آچکا ہے۔ شائد وہ پولیس کا آدمی ہے۔“

”اگر وہ پولیس کا آدمی ہے تو کیا ہوا۔ کیا آپ نے کوئی جرم کیا ہے.....؟“ فرزانہ بولی۔

”م..... میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“ چوہدری ملک دین، فرزانہ کی بات سن کر گھبرا گیا۔ ”لیکن ہمیں محتاط رہنا چاہیے آخر ہمارے کچھ خاندانی راز ہیں۔“

”کیا راز ہیں آپ کے میں جانتی ہوں نہ جانے کتنے برسوں سے آپ نے ایک لاچار بوڑھے انسان کو تہ خانے میں قید کر رکھا ہے۔“ فرزانہ پھٹ پڑی۔

میرا اخلاقی فرض تھا۔“ سہیل بولا۔

”پھر بھی شکریہ تو ادا کرنا ہی چاہیے۔“ چوہدری ملک دین نے کہا اور پھر گونگے کو آواز دینے لگا۔

فوراً ہی گونگا حاضر ہوا تو چوہدری ملک دین نے اسے چائے لانے کا کہا۔

”اور سناؤ نوجوان! کیا نام ہے تمہارا؟ اور کہاں رہتے ہو.....؟“

”جی..... میرا نام سہیل ہے اور میں دارالحکومت میں رہتا ہے۔“ سہیل نے جواب دیا۔

”دارالحکومت میں..... تو پھر فتح گڑھ کیسے آتا ہوا؟“ چوہدری ملک دین نے پھر سوال کیا۔

”ایسے ہی تفریجا۔“ سہیل نے جواب دیا۔ وہ بغور ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ اتنی ہی دیر میں گونگا

چائے لے کر آگیا۔ فرزانہ چائے بنانے کے لیے آگے بڑھی مگر چوہدری ملک دین نے اسے روک دیا اور خود چائے بنانے لگا۔ فرزانہ سہیل کو کمرے میں لگی

ہوئی اپنے بزرگوں کی تصاویر دیکھنے لگی..... دفعتاً سہیل کو ایک تصویر فریم کے شیشے میں اپنے پیچھے کا

منظر نظر آیا۔ چوہدری ملک دین ایک کپ میں چپکے سے کچھ سفید سفوف ملا رہا تھا۔ سہیل، چوہدری ملک

دین کی اس حرکت کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔

”لو بچو! چائے پیو۔“ چوہدری ملک دین نے کہا اور چائے کا ایک کپ سہیل کو پکڑا دیا۔ اس سے

پہلے کہ چوہدری دوسرا کپ فرزانہ کو پکڑا تا۔ سہیل نے اپنا کپ فرزانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”پہلے آپ لیجئے فرزانہ صاحبہ!“ فرزانہ نے شکریے کے ساتھ کپ لے لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ

”ت.....ت.....ت..... تمہیں کیسے معلوم ہوا.....؟“

چوہدری ملک دین بوکھلائے اور انداز میں بولا۔

”مجھے سب معلوم ہے اور میں اسے ضرور آزاد کراؤں گی۔“ یہ کہہ کر فرزانہ کمرے سے نکل گئی۔

”گو نگے..... گو نگے۔“ چوہدری ملک دین نے

گو نگے کو آواز دی اور اسے ساتھ لے کر تہہ خانے کی

طرف چل دیا۔ آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس قصے

کو ختم کر دے گا۔ تہہ خانے میں پہنچ کر چوہدری ملک

دین نے جوہری رضوان منیر سے کہا۔

”بوڑھے جوہری! آج تیری زندگی کا آخری

دن ہے۔ شرافت سے ہیرا میرے حوالے کر دے۔“

”نہیں..... قطعی نہیں..... ہیرا تجھے کسی حالت

میں نہیں ملے گا۔“

”گو نگے! آج اسے اتنا مار کہ اس کی روح اس

کے جسم کا ساتھ چھوڑ دے۔“ چوہدری ملک دین نے

گو نگے کو حکم دیا۔ مگر اس سے پہلے کہ گو نگا بوڑھے

جوہری پر ہاتھ اٹھا تا فائر کی آواز گونجی اور گو نگا ٹھٹھک

کر رہ گیا۔ چوہدری ملک دین نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا

تہہ خانے کے دروازے پر شیر اکھڑا تھا۔ فائر اسی کے

ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے ہوا تھا۔

”تو یہ ہے تمہاری شرافت چوہدری! ایک

بوڑھے مجبور شخص کو نہ جانے کتنے برسوں سے تم نے قید

کر رکھا ہے۔“

”شیر! یہ میرا معاملہ ہے مجھ پر چھوڑ دو اور تم

یہاں سے چلے جاؤ۔“ چوہدری ملک دین دھاڑا۔

”آہستہ چوہدری! آہستہ۔“ شیر ابولا۔ ”اگر تم

اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کرو دو اور ساری جائیداد میرے

نام کر دو تو میں تمہارے راستے سے ہٹ جاتا ہوں۔“

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر فرزانہ سہیل

کو لے کر تہہ خانے تک پہنچ گئی۔ شیرا نے سہیل کو

دیکھتے ہی گولی چلا دی۔ مگر بوکھلاہٹ کی وجہ سے اس کا

نشانہ چوک گیا۔ مگر سہیل کے پستول سے نکلنے والی

گولی شیرا کا پستول لے اڑی۔

”چوہدری ملک دین! تم نے مجھ سے پوچھا تھا

کہ میں کون ہوں۔“ سہیل نے چوہدری ملک دین کو

تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے مخاطب کیا۔ میں

جوہری رضوان منیر کا بیٹا ہوں۔

”کیا.....“

”ہاں..... میں جوہری رضوان منیر کا بیٹا ہوں

اور اپنے باپ کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔“ سہیل

نے کہا۔

”بیٹا!..... بیٹا!.....! میں ہوں تیرا بد نصیب

باپ۔“ جوہری رضوان منیر چیخ پڑا۔ سہیل کی نظر ایک

لمحے کے لیے شیرا سے ہٹی تو اس نے سہیل پر چھلانگ

لگا دی۔ سہیل کے ہاتھ سے پستول گر گیا اور دونوں

تھکے تھکے ہو گئے۔ چوہدری ملک دین کے لیے یہ اچھا

موقع تھا۔ اس نے جلتی ہوئی مشعل سے سوکھی گھاس

پوس کو آگ لگا دی اور فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی

تہہ خانے سے باہر لے کر آ گیا۔

ادھر سہیل اور شیرا ایک دوسرے کو زیر کرنے کی

کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ اچانک شیرا کے ہاتھ

میں پستول آ گیا مگر اس سے پہلے وہ گولی چلاتا سہیل

نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھت کی طرف کر دیا۔ لہذا گولی

چھت پر لگی۔ دونوں کے درمیان پستول کی چھینا چھٹی

ہونے لگی..... ادھر آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ گھاس بھوس کے بعد آگ نے تہہ خانے میں رکھی ہوئی چیزوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بوڑھا جوہری آگ کے درمیان بری طرح پھنس گیا۔ اسی وقت گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور شیرا اپنا سینہ پکڑے زمین پر گر پڑا۔ سہیل نے اسے گولی ماردی تھی۔ شیرا کے گرتے ہی سہیل نے پستول پھینکا اور آگ کے اوپر سے جھلانگ لگا کر اپنے باپ تک پہنچا۔ اپنے باپ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر تہہ خانے سے تیزی سے باہر نکل آیا۔

دیکھے ہی دیکھے آگ نے پوری حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سہیل اپنے باپ کو آگ سے بچاتے ہوئے بڑی مشکل سے حویلی سے باہر لے آیا۔ حویلی کے باہر لوگوں کا بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ سہیل کو دیکھتے ہی اکبر آگے بڑھا۔

آج بیگم انجم آرا کے گھر پر رونق لگی ہوئی تھی۔ آج ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی چوہدری ملک دین کی بیٹی فرزانہ کے ساتھ ہو رہی تھی۔ عدالت نے جوہری رضوان منیر کو چوہدری ملک دین کی بیوی کے قتل کے الزام سے باعزت بری کر دیا تھا۔ بیگم انجم آرا کو بیس سال بعد آج حقیقی خوشیاں نصیب ہوئی تھیں۔ مگر جوہری رضوان منیر کو افسوس تھا کہ جس ہیرے کی خاطر اس نے بیس برس قید تنہائی میں گزارے وہ چوہدری ملک کی حویلی کے ساتھ ہی جل کر خاک ہو گیا۔

”یہ میرے والد صاحب ہیں اکبر! تم انہیں سنبھالو۔“ سہیل یہ کہہ کر پھر حویلی کی طرف لپکا مگر اکبر نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”اندر مت جاؤ سہیل! آگ بری طرح پھیل چکی ہے۔“ اکبر بولا۔

”نہیں..... ابھی فرزانہ اندر ہی ہے۔“ یہ کہتے ہی سہیل جلتی ہوئی حویلی میں گھس گیا اور فرزانہ کو آوازیں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے دیکھا چوہدری ملک دین کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل ہے اور دوسرے ہاتھ سے فرزانہ کی کلائی پکڑی ہوئی ہے۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی..... اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی..... سہیل کو دیکھتے ہی چوہدری ملک دین



جناب عرض ہے بارہ عورتیں بارہ کہانیاں



دکھی مرد و خواتین کی سچی آب بیتیاں شائع کرنے والا پہلا میگزین

عنقریب اپنی اشاعت کا آغاز کر رہا ہے۔ قارئین و نیوز ایجنٹ حضرات نوٹ فرمائیں



وہ مرد و خواتین جو اپنی یا اپنے ارد گرد کی سچی اچھوتی، معاشرتی آب بیتیاں جو آپ لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں یا جسے آپ زبان پر نہیں لاسکتے یا کسی سے کہہ نہیں سکتے یا آپ لکھنے کا شوق رکھتے ہیں پر لکھ نہیں پا رہے یا آپ دوسرے رسائل و ذرائع سے تنگ آ چکے ہیں، وہ پریشان نہ ہوں اب انتظار کی گھڑیاں ختم کیونکہ اب ”بارہ عورتیں بارہ کہانیاں“ کے صفحات آپ کی تحریروں کے منتظر ہیں۔

آپ اپنی تحریر خوشخط اور ایک صفحہ چھوڑ کر لکھیں تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ شکریہ

اس میگزین میں آپ مختصر واقعات، اپنی ڈائری کے قیمتی اوراق، پیغامات، پسندیدہ اشعار، غزلیں، نظمیں، اقوال، زریں، ٹوٹکے اور بیوٹی ٹیپس بھی شائع کروا سکتے ہیں

صرف 10 عدد میگزین کی خریداری کے عوض آپ اپنی کہانی آپ جی شائع کروا سکتے ہیں

رابطہ و خط و کتابت کے لیے۔ بارہ عورتیں بارہ کہانیاں۔ 29 جلال الدین بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور۔
موبائل نمبر 0314-4308530



حج اسلام کا عظیم الشان اجتماع

کھ... فدا شاہین بھٹی

وہ نسل یا زبان اور وطن سے قومیں تشکیل نہیں پاتیں اصل تعلق خداوند تعالیٰ کے دین کا تعلق ہے اور ہمیں ان امتیازات باطلہ کے چکر میں ہرگز مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

حج کی عبادت دنیا بھر کے مسلمانوں کو سال کے سال یہ موقع بہم پہنچاتی ہے کہ وہ ہر علاقہ اور ہر خطہ زمین سے کھینچ کر اور ایک مقام پر جمع ہو کر اپنے مسائل اور مشکلات کا جائزہ لیں اور انہیں دور کرنے کے طریقے سوچیں۔ یہ اس عبادت کا ایک بے نظیر اجتماعی پہلو ہے جس کا خاطر خواہ فائدہ بدقسمتی سے ہم ابھی تک نہیں اٹھا سکے۔

حج ان اجتماعی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ انفرادی اصلاح و فلاح کا بھی ضامن ہے اسے صرف مسلمانوں کی ایک عالمی سیاسی کانفرنس نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اگر یہی مقصد ہوتا تو حج صرف اہل علم و بصیرت اور ہر علاقہ کے سربراہ اور صاحب اثر مسلمان پر ہی فرض کیا جاتا اور ہر صاحب استطاعت مسلمان پر لازم نہ ہوتا۔ کانفرنسوں میں مشاورت کے لیے فقط اہل

اسلام کی جتنی عبادات ہیں وہ سب کی سب اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہیں۔ ایک اجتماعی دوسرا انفرادی یعنی ان کے کچھ پہلو تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور خیر و برکت کے ہوتے ہیں اور کچھ پہلو ایسے ہوتے ہیں جن سے ہر مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں فیض یاب ہوتا ہے۔ حج وہ عبادت ہے جس میں یہ دونوں پہلو بہت نمایاں طور پر اپنے وجود کا اظہار کرتے ہیں۔ ذرا اس نقشہ کو تھوڑی دیر کے لیے نگاہ تصور کے سامنے لے آئیے ہر ملک ہر علاقہ اور ہر خطہ کے لوگ اللہ کے گھر پہنچ رہے ہیں۔ کوئی گورا ہے کوئی کالا کسی کی زبان عربی ہے کسی کی فارسی کسی کی اردو ہے کسی کی انگریزی کسی کی پنجابی ہے تو کسی کی پشتو یا اپنے علاقوں میں یہ جو بھی زبان بولتے ہیں۔ مگر یہاں ان کی زبانوں پر ”لبیک اللہم لبیک“ کا ورد ہے۔ وطن کے اعتبار سے یہ جہاں کے بھی باشندے ہوں مگر ان سب کا مرکز ان کا نقطہ اجتماع ان کا قبلہ ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ اللہ کا گھر ہے۔ یوں مسلمانوں کو ہر سال یہ سبق یاد دلایا جاتا ہے کہ رنگ

یقیناً تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک نیا نمونہ عمل ہے۔ جس شخص کے لئے اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

Surah Ahsan is a noble paradigm in the Apostle of God for him who looks to the Day of Resurrection, and remembers Allah frequently.
(Al-Ahsan-21)



الرائے اصحاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر عام آدمی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حج کے لیے اس طرح کی کوئی شرط عائد نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عبادت جہاں بعض اجتماعی پہلو رکھتی ہے وہاں ایک فرد کی نجات کے لیے بھی نہایت اہم حیثیت کی حامل ہے۔ اس کا یہی پہلو ہے جس کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”جس نے اللہ کے لیے حج کیا اس حالت میں کہ نہ اس نے فحش بات کی نہ خدا کی نافرمانی کی وہ ایسے لوٹا جیسے اپنی پیدائش کے وقت تھا۔“ ایک اور موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”جو شخص حج کے لیے جاتے ہوئے راستے میں وفات پا جائے قیامت تک اس کے حساب میں حج کا ثواب لکھا جائے گا۔“ (ترغیب)

”جب عرفہ کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرشتوں سے بطور فخر کہتے ہیں۔

”جو شخص زادراہ اور سواری کے ہوتے ہوئے حج نہیں کرتا تو اس میں کوئی فرق نہیں وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔“ (مشکوٰۃ)

دیکھو! یہ میرے بندے بکھرے بال گرد میں اٹے ہوئے دور دور سے آتے ہیں۔ میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے انہیں بخش دیا۔

استطاعت کے حصول کے بعد حج میں جلدی کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

”حج کا ارادہ کرنے والوں کو عجلت سے کام لینا چاہیے۔“ (ابوداؤد)

بخشش کا ذریعہ

اسی بناء پر فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اس شخص کے نامہ اعمال میں (حج) کرنے سے پہلے برابر گناہ لکھا جاتا رہتا ہے۔ جو استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر روا رکھتا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ! فلاں شخص گناہگار ہے۔ فلاں عورت گناہگار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں۔

بے شک میں نے انہیں معاف کر دیا۔

تو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کوئی دن عرفہ کے دن سے زیادہ نجات دلانے والا نہیں ہے۔“

انفرادی حیثیت سے اس کی اہمیت کا عالم یہ ہے

ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ جس پر محض نظر ڈال لینا بھی کتنی بڑی عبادت ہے کہ بقول حضرت عطاء ربیؒ۔
”بیت اللہ پر ایک نظر ڈال لینا بھی ایک سال کی نفلی عبادت سے بہتر ہے۔“

پھر مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ میں روضہ الرسول ﷺ پر حاضر ہونے والوں کی خوش بختی کا اندازہ کیجئے کہ وہ سلام عرض کرتے ہیں اور احادیث میں آتا ہے کہ۔

”جو شخص مجھ پر سلام و درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میرے پاس پہنچا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“ (ابوداؤد)
روضہ اقدس کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

”جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی یہ ایسا ہے کہ جیسا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“

حج بیت اللہ کو ارکان اسلام میں عظیم تر مقام حاصل ہے کیونکہ اس فریضہ کی ادائیگی میں عبادت کے وہ تمام گوشے جو الگ الگ دوسری عبادتوں میں موجود تھے اس میں نہ صرف یکجا ہو گئے ہیں۔ بلکہ اپنے کمال تک جا پہنچے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب ان بتوں سے اپنی برأت اور بے زاری کا اعلان کیا جو انسان میں تفریق اور باہمی دشمنی کا باعث بنے ہوئے تھے اور انسانوں کو خدا کی توحید کے پرچم تلے متحد ہو کر کام کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ اجتماعی صورت میں اپنے روحانی اور

مادی فوائد حاصل کر سکیں تو اس دعوت کے لیے اللہ نے اپنے گھر کو مخصوص مرکز بنایا اور اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ دنیا بھر کے انسانوں کو دعوت دیجئے کہ وہ قریب و بعید سے چل کر یہاں آئیں اور اس خدائے بزرگ و برتر کے آگے اپنی جبینیں خم کریں جو ایک ہے جس کا کوئی ساتھی اور شریک نہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ۔

”آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے۔“
آیت پاک کا سیاق و سباق واضح کرتا ہے کہ حج کا تعلق خاص طور پر توحید خالص سے ہے اور یہ کہ حج اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی توحید کو نکھارنے کے لیے تمام انسانوں کو ان کی بھلائی کے لیے ایک صف میں لاکھڑا کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے۔

حج انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے اس کے لفظی معنی واردہ کے ہیں اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد و ارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں جا کر وہاں حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی مسجد خانہ کعبہ کے گرد پیکر لگانے اور مکہ کے مختلف مقدس مقامات میں حاضر ہو کر مخصوص اعمال و آداب بجالانے کا نام ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ سے آشنا لوگ جانتے ہیں کہ انسانی جماعت کی ابتدائی شکل خاندان اور خانوادہ کی صورت میں تھی اس سے آگے بڑھی تو چند خیموں اور جھوپڑوں کی ایک مختصر آبادی بنی پھر وہ شہر کی صورت میں منتقل ہوئی۔ اس سے ترقی کر کے

وقت اس آبادی کی داغ بیل پڑی جب بابل وکلہ ان کے قافلے اس طرف سے گزرتے تھے اور یہ کہ اس کی ابراہیمی نسبت کی ایک اور لغوی دلیل ہے۔ دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی آبادی اسی گھر کے تعلق سے وجود میں آئی اور یہ اس خانہ کعبہ کی قدامت تقدس اور اہل عرب کی روایت کی صحت پر ٹھوس دلیل ہے۔ زبور میں مکہ کا نام بکہ نظر آتا ہے۔ قدیم شامی زبان میں بک کے معنی آبادی یا شہر کے ہیں۔ جیسا کہ شام کے ایک قدیم شہر کا نام بھا بک ہے یعنی بھل کا شہر (بھل ایک دیوتا کا نام ہے) یہ اس آبادی کی قدامت کی دوسری لغوی شہادت ہے اور کعبہ کی ابتدائی تعمیر کے وقت یہی نام قرآن مجید میں مذکور ہے۔

”کعبہ کے لغوی معنی چوکھونٹے کے ہیں چونکہ یہ گھر چوکھونا بنا تھا اور آج بھی اسی طرح ہے اس لیے کعبہ کے نام سے ہی مشہور ہے۔“

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی کا جو خواب دیکھا اور اس پر لبیک کہا تھا اور جس کی تعبیل کے لیے وہ اس دور دراز مقام میں آئے تھے اور عین اس وقت جب چھری لے کر بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا اور بیٹے نے بھی خدا کو حکم سن کر گردن جھکا دی تھی تو آواز آئی یعنی کہ۔

”اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کا ایسا ہی بدلہ دے دیتے ہیں اور ایک بڑی قربانی دے کر ہم نے اس کے بیٹے کو چھڑا لیا۔“

(سورۃ صافات آیت نمبر 104-105-107)
اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر بیٹے کو خدا کے گھر کی خدمت اور توحید کی دعوت کے

اس نے ایک قوم اور ایک ملک کا قالب اختیار کیا اور وہ بالآخر تمام دنیا پر چھا گئی۔ مکہ مکرمہ اس انسانی ترقی کے تمام مدارج اور مراتب کی ایک مربوط تاریخ ہے۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے عہد میں ایک خاص خاندان کا تبلیغی مرکز بنا۔ پھر حضرت اسماعیلؑ کے زمانے میں وہ چند خیموں اور جھوپڑوں کی مختصر سی آبادی کی صورت میں ظاہر ہوا پھر رفتہ رفتہ اس نے عرب کے ایک مذہبی شہر کی جگہ حاصل کر لی اور نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نبوت و رسالت کے بعد وہ اسلامی دنیا کا دینی مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ کا دستور تھا کہ جہاں کہیں ان کو روحانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا وہاں خدا کے نام سے ایک پتھر کھڑا کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں ان کی تین قربان گاہوں یا خدا کا گھر بنانے کے واقعات کا ذکر ہے۔ اسی قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ اور موسیٰؑ نے بھی بنائے اور آخر کار حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کی جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل میں اس قسم کی قربان گاہیں اور اللہ کا گھر بنانے کا دستور عام تھا اور اسی قسم کا وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں کہ پہ جبکہ ابراہیمؑ کے نام سے آج تک قائم ہے اور جس کی نسبت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا پہلا گھر ہے۔

قدیم زبانوں کے بعض محققین کے نزدیک مکہ بائبل یا کلدانی لفظ ہے جس کے معنی گھر کے ہیں۔ اس سے دو باتیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس

مکمل بنائیں۔

قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس گھر اور مقام

میں حضرت ابراہیمؑ کی بہت سی یادگاریں اور نشانیاں ہیں۔ ان کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کی جگہ اور قربانی کا مقام ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ قریب و بعید سے یہاں آئیں اور دینی و دنیاوی فائدے حاصل کریں۔ اس قدیم خانہ خدا کا طواف کریں۔ حضرت اسماعیلؑ کی یادگار میں قربانی کر کے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ اپنی نذریں پوری کریں۔ یہاں پہنچ کر وہ امن و سلامتی کے جسم پیکر ہوں۔ نہ کسی پر ہتھیار اٹھائیں نہ کسی کو تکلیف پہنچائیں۔ حتیٰ کہ ایک معمولی اور حقیر جانور تک کو مارنے کا ارادہ نہ کریں۔ ظاہری زیبائش و آرائش، راحت و آرام اور مُرتکلف مصنوعی زندگی ترک کر کے ابراہیمی طریقے پر خدا کو یاد کریں۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت خدا کی رمتوں اور برکتوں کے خاص عالم میں حاضری، حضرت ابراہیمؑ کی طرح خدا کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس قربانی کی روح کو زندہ کرنا ہے۔ یعنی برگزیدہ پیغمبروں کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تسلیم و رضا اور اطاعت کے ساتھ گردن جھکا دینا اور اللہ سے کیے گئے عہد و پیمان کو اسی طرح بجالانا جس طرح ہزاروں سال پہلے وہ بجا لائے تھے۔ یہی ملت ابراہیمی کی پہچان اور یہی حقیقی اسلام ہے۔ یہی وہ باطنی احساس اور جذبہ ہے جس کی حاجی صاحبان، حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی طرح اپنی جان خدا کے حضور میں لے جاتے ہیں۔ جب

لیے مخصوص کر دینا اور اس کے ذریعے اس گھر کو کرہ ارض پر خدا پرستی کا مرکز بنانا ہے۔

”اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرجع اور امن کا مرکز بنایا اور کہا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کا طواف کرو اور قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔“ (سورۃ بقرہ آیت نمبر 125)

”اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ کو ٹھکانہ بنایا کہ کسی کو میرا ساسھی نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف اور قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک کرو۔“

(سورۃ حج آیت نمبر 26)

”اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے یہ دعا کی اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھ کو میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔ میرے پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔“

(سورۃ ابراہیم آیت نمبر 35)

ان قرآنی آیات میں وضاحت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ خلیل اللہ کو بت پرست اور ستارہ پرست قوموں اور ملکوں سے ہٹا کر جن میں وہ پریشان اور سرگرداں پھر رہے تھے اور امن و سلامتی کے ایک سنسان مقام کی تلاش میں تھے۔ تاکہ اس میں خدائے واحد کی پرستش کے لیے ایک گھر بنائیں یہ ٹھکانہ عطا کیا۔ جو ازل سے اس کام کے لیے منتخب تھا۔ تاکہ وہ یہاں خدا کے گھر کی چار دیواری کھڑی کریں اور پھر اس کو تو حید کا مرکز اور عبادت گزاروں کا

خدا کے حضور میں رہتے ہیں نہ سر کے بال
منڈواتے ہیں نہ خوشبو لگاتے ہیں نہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں نہ سر ڈھانپتے ہیں دنیاوی راحت و آرام اور تکلیف سے الگ رہتے ہیں اور اسی والہانہ انداز سے خدا کے گھر میں آتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ تین دن کے پیدل سفر کے بعد گردوغبار میں اٹے ہوئے آئے تھے اور جس طرح ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی پکار پر لبیک کہا تھا۔ وہی ترانہ ان کی زبانوں پر ہوتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا عمل تو یہ تھا کہ آپ ہمیشہ جوتا اتار کر مدینہ پاک کے کوچہ و بازار میں چلتے تھے کہ مبادا پاؤں کہیں ایسی جگہ نہ پڑ جائے جہاں سرکارِ قدم رکھ چکے ہوں۔ مگر یہ محبت کی بات ہے۔ شریعت میں ضرورت نہیں۔ تاہم جس قدر احترام ممکن ہو بجالانا چاہیے۔

سامان وغیرہ رکھ کر غسل کر کے صاف کپڑے پہن لینے چاہئیں اور اگر ایسی تھکان ہو جس کی وجہ سے خشوع و خضوع میں کمی کا خطرہ ہو تو تھوڑا سا وقت آرام میں گزارنا چاہیے اور پھر باب جبرائیلؑ سے مسجد نبویؐ میں دایاں پاؤں پہلے رکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

ترجمہ۔

”اے اللہ! صلہ و سلام بھیج محمدؐ اور آپؐ کی آل پر۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“

مسجد نبویؐ میں داخلہ کے ریاض الجنۃ میں دو رکعت نفل ادا کرے۔ ریاض الجنۃ میں رسول کریمؐ کے منبر اور روضہ اقدس کے درمیان کی جگہ ہے اور اس کے بارے میں خود آپؐ کا ارشاد ہے کہ۔

”میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔“

یعنی یہی مقام جنت میں بھی ہوگا۔ یہاں نماز پڑھنے والے جنت میں جائیں گے اور چونکہ یہ جنت

”میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ انتہائی تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہیں۔ حکومت بھی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔“

توحید کی یہ صدا ان تمام مقامات میں بلند کرتے پھرتے ہیں جہاں جہاں ان دونوں جلیل القدر بزرگوں کے نقش قدم پڑے تھے۔ جہاں سے جہاں تک حضرت ہاجرہؑ دوڑ کر گئی تھیں۔ صفا اور مروہ تک ہم بھی وہاں دوڑتے ہیں دعا کرتے ہیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ عرفات کے میدان میں جمع ہو کر آئندہ زندگی کے لیے خدا کی عبادت اور اطاعت کا عہد و پیمان باندھتے ہیں اور یہی حقیقت میں حج کا اصل رکن ہے۔

مسجد نبویؐ میں حاضری

مدینہ منورہ ابھی کئی میل دور ہوتا ہے کہ نگاہ گنبد خضرا پر پڑتی ہے۔ اس وقت عشاق کے قلب کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی اسی وقت ہدیہ

یا الٰہی یہی تمنا ہے کہ تعلیم قرآن عام ہو جائے
ہر پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے

جامعہ حنفیہ قادریہ ضیاء القرآن ذیر تعمیر مدرسہ

مدرسہ ہذا میں بیرونی بچے زیر تعلیم ہیں
جن کے طعام رہائش کا ادارہ خود کفیل ہے
مدرسہ ہذا خالصتاً دینی ادارہ زیر تعمیر ہے
جس کیلئے مستقل آمدن کے ذرائع نہیں ہیں

مخیر حضرات سے اپیل ہے

کہ اپنی صدقات و خیرات
وزکوٰۃ سے تعاون فرمائیں

قاری غلام رسول ضیاء قادری

0301-4606783

اکاؤنٹ نمبر: NBP3814-9

وارڈ نمبر 11 محلہ پیر خادم حسین شاہ قبولہ شریف
تحصیل ماروالہ ضلع پاکپتن شریف

کا باغ ہے اس لیے اس میں ایک مرتبہ داخل ہونے
والا پھر اس میں سے نکل گائیں کہ جنت میں داخل
کے بعد اس سے خراج کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ریاض الجنۃ میں جگہ نہ ملے تو مسجد نبویؐ میں
کہیں بھی نماز ادا کرے یہ موقع مدینہ منورہ میں قیام
کے دوران پھر کسی دوسرے وقت حاصل کیا جاسکتا
ہے۔ ازاں بعد مولجہ شریف کے سامنے آکر اور یہ
یقین رکھتے ہوئے کہ رسول کریم ﷺ سن بھی رہے
ہیں اور دیکھ بھی رہے ہیں۔ ادب سے درود و سلام
عرض کرے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہی حضرت ابو بکر
صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آرام فرمائیں۔ ان کی
خدمت میں بھی سلام عرض کرے۔

مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے کی بے پناہ فضیلت
ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق اس میں
ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں سے زیادہ ہے۔
مگر ابن ماجہ میں ایک نماز کے لیے پچاس ہزار نمازوں
کا ثواب بتایا گیا ہے۔ یہ روایات بظاہر ایک دوسرے
سے متعاذ نظر آتی ہیں۔ لیکن دیکھا جائے تو ان میں کوئی
تخالف و تصادم نہیں کیونکہ بخاری اور مسلم میں ایک
ہزار نمازوں سے اوپر ثواب کے خلاف کچھ مذکور
نہیں۔

احادیث میں بھی آتا ہے کہ مسجد نبویؐ میں ایک
نماز جمعہ ادا کرنے پر دوسرے مقامات پر ایک ہزار نماز
جمعہ ادا کرنے سے افضل ہے۔ اسی طرح یہاں کے
روزے بھی دوسرے مقامات سے ایک ہزار گنا افضل
ہیں۔

محبوبو ریاں

.....ملک علی رضا

نے دل میں سوچا اور منہ دھو کر اندر آگئی۔ کمرے کے ایک کونے میں رکھے پرانی طرز کے سنگھار میز کے سامنے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ یکا یک اس کی نظر اپنے چہرے پر چلی گئی اور وہ چونک سی گئی۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ آئینہ جیسے اسے کوئی اجنبی سا چہرہ دکھا رہا تھا۔ کتنی بدل گئی تھی وہ۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اپنا ہی چہرہ ٹٹول رہی تھیں۔ مرجھائے ہوئے کال، اندر دھنسی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے پڑ گئے تھے۔ خود کو اتنے غور سے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے اور وہ بے ساختہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے پہلے بھی کئی مرتبہ خود کو آئینے میں دیکھا تھا۔ پر آج تو آئینے نے جیسے حقیقت دکھانے کی قسم کھا لی تھی۔ اسماء کی سوچ پر ماضی کی گہری دھند چھانے لگی۔

وہ کسی فلمی گانے پر دل جمعی سے رقص کر رہی تھی۔ گھر میں سارا وقت ان ہی گانوں کا راج رہتا تھا۔ رضیہ باجی کو دیکھ دیکھ کر اس کے دل میں بھی ہانچل ہوتی تھی۔ ان کی طرح ٹھنکر و باندھنے، رقص کرنے پر رضیہ باجی، سعدیہ باجی اسے ڈانٹا کرتی تھیں کہ۔

”خبردار! جو کبھی ناچتی نظر آئی تو۔۔۔ وہ ان سے

”چل ری اسما! تیار ہو کر آجا جلدی سے، بیٹھک لگ گئی ہے۔“

”اماں! آج تو منع کر دے میرا سر درد سے پٹھا جارہا ہے۔“

”ہائے ہائے کجخت ماری کیوں منع کر دوں۔۔۔۔۔ پگلا گئی ہے کیا تو نے آج ناچ گانا نہ کیا تو رات کو کھانے میں کیا پتھر چائے گی۔۔۔۔۔ چل اٹھ منہوس یہ سر درد کے تیرے سارے بہانے میں جانتی ہوں۔ جلدی آجا بیٹھک میں! میں انتظار کر رہی ہوں اور سن وہ لال جوڑا پہن لینا آج خاں صاحب آئے ہیں۔ پتہ ہے نا ان کا وہی لمبی کار والے۔ جنہوں نے پچھلے ہفتے سوسو والے نوٹ برسائے تھے۔“ یہ کہہ کر سفید بالوں والی بڑھیا پان چباتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اسماء نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ سراسر واقعی بہت درد کر رہا تھا، کل رات بھی بہت دیر تک بیٹھک بجی رہی تھی۔ اماں کے ایک پرانے واقف کار اپنے چند دوستوں کے ساتھ آئے تھے اور صبح چار بجے تک پاؤں ٹکٹنے نہ دیئے تھے۔ اسماء آج بالکل جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ پر اماں کے ڈر سے چارو ناچار اٹھی باہر صحن میں لگے ٹکے سے پانی کی بالٹی پر

”شکر ہے بور کا پانی“ اسماء



کہتی کہ۔

واپس آگئی۔ سنی گئی خبر ملی کہ انہیں کینسر تھا۔ بڑا پرانا..... اماں کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ اس کی اور رضیہ باجی کی آنکھوں میں آنسو تھے ضبط کے آنسو سلطان ہوٹل والا مجاہد موچی و قارر یزہمی و ان اور مراد پان والا جنازہ لے گئے تھے۔ گھر میں کوئی رسم نہیں ہوئی تھی۔ وہ چپ تھی رضیہ باجی چپ تھیں۔ سحن میں بندھی لاڈلی بکری چپ تھی۔ برآمدے میں رکھے پنجرے میں سعدیہ باجی کا پیارا طوطا بھی کچھ نہ بولا اور پھر دو دن بعد بیٹھک پھر سے جگ گئی۔ فرق اتنا پڑا تھا کہ اب رضیہ باجی اکیلی ناچتی تھی۔ اسماء کے بہن سے آہستہ آہستہ سعدیہ باجی کی موت کا اثر ختم ہو گیا۔ گھر میں کسی نے پھر سعدیہ باجی کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ وہ اب ناچ میں ماہر ہو گئی تھی۔ ہر گانے پر اداسے ناچنا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔ اماں کے سامنے بھی دل کھول کر ناچتی اور اماں اسے داد دیتی تھی۔ اس نے رضیہ باجی سے کبھی اپنے ناچ کا ذکر نہ کیا۔ وہ صرف تب ناچتی تھی جب رضیہ یا تو بیٹھک میں ہوتی یا پھر گھر سے باہر۔

پھر ایک دن اس نے رضیہ باجی کو صحن میں فرش پر بیٹھے دیکھا۔ او..... او..... رخ..... اوخ..... اوخ..... لال الٹی..... سعدیہ باجی جیسی لال الٹی تھی۔ پھر سب کچھ وہی ہوا۔ ایسبولینس آئی رضیہ باجی کو ہسپتال لے جایا گیا۔ رضیہ باجی بھی زندہ واپس نہ آئیں۔ انہیں بھی کینسر تھا نہ جانے کب سے..... وہی سلطان ہوٹل والا مجاہد موچی و قارر یزہمی والا اور مراد پان والا ایک بار پھر آئے اور چپ چاپ جنازہ لے گئے تھے۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ بس روئی رہی..... بہت روئی.....

”آپ بھی تو ناچتی ہیں پھر مجھے کیوں منع کرتی ہیں؟“ وہ دونوں گھور کر دیکھتیں اور پھر رضیہ باجی ایک فقرہ کہتی۔

”جب پیٹ کو پڑے لات نکل جاوے سارے ٹھاٹھ۔“ اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اس کا کیا مطلب ہے.....؟ پر رات کو جب دونوں باجیاں اندر بیٹھک میں ناچ رہی ہوتیں تو وہ بھی چپ چپ کر ان ہی گانوں پر رقص کرتی اور آئینے میں خود کو دیکھ کر خوش ہوتی۔

ایک دن اماں کسی کام سے اندر آئی تو وہ ناچنے میں مگن تھی۔ اماں دروازے پر کھڑی چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ جب گانا ختم ہوا تو وہ اماں کو دروازے میں دیکھ کر چونک گئی۔ پر اماں نے اسے کچھ نہ کہا اور اس کی بلائیں لیتی چلی گئی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ باجیاں تو ہمیشہ اسے ٹوکتی رہتی ہیں پر اماں نے کیوں نہ کچھ کہا.....

دن گزر رہے تھے۔ اس کے ناچ میں پختگی آتی جا رہی تھی۔ پھر ایک دن سعدیہ باجی تیار ہو رہی تھیں بیٹھک میں جانے کے لیے۔ تو پتہ نہیں انہیں کیا ہوا۔ ان کا جی متلانے لگا وہ صحن میں ٹوٹنے کے پاس جا کر بیٹھ گئیں اور تے کر دی۔ ہائے اللہ! سعدیہ باجی نے تو لال الٹی کی تھی۔ خون والی اور ایک نہیں دو تین پھر وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ایسبولینس آئی۔ انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ وہ ان کا آخری لمحہ تھا جب میں نے سعدیہ باجی کو زندہ دیکھا تھا۔ پھر ہسپتال سے دو گھنٹے بعد اسی ایسبولینس میں سعدیہ باجی کی لاش

بیشک کی زینت صرف وہ تھی۔ اسے ادائیں بھی آگئی تھیں۔ خوب نوٹ نچھاور ہوئے..... پر وہ دل سے ہمیشہ ناخوش رہتی تھی۔ اسے رضیہ باجی، سعدیہ باجی کی لال الٹی اور موت اکثر یاد آتی۔ پر وہ اماں کے سامنے مجبور تھی۔ اکثر گھر سے باہر بھی جانا پڑتا تھا۔ اسے گھن آتی تھی اپنے آپ سے اور اپنے کام سے۔ پر اس کا بس نہ چلتا تھا۔ وہ بکری اور طوطے سے باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی۔

”اری اسماء! کہاں مرگئی جلدی دفع ہوا دھر۔“

بیشک کی طرف سے اماں کی تیز غصیلی آواز نے اس کے ذہن پر چھائے خیالات کی دھند کو صاف کر دیا۔ پر اس کا ذہن کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر وہ یکا یک کسی فیصلے پر پہنچ گئی۔ بس اب وہ مزید یہ کام نہیں کرے گی..... خود کو مزید اذیت نہیں دے گی..... کہیں برتن کپڑے دھولے گی..... سوکھی کھالے گی..... پر اپنا آپ نہیں مارے گی۔ اس نے جلدی سے پلنگ کے ایک کونے میں پھنسے ہوئے شاپر میں اپنے دو جوڑے رکھے۔ اماں کے ڈبے سے چند میسے اٹھائے اور بڑی سی چادر لپیٹ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ برآمدے سے باہر نکل آئی۔ برآمدے میں پڑے پنجرے کے قریب جا کر سعدیہ باجی کے طوطے کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ طوطا پرسکون تھا۔ محن کے ایک کونے میں بکری لٹنے کی جرسی پہنے دبی بیٹھی تھی۔ اسماء نے اس کے قریب جا کر اس پر اپنا ہاتھ پھیرا بکری بھی پرسکون اور چپ تھی۔ اسماء نم آنکھیں لیے بیرونی دروازے سے باہر نکل کر تارک علی میں پڑتی دھند میں گم ہو گئی۔

☆☆

جی بھر کر روئی۔ محن میں بندھی بکری بھی نہ ممدائی، برآمدے میں پڑے پنجرے میں رکھا طوطا بھی سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

دو دن بعد اماں کمرے میں آئی۔ وہ پلنگ پر گھسنوں میں سر دا بے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اماں نے آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

”اٹھ تیار ہو جاؤ بیشک سچ گئی ہے اسماء! مہمان انتظار کر رہے ہیں۔“

”پر اماں! میں..... وہاں کیسے ناچوں گی.....؟ میں تو کبھی وہاں گئی ہی نہیں۔“ وہ بولی۔

”پہلے نہیں گئی اب تو جا رہی ہے ناں۔“ اماں بولی۔

”پر اماں! میں وہاں نہیں ناچوں گی مجھے شرم آتی ہے۔ میں تو اپنا دل بھلانے کو ناچ لیتی تھی۔ اماں! تو مجھے وہاں مت بھیج۔“

”ہائے ہائے کسی شرم.....؟ اور کیا کہا تم نے ناچے گی نہیں۔ اری ناچے گی نہیں تو کھائے گی کہاں سے بول.....؟ ایک وقت کی روٹی کے پیسے نہیں ہیں اپنے پاس..... چل اٹھ جلدی سے تیار ہو جا۔“ اماں کا لہجہ سپاٹ اور آواز تیز ہو گئی۔ ایسا لہجہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ ورنہ تو اماں اسے بہت پیار سے بلاتی تھی۔ وہ کچھ سہم گئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی آئینے کے سامنے آگئی۔ تیار ہوتے ہوئے رضیہ باجی کا کہا ہوا فقرہ یاد آیا۔

”جب پیٹ کو پڑے لائے نکل جاوے سارے ٹھاٹھ۔“ اب اسے سمجھ آ گیا تھا کہ جب وہ ناچنے کی ضد کیا کرتی تھی تو باجیاں اس کو کیوں روکتی تھیں۔ اب

”بہ بے زبان ضرور ہونا ہے۔“ گجر سنگھ نے طنز بہ انداز میں کہا۔
 ”لیکن بے عقل نہیں ہے۔ خاص طور پر کنوں کی جس نسل سے بہ ہے وہ
 اپنی ذہانت کے لیے مشہور ہے۔ جس طرح کھٹے ہب کھانے کے مرنے پر
 ناگن انتقام لیتی ہے اسی طرح اس نے سھناداس سے اپنے نر کئے کا انتقام لیا ہے

حیوانی انتقام

محمد رضوان قیوم

رستم کی زندگی سے لپٹی یہ بچی کہانی اپنے اندر ایک جہان حیرت لیے ہوئے ہے۔ رستم علی اس وقت لگ
 بھگ 90 برس کے ہیں لیکن اس ڈھلتی عمر میں بھی حیرت انگیز طور پر ان کی صحت کافی اچھی ہے۔ ان کے
 حواس پوری طرح کام کرتے ہیں اور اس عمر میں بھی وہ لاشی کے سہارے کے بغیر چلتے ہیں اور بغیر عینک کے
 اخبار پڑھتے ہیں۔ ایک روز جانوروں کی نفسیات پر بات ہو رہی تھی۔ کسی نے کہا۔
 ”بلی گھر کی وفادار ہوتی ہے اور کتا مالک کا..... گھر کے کین گھر چھوڑ کر چلیں جائیں تو بلی ان کے ساتھ
 نہیں جاتی بلکہ گھر میں ہی رہتی ہے اس کے برعکس کتا بھی مالک کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وفاداری نبھاتا ہے
 چاہے اس کو اپنی جان بھی کیوں نہ دینی پڑے۔“ یہ بات سن کر رستم علی صاحب نے بتایا کہ۔
 ”ان کو کتے کی وفاداری کا ایک واقعہ یاد آگیا جس میں ایک بے زبان کتیا نے اپنے مالک سے
 وفاداری کا ایسا بے مثال مظاہرہ کیا کہ عقل دنگ رہ گئی۔“

130 روپے بھی جبکہ ہمارے گھر میں کھانے والے
 9 افراد تھے۔ ماں باپ اور سات بہن بھائی۔ بہنیں
 بڑی تھیں اور شادی کی عمر کو پہنچ رہی تھیں۔ دو بہنوں
 کے بعد تیسرے نمبر پر میں تھا۔ ہمارا گزرا بڑی مشکل
 سے کھینچ تان کر ہوتا تھا۔ میں ان دنوں 9TH کلاس
 میں پڑھتا تھا۔ والد صاحب کو مجھ سے بڑی امیدیں
 تھیں کہ میں پڑھ لکھ کر افسر بنوں اور گھر کی تقدیر بدل
 ڈالوں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ والد صاحب

محترم رستم علی صاحب قیام پاکستان سے
 پہلے پولیس میں ملازم تھے۔ یہ واقعہ ایک قتل کی تفتیش
 کے دوران پیش آیا تھا۔ انہوں نے بڑی ہی بلی بات
 سنا دی۔ میں اس دلچسپ کہانی کو محترم رستم علی صاحب
 کی زبانی اپنی تحریر میں پیش کر رہا ہوں.....
 میں بٹالہ کے ایک پسماندہ گاؤں کے ایک
 متوسط گھر میں پیدا ہوا۔ میرے والد صاحب پنجاب
 پولیس میں کلرک تھے۔ اس زمانے میں ان کی تنخواہ



مشورہ دیا کہ۔

”میں یہ موقع ضائع نہ کروں اور راولپنڈی چلا جاؤں۔“ میں اگرچہ زندگی کے اس نئے تجربے سے گھبرایا ہوا تھا لیکن میرے لیے ”کردیا مرو“ والا معاملہ تھا۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں بذریعہ ریل گاڑی راولپنڈی پہنچا تھا۔ ٹرین سے اترتے ہی مجھے سخت سردی کا احساس ہوا۔ میں گرم علاقے کا رہنے والا تھا۔ میرے لیے یہ سردی بہت زیادہ تھی۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک چائے والا کھوکھا نظر آیا جہاں گرم چائے بن رہی تھی۔ میں نے سردی سے کانپتے ہوئے اس سے ایک کپ چائے لی اور جلدی جلدی پینے لگا۔ چائے نے بدن کو گرمی پہنچائی تو کچھ سکون ہوا۔

”ابھی سے تمہاری قلفی جم رہی ہے۔“ چائے والے نے مذاق سے کہا۔ ”فردری دمبر میں بخ بستہ ہوائیں چلیں گی تو تمہارا کیا بنے گا.....؟“ اس کی یہ بات سن کر ہی مجھے سردی سے لرزہ چڑھ گیا۔ بہر حال ایک تانگے میں بیٹھ کر ریلوے بازار تھانے کے سامنے اترا تو تھانے کا گیٹ بند تھا جبکہ وہاں کا چوکیدار سنتری ہاتھ میں اس زمانے کی لکڑی کی بندوق تھا۔ سنٹول پر بیٹھا انگڑا رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دے کر اٹھایا تو وہ ہڑبڑا کر مجھے دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے اوئے.....!“ اس نے پولیس کے روایتی اکھڑ لہجے میں پوچھا۔ ”کون ہے تو.....؟“ میں نے اسے اپنا تعارف کرایا تو وہ اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے اٹھا اور گیٹ کھول

کو دفتر میں بیٹھے بیٹھے دل کا دورہ پڑ گیا۔ ان کو ہسپتال پہنچا دیا گیا لیکن ان کا وقت آچکا تھا اس لئے وہ جان برنہ ہو سکے۔

ہمارے ہتے بستے گھر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی یوں لگا جیسے سر سے آسمان ہٹ گیا ہو۔ اس موقع پر کچھ ہمدردوں نے مجھے سمجھایا کہ۔

”جھکے کے بڑے افسر کے سامنے پیش ہو جاؤں اور اپنے باپ کی جگہ نوکری کیلئے درخواست پیش کروں۔“ میں نے ایسا ہی کیا۔

میں اس وقت برٹش قانون کے مطابق نوکری کیلئے عمر اور تعلیم کے لحاظ سے کم عمر اور کم تعلیم یافتہ تھا لیکن افسر بڑا رحم دل اور ہمدرد تھا اس نے اپنے اختیارات استعمال کر کے مجھے خصوصی رعایت دے کر پمپش پولیس میں بطور کانسٹیبل بھرتی کر لیا۔ تین ماہ کی ٹریننگ کے بعد مجھے لاہور پولیس ہیڈ کوارٹر سے آرڈر آیا کہ میں فوراً ریلوے بازار راولپنڈی شہر کے بڑے تھانے میں اپنی جوائنٹنگ رپورٹ دوں۔

کہاں بٹالہ اور کہاں راولپنڈی! میری بیوہ ماں جہاں اس نوکری سے خوش تھی وہاں اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ میں انجان شہر میں کیسے رہوں گا۔ اس زمانے میں ہمارے ہاں یہ مشہور تھا کہ راولپنڈی میں جان لیوا سردی پڑتی ہے اور میں اس سخت سردی کو کیسے برداشت کروں گا۔

بہر حال نئی نئی نوکری کا معاملہ تھا۔ اس زمانے میں سرکاری نوکری ملتی کہاں تھی کسی مسلمان کے لئے تو سرکاری نوکری بڑے اعزاز کا باعث تھی۔ محلے کے بزرگوں، دوست، احباب اور رشتہ داروں نے مجھے

کر مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر چلا گیا۔
تھانے کے اندر کا ماحول انتہائی عجیب و غریب تھا۔
ایک بڑے سے ہال نما کمرے کے سامنے دو تین چھوٹے
چھوٹے دفتر نما کمرے بنے تھے۔ دائیں طرف حوالات
بنی ہوئی تھی جس میں تین چار حوالاتی پچھے پرانے کبل
اور چادریں اوڑھے بے سدھ سو رہے تھے۔ دوسری
طرف پانچ چھ پولیس والے نیند کے جھونکوں میں
نائٹ ڈیوٹی ادا کرنے کی رسم نبھا رہے تھے۔

میں نے سردی سے لرزتے ہوئے تھانے کی
بلڈنگ کا جائزہ لیا۔ وہ انتہائی بوسیدہ اور بد حالی کا شکار
تھی۔ جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ رنگ روغن اڑ
چکا تھا اور دیواروں میں جا بجا نظر آنے والی دراڑیں
اسے کھنڈر ثابت کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد باہر بیٹھا
چوکیدار اندر آیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں میں دبی پہلے
سے سنگتی بیڑی مجھے پیش کی جسے میں نے قبول کرنے
سے انکار کر دیا۔

”میرا نام سورج لعل ہے۔“ اس نے اپنا تعارف
کراتے ہوئے کہا۔ ”میں یہاں منتری ہوں۔“
میں اس وقت اپنی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ سورج لعل نے میری یہ حالت دیکھی
تو حوالات میں گہری نیند سوئے ایک قیدی کے اوپر
سے گرم چادر ایک جھٹکے سے کھینچی اور مجھے دیتے ہوئے
بولی۔

”باؤ جی اسے اوڑھ لو۔“ میں نے چادر اس
سے لے کر اوڑھ لی۔ چادر سے سخت بدبو اٹھ رہی
تھی۔ ہو سکتا ہے اس میں جوئیں بھی ہوں۔ تھوڑی دیر
بعد مجھے چادر کی گرم راحت کا احساس ہوا تو میں نے

چادر اتار بھیجنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔
”تم یہاں تھوڑی دیر انتظار کرو۔“ سورج لعل
نے کہا۔ ”تھانیدار صاحب اپنے کمرے میں سو رہے
ہیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد جب وہ اٹھیں گے تم پیش ہو
کر اپنی جوائننگ رپورٹ دے دینا۔ اتنی دیر میں میں
تمہارے لیے ناشتے کا بندوبست کرتا ہوں۔“

سورج لعل ناشتہ لینے چلا گیا اور میں وہیں پڑی
ایک کرسی پر بیٹھ کر تھانیدار کے بیدار ہونے کا انتظار
کرنے لگا۔ میرے علاوہ وہاں سب ملازم سو رہے
تھے یا اذگھ رہے تھے۔ میں تھانیدار کے دروازے پر
یوں ٹھٹکی لگا ہوا ہوں تھا جیسے میری نظر ذرا ادھر ادھر
ہوئی تو تھانیدار باہر نکل کر غائب ہو جائے گا۔“

تقریباً آدھے گھنٹے بعد تھانیدار کے دروازے
کی چٹخی کھلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلنے لگا۔ میں
تھانیدار کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ دروازہ
کھلا تو میرے چوہہ طبق روشن ہو گئے۔ کمرے سے
ایک نہایت خوبصورت لڑکی باہر نکلی اور اس نے دونوں
ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک تو بہ شکن انگڑائی لی۔ اس کی نظر مجھ
پر پڑی تو ٹھٹک گئی پھر مسکرا کر بائیں طرف آنکھ دبا دی
اور باہر کوچل پڑی۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ
آنکھوں کی سرخی اور تازہ انداز اسے بازاری عورت
ثابت کر رہے تھے۔ وہ نشے میں بھی تھی۔

اس فاحشہ کے جانے کے بعد ایک موٹا اور قد آور
سیاہی مائل رنگت والا کرخت چہرہ آدی باہر نکلا۔ اس
کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے چہرے کو لمبی
کھنی مونچھوں نے خوفناک بنا رکھا تھا۔ وہ بھی لڑکھڑاتا
باہر آیا۔ مجھ پر نظر پڑی تو منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک

طرف چلا گیا۔

تھے۔ روشن دین نے مجھے کہا کہ۔

”میری ڈیوٹی کی شفٹ تو ختم ہوگئی ہے اور میں نے ابھی اپنے کوارٹر جانا ہے تم ایسا کرو کہ میرے ساتھ وہاں چل کر فریش ہولو۔ وہاں موجود سورج لعل نے بھی زور دیا کہ۔

”میں اس کے ساتھ چلا جاؤں کیونکہ گجر سنگھ تھانے میں تقریباً 9 بجے آئے گا۔“ اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا کہ۔ ”وہ رت جگے کی وجہ سے بہت تھکے ہوئے ہیں۔“ میں سپاہی روشن دین کے ساتھ تھانے کے قریب موجود اس کی رہائش کوارٹر میں چلا گیا۔ اس نے مجھے بتلایا کہ۔

”وہ اس کوارٹر میں اکیلارہتا ہے اور اس کا تعلق خانپور سے ہے۔ اس کوارٹر کا کرایہ بڑا مناسب ہے صرف 20 روپے ہے جس میں ضروریات زندگی کی تمام سہولیات موجود ہیں۔“

میں نے وہاں اچھی طرح دانت مانجھے گرم پانی سے نہایا دھویا۔ اس نے دورہ مجھے ناشتہ کروایا۔ جب سے میں راولپنڈی کی حدود میں داخل ہوا تھا مجھے پہلی بار راحت اور سکون ملا تھا۔ مجھے روشن دین فطری طور پر مسلمان ہونے کے ناطے اچھا اور مناسب ساتھی لگا۔ میں نے اسے کہا کہ۔

”ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنی چارپائی بچالوں ویسے بھی آپ اکیلے ہیں اور میں بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم مسلمان ہیں۔“ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور مجھے کہا کہ۔

”اس مسئلے پر بعد میں بات کریں گے..... لیکن میں تجھے یہ بتاتا چلوں کہ میں بھی تیری طرح ایک

اتنے میں ستری بابا ناشتہ لے کر آگیا۔ گرم گرم چائے اور پراٹھوں نے بہت لطف دیا۔ میں نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ۔

”وہ لڑکی کون تھی جو تھانیدار کے کمرے سے نکل کر گئی ہے.....؟“

”اپنے تھانیدار کی رکھیل ہے۔“ سورج لعل نے کہا۔ ”ایس اچ او گجر سنگھ بڑا سخت مزاج اور غصے والا ہے۔ پکا زانی اور شرابی ہے۔ رشوت خوب لیتا ہے۔ روپے اور عورت کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہے..... تو ابھی نیا کم عمر ہے! یہاں کی سردی اور گجر سنگھ کے مزاج کی گرمی سے بچنا ہے تو تھانیدار کی ہاں میں ہاں ملانا سیکھ لو۔ تھانے کے ماحول کے مطابق بولیاں بولنا سیکھ لو۔ یہی سرکاری نوکری کرنے کا کامیاب نسخہ ہے۔“

سورج لعل تھوڑی دیر بعد ہی پوری طرح مجھ سے بے تکلف ہو گیا۔ اس کا رویہ میرے ساتھ ہمدردانہ تھا۔ غالباً یہ میری کم عمری کی وجہ سے تھا۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں فجر کی اذان کی مقدس آواز گونجنے لگی۔ میں نے وضو کر کے رب کی بارگاہ میں سر جھکا دیا۔ رفتہ رفتہ تھانے میں بیداری ہونے لگی۔ سورج لعل نے میرا تعارف تمام بیٹی بند بھائیوں سے کرایا۔ ان میں ملائم سنگھ، بھول سنگھ، شری رام اور ایک مسلمان روشن دین بھی تھا۔ روشن دین سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوئی کہ وہ میرا مسلمان بھائی ہے۔

روشن دین نے واقعی بڑی گرم جوشی سے اوروں کی نسبت مجھے ویکم کیا باقی سب کے رویے پھیکے

”تو اس وصول شدہ فائلوں کو دھیان سے اپنے دفتر کی الماری میں محفوظ رکھنا اور جیسا میں کہوں ویسا کرنا اور یاد رکھ مجھے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو میری بات نہیں مانتے اور میرے آگے جھوٹ بولتے ہیں۔“ آخر میں اس نے مجھے کہا۔

”تو میرا خیال رکھ۔ میں تیرا چائے پانی کنیا کا کرایہ وغیرہ نکال دوں گا۔“
میں بہلول سنگھ سے جب متعلقہ ریکارڈ وصول کر رہا تھا تو اس نے بڑے متعصب انداز میں طنز کرتے ہوئے مجھے کہا کہ۔

”تیرے باپ کے مرنے سے تجھے یہ فائدہ ہو گیا کہ تجھے حیری تعلیم کم ہوتے ہوئے بھی یہ کلر کی مل گئی۔“ اس لمحے میرا دل چاہا کہ اسے منہ توڑ جواب دوں، لیکن مصلحتاً یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ دفعہ کر دیہ میری نوکری کا پہلا دن ہے اور دوسرا میں ان غیر مسلموں کے درمیان تقریباً اکیلا ہوں اور میں کہاں تک متعصب دشمنوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں میں اس سے چارج لے کر سیدھا روشن دین کے کوشٹری میں آ گیا۔

دوسرے دن میں حسب معمول جب اپنی ڈیوٹی دینے گیا تو میں نے دیکھا کہ تھانے میں سارا دن سالکین، بھجرتین کی آ جاگتی رہتی..... بے ایمان گجر، سنگھ ان کی دادی کر رہا تھا جو اس کی مٹھی گرم کر رہے تھے یا نت نئے رنگوں کے میوہ جات فروخت تھا ناف دیتے رہتے جن میں نقدی شراب وغیرہ شامل تھی اس نے سارا دن مجھے تفتیشی امور میں کھپائے رکھا یہ فائل لا وہ فائل لا..... یہ الماری میں رکھ اس نے کئی نئی

غریب مسلمان خاندان سے تعلق رکھتا ہوں ان ہندوؤں سکھوں کے درمیان اس تھانے میں ان کے رنگ کے ماحول کے مطابق رہ رہا ہوں۔“
”ان کا رنگ کیا ہے روشن بھائی.....!“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”رنگ یہ ہے کہ جو دیکھو سنو اس پر اپنے کان اور آنکھیں بند رکھو اور تصور کرو کہ سب اچھا ہے اور کبھی کبھار دل نہ مانتے ہوئے بھی رشوت لینی پڑتی ہے شراب پینی پڑتی ہے اور بعض دفعہ ان ظالموں کی زیادتیوں کو دیکھ کر نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔“
”مجھے تمہارا یہ تھانہ کلچر اور نوکری کا فلسفہ سمجھ آ گیا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”میں یہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

”اچھا تو فل الحال تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد فوری طور پر تھانے جا کر گجر سنگھ کو اپنی جوائنٹنگ دے کر آ۔“

میں اچھی طرح تیار ہو کر پہلی دفعہ گجر سنگھ سے ملا وہ پہلی ملاقات میں انتہائی اکھڑ پن سے پیش آیا۔
”تیری ڈیوٹی میں اپنے ساتھ انوسٹی گیشن سیل

میں لگا رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”تجھے یہ شاید پتہ نہیں ہے کہ میں اس تھانے میں قتل، اقدام قتل اور ڈکیتی جیسی وارداتوں کے سلسلہ میں پیش تفتیشی آفسر بھی ہوں۔ تو نے ان سارے تفتیشی مقدمات کے مجرموں کا پرانا نیار یکارڈ رکھنا ہے۔“ پھر اس نے تھانے کے کلرک بہلول سنگھ کو کہا کہ۔

”تم اس کو سنا کر جٹر کی مدد سے فلاں فلاں فائلیں وصول کراؤ۔“ پھر اس نے مجھے مزید تاکید کی۔

”اوائے رستم کا کا! ایک نیا فائل کوریج اور آرڈر سیٹ لے کر ادھر آ۔“

میں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے پاس یہ چیزیں لے گیا۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایک لیٹر تھماتے ہوئے کہا کہ۔

”اسے نئی فائل پر پروکراؤ میں نے اس لیٹر کو بغور پڑھا وہ اصل میں پولیس ہیڈ آفس سے آیا تھا۔ جس میں گجگٹھ کو تائید کی گئی کہ جاتی گاؤں میں جا کر آ۔ اے بازار میں ہونے والی ڈکیتی کی انکوائری کر کے فلاں تاریخ کو اپنی رپورٹ بھیجے۔ اس رپورٹ میں شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اس ڈکیتی کے کچھ مجرم جاتی تھانے کے علاقہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ ایک سیشل ٹاسک تھا جو کہ گجگٹھ کو دیا گیا تھا۔“

اس زمانہ میں جاتی قتل و ڈکیتی جیسی گھناؤنی وارداتوں کا گڑھ اور بدنام ترین علاقہ تصور کیا جاتا تھا وہاں اچھے اچھے دلیر تھانے دار اور پولیس اہلکار جانے سے کتراتے تھے۔ دراصل ان وارداتوں کے مجرموں کی پشت پناہی یہاں کے ٹھاکر چوہدری وغیرہ کیا کرتے تھے اور ان لوگوں نے پولیس و کیلون جوں کو زرخید بنایا ہوا تھا اس علاقے کا بڑا بد معاش ایک ہندو ٹھاکر سہتا واس نامی تھا جس کی ناک کے نیچے جاتی گاؤں میں سینکڑوں قاتل و ڈکیت، نوسر باز پناہ لیے ہوئے تھے۔ اس کے زرخید کے ضمیروں کی فہرست میں گجگٹھ بھی شامل تھا۔ سہتا واس ہر مہینے تھانے میں نقد ہتہ علاوہ نت نئے تحفوں کی صورت میں رشوت بھیجا کرتا تھا۔ گجگٹھ سب کے سامنے اس بات کا اقرار بھی کرتا تھا کہ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اس ڈکیتی کے مجرم لازماً

فائلیں بھی بنوائیں۔ ڈیوٹی کے دوران اس نے تصور بے تصور لاتعداد مضمونوں کو بڑی بے رحمی اور ظالمانہ انداز میں ٹارچر دم میں لے جا کر مارا کوٹا۔ ڈیوٹی کے بعد اس نے شام کو مجھے اور روشن دین کے لیے مشترکہ طور پر ایک شراب کی بوتل 50 روپے نقد اور بہت سا خشک میوہ دیا۔

میرے اور روشن دین کے درمیان کوٹھڑی کے کرایہ اور دیگر اخراجات کے معاملات آدھ آدھ کی بنیاد پر طے پا گئے تھے اس کی ڈیوٹی رات کی تھی جبکہ میری دن کی بعض دفعہ وہ رات کو چھٹی کر لیتا تھا تو ہم دونوں مل کر کوئی نہ کوئی فلم دیکھ لیتے یا پھر رات گئے تک خوب دل کھول کر باتیں کرتے۔ ہم کبھی کبھار پیٹے پلاتے اور تاش کھیلے۔

”یار! تھانے کا ماحول اور نا انصافی دیکھ کر کبھی میرا دل کرتا ہے کہ میں یہ نوکری چھوڑ کر واپس اپنے شہر نالہ چلا جاؤں۔“ ایک دن میں نے اسے کہا۔

”پولیس کی نوکری اختیار کی ہے تو اپنے دل سے تمام نرم گوشے نکال دے۔“ روشن دین نے کہا۔ ”بلکہ اسے مزید سخت کر دو نہ مجھے یہ بتلا کہ نوکری چھوڑ کر تو کرے گا کیا..... آج کل اس ملک میں مسلمانوں کو کون پوچھتا ہے.....؟“ اس کی یہ دلیل دل پر ٹکی میں نے پھر اپنے دل کو ناپسند آنے والی اس نوکری کو اپنے لیے بہتر سمجھا۔

ایک دن میں حسب معمول تھانے میں اپنی سیٹ پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ حسب معمول تھانے میں مسلمانوں، سائیکلوں اور مشینوں کی رونق لگی ہوئی تھی کہ گاہک نے مجھے بلند آواز سے پکارا۔

کے ایک آدمی سے پوچھا۔

”تھا کر کہاں ہیں.....؟“

”آپ کو معلوم ہوگا جناب!“ اس آدمی نے کہا۔ ”کل جو چوتھرہ کے علاقے میں پولیس مقابلہ میں دوڑا کو مجھ اور منیر مارے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق اس گاؤں سے تھا وہ اس کے ہڈسہ کے لیے گئے ہیں۔ انہیں گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے بس آتے ہی ہوں گے آپ ناشتہ پالغ کرو۔“

ہم سب نت نئی سوچاوتوں سے محفوظ ہونے لگے تھوڑی دیر بعد سہناداس اپنے خاص کرتا دھرتا بنے بد معاشوں کے ساتھ بیٹھک میں داخل ہوا اس نے اپنے کندھے پر انتہائی قیمتی پشم کی چادر تانی ہوئی تھی۔ چہرہ مہرہ آخری حد تک پکے بد معاشوں والا تھا۔ اس کا تیل سے چڑا گنجا سر اور بھاری چوڑی بھری مونچھیں اس کی منفی شخصیت کو مزید ابھار رہی تھیں۔ گجر سنگھ اسے دیکھتے ہی بڑے احترام سے اٹھا اور اس کے گھٹنوں کو چھوا۔

”یار! مجھے معاف کرنا میں ذرا ایک ضروری کام سے چلا گیا تھا۔“ سہناداس نے کہا۔

گجر سنگھ نے ہمارا فردا فردا تعارف کروایا میری طرف دیکھتے ہوئے سہناداس نے طنزیہ طور پر بدتمیزی سے کہا۔

”اے! کب بن رہا ہے تیرا پاکستان.....؟“ مجھے اس کی بات پر غصہ آیا لیکن میں نے ٹال دیا اس کے بعد شراب نوشی اور باتوں کا دور شروع ہو گیا۔

”تو جب چاہے جاتلی آ۔“ سہناداس نے مکارانہ انداز میں کہا۔ ”لیکن تو جس ڈکیتی کی انکوائری کے

سہناداس کے زیر سایہ اسی گاؤں میں چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن ہر سال دیوالی دسہرا خوشی برے وقت اور جب تھانے کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہمیں روپے پیسے شراب اور ضروریات زندگی سے بھی نوازتا ہے۔ لیکن فائل کا پیٹ بھی تو بھرنا پڑے گا وہاں جانا ضرور پڑے گا۔

گجر سنگھ نے تفتیشی ٹیم کو تشکیل دیا تو اس نے شری رام، ملائم سنگھ اور روشن دین کے ساتھ میرا نام بھی اس میں شامل کر دیا۔ دو دن پہلے اس نے سہناداس کو پیغام بھیج دیا تھا کہ وہ فلاں دن اس کی حویلی میں مذکورہ ڈکیتی کی تفتیش کے لیے آئے گا۔ طے شدہ دن جب تفتیشی ٹیم جاتی گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی تو وہاں سہناداس اس کے آدمیوں نے ہمارا شاندار ایسا استقبال کیا کہ جیسے ہم پولیس والے نہ ہوں بلکہ کوئی معزز مہمان ہوں۔ اس کے آدمی انتہائی قد اور اور صحت مند تھے اور اپنے بھاری چہروں پر خوفناک مونچھوں کا بو جھٹھائے ہوئے نظر آئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں خطرناک اسلحہ تھا کہ میرے خیال میں پولیس والوں کے پاس بھی نہیں ایسا اسلحہ ہوگا۔

ہمیں سہناداس کی حویلی کے بڑے مہمان خانے میں بیٹھایا گیا جیسے پہلے ہی سخت سردی کے بجائو کے لیے کوئلے کی انگٹھٹیوں سے گرم کیا ہوا تھا۔ ہماری تواضع کے لیے قیمتی میوہ جات ولایتی شراب اور دیگر لوازمات بھی رکھے ہوئے تھے۔ ہم سب احساس کمتری سے سہمے ہوئے وہاں بیٹھ گئے۔ درود یوار پر نئی پرانی بندوقیں اور شکار کئے گئے جانوروں کے بھس بھرے سرخسک کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ گجر سنگھ نے اس

طرح کر سکتا ہوں کہ تو اس کی جگہ میرے ایک دشمن کو اس جرم میں گرفتار کر لے۔“
 ”وہ دشمن کون ہے.....؟“ گجر سنگھ نے اس سے پوچھا۔

”تیرے تھانے کے علاقے میں ایک قبرستان ہے اس کے پاس ایک لڑکا ولی خان رہتا ہے اور وہ پیشے کے لحاظ سے ویلڈ رہے پچھلے مہینے اس گاؤں میں نامی گرامی کتوں کے درمیان خونی مقابلہ ہوا میرے شیر نمائے اجو کے مقابلہ میں وہ اپنا کتا لے آیا تھا اس کا کتا میرے کتے پر بھاری رہا۔ میرا شہزادہ میں نے بڑے مان اور ناز سے پالا تھا وہ اس کے سامنے بھیگی ملی بن کر ہار گیا میری گاؤں میں تھو تھو ہوئی لوگ منہ پر تو کچھ نہیں کہتے لیکن پیٹھ پیچھے مجھے طعنے دیتے ہیں کہ اتنے بڑے ٹھاکر کا شیر جیسا کتا ایک دو ٹکے کے ویلڈ رکے پلے سے ہار گیا۔“

”یہ تو ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ کانٹیل بہلول سنگھ خواہ مخواہ غیر ضروری طور پر درمیان میں بول پڑا۔ اس کی بات سن کر سہنا داس زخمی شیر کی مانند دھاڑا۔

”اُلو کے پٹھے! گاؤں میں ایسا واقعہ مجھ جیسے ٹھاکر کے لیے کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا میرے کتے کی شکست کی خبر بد بو کی مانند میری رسوائی بن کر دُور دُور تک جگ جنسائی کا باعث بن گئی ہے۔“

گجر سنگھ نے بہلول کو سرخ نگاہیں اٹھا کر ڈانٹا اور پھر سہنا داس اس کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

”تو آپ حکم کریں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں.....؟“

سلسلے میں آیا ہے۔ سچی بات ہے میں اس واردات کے اصل مجرم تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔ لیکن تجھے اگر اپنے کندھے پر مزید ترقی کے پھول سجانے ہیں تو میں تیرا یہ کام کسی اور صورت میں کر سکتا ہوں۔“
 سہنا داس نے اپنی چمکتی ٹنڈ پر بڑے شیطانی انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”تو میرا مہمان اور انکوائری آفیسر بھی ہے میں تجھے خالی ہاتھ بے مراد بھیجنا نہیں چاہتا آخر تجھے کچھ دے کر ہی بھیجنا چاہیے۔“
 ”سہنا صاحب! کافی عرصہ سے میری پروموشن نہیں ہوئی ہے۔“ گجر سنگھ نے عاجزی کے انداز میں کہا۔ ”بس مہربانی کر کے اس ڈکیتی کے متعلق میری کچھ مدد کریں۔ ویسے بھی اس واردات کی انکوائری چھان بین کے سلسلے میں مجھ پر اوپر سے بڑا دباؤ گئے۔“
 ”میں اس ڈکیتی میں جانے والا اصل مال برآمد کروا سکتا ہوں۔“ سہنا داس نے کسی ماہر شاطر کی طرح کہا۔ ”مگر مجرم اصل نہیں دوں تمہارے حوالے کروں گا۔“

”میں آپ کی بات سمجھا نہیں سہنا صاحب!“
 گجر سنگھ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”مال تو اصل برآمد ہو گا لیکن مجرم دو نمبر سے آپ کی کیا مراد ہے.....؟“
 سہنا نے بد معاشی سے اپنی گول گول آنکھوں کو گھماتے ہوئے کہا۔

”سچی بات کروں گا۔ اصل ڈاکو شیر اس گاؤں میری ناک کے نیچے چھپا ہوا ہے وہ میرا فدا کر کتا ہے تو جتنا مرضی زور لگالے میں کسی قیمت پر اسے تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر تو نے واقعی اپنے کندھے پر مزید ترقی کے پھول سجانے ہیں تو میں تیری مدد اس

گجر سنگھ نے تھانے پہنچتے ہی ولی خان کے ڈکیتی میں ملوث ہونے کے بارے میں طویل جھوٹی انکوائری رپورٹ لکھ دی اس کے بعد اس نے یہ کیا کہ تھانے میں موجود ایک زر خرید کے ذریعے سہنا داس کی طرف سے دیئے گئے لوٹ کے سامان میں سے چند تولے زیور اور نقدی ولی خان ویلڈر کی دکان میں بڑے طریقے سے چھپا دی۔ تھوڑی دیر بعد پولیس نے ولی خان کی دکان پر چھاپہ مارا وہاں سے ڈکیتی میں لوٹا ہوا زیور اور نقدی برآمد کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ ولی خان کو جب پولیس گرفتار کر کے لے جا رہی تھی۔ تو اس کی پالتو وفادار کتیا اس کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہوئی تھانے کی حدود تک آگئی۔ پہلے سے پروگرام بنائے گجر سنگھ نے ولی خان کو دیکھتے ہی تنگی گالیوں کے ساتھ تشدد کرنا شروع کر دیا۔

”میرا قصور کیا ہے تھانیدار جی!“ ولی خان نے گھبرا کر پوچھا۔

”ڈاکے ڈالتے ہو اور قصور بھی پوچھتے ہو۔“ گجر سنگھ نے ایک زوردار تھپڑ ولی خان کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔ ”آر۔ اے بازار میں ڈاکا تیرے باپ نے مارا ہے؟“

ولی خان کا ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ پولیس والوں نے مار مار کر اس کا حلیہ خراب کر دیا تھا۔ ”میرا کسی ڈکیتی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر التماس کی۔ ”میں بے گناہ ہوں۔۔۔۔۔ کسی نے سازش کر کے مجھے پھنسا دیا ہے۔“

”اے! تو کوئی لاٹ صاحب ہے۔“ گجر سنگھ نے طنز کیا۔ ”تیرے خلاف کسی کو سازش کرنے کی

”خدمت کی بات نہ کر گجر سنگھ!“ سہنا داس نے کہا۔ ”میرے احسانوں کا بدلہ چکانے کا وقت آگیا ہے۔“

”سہنا داس! آپ حکم کریں میں آپ کے لیے کیا کروں۔۔۔۔۔؟“ سہنا داس نے اپنے ایک غنڈے کے کان میں کچھ کہا۔ وہ چلا گیا۔

”میں وہ کچھ کرنے لگا ہوں جس سے تیرا میرا بلکہ سب کا کام ہو جائے گا۔“ سہنا داس نے پراسرار انداز میں کہا۔

”بس تھوڑی دیر ذرا ٹھہرو۔“ ہم وہاں کھڑے اس کی اس عجیب ادا کو تجسس کے عالم میں دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہی بد معاش اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک پیلے رنگ کی بڑی سی تھیلی لے کر آیا۔ اس نے سہنا کے ہاتھوں میں اسے ادب سے دیا۔ سہنا داس نے اسے گجر سنگھ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اس تھیلی میں 700 روپے تیرا انعام اور 100 روپے فی کس ان کو دے دینا۔“

”اس میں تو بہت کچھ ہے سہنا صاحب!“ گجر سنگھ نے پوچھا۔ ”باقی کا کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔؟“

”اسی تھیلی میں ڈکیتی میں لوٹا ہوا پیسے تو لے سونا موجود ہے۔“ سہنا نے جواباً دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”تم آپس میں میں تو لے سونا باٹ لو اور بقایا پانچ تولے سونا اور روپیہ ولی خان کے کھاتے میں برآمدگی میں ڈال دو۔“

”میرا کام ہر قیمت پر ہونا چاہئے۔“ قیمتی شراب مزید نقد تھے سہنا داس نے گجر سنگھ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

ولی خان کو ہفتہ والے دن تھانے لایا گیا تھا۔ دوسرے دن اتوار کی سرکاری چھٹی تھی۔ گجر سنگھ کا خیال تھا کہ سوموار کے دن وہ ولی خان کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر کے اس کا جسمانی ریمانڈ لے کر سہنا داس کو خوش کرنے کے لیے اس پر خوب تشدد کرے گا۔ ہفتہ کی رات اور اتوار کا دن اسے اذیت کا نشانہ بناتا رہا۔ اس دوران اس کی وفادار کتیا بھوک پیاسی تھانے کے باہر اس امید پر بیٹھی رہی کہ ابھی اس کا مالک باہر آجائے گا۔

ولی خان پر ہونے والا ظلم و تشدد دیکھ کر میرا خون کھولتا رہتا لیکن میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں گھر سے چڑی ہوئی روٹی اور دودھ لاکر اس کی کتیا کے آگے رکھ دیتا جسے وہ نظر بھرنہ دیکھتی۔ آخر کب تک.....؟ بھوک پیاس سے مجبور ہو کر اسے ان چیزوں سے پیٹ بھرنا پڑا۔ اب کتیا مجھے پہچاننے لگی تھی۔

ولی خان کی بوڑھی ماں کو بیٹے کی گرفتاری کا علم ہوا تو رونے لگی۔ اس کا خاوند زندہ ہوتا تو بیٹے کو تھانے سے چھڑانے کے لیے کوشش کرتا۔ بے چاری بوڑھی عورت محلے کے ایک ایک گھر میں گئی اور مدد کے لیے کہا۔ محلے کے لوگوں نے پروگرام بنایا اور اکٹھے ہو کر تھانے جا پہنچے اور تھاندار سے پوچھا کہ۔

”اس نے ولی خان کو کس جرم میں گرفتار کیا ہے.....؟“ گجر سنگھ نے لوگوں کو بتایا کہ۔

”اس نے آر۔ اے بازار میں ڈکیتی کی واردات کی ہے اور ڈاکے میں لوٹا جانے والا کچھ مال اس کی دکان سے برآمد ہوا ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔“ ولی خان کی ماں نے کہا۔

کیا ضرورت ہے۔ تھانے میں آکر ہر مجرم بھی کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ تو اپنا جرم تسلیم کر لے تو تیری مزید دھنائی نہیں کی جائے گی۔“

”وہ مسلسل چلائے جا رہا تھا کہ وہ بے قصور ہے اسی دوران یہ ہوا کہ اس کے پیچھے آئی ہوئی اس کی وفادار کتیا سپاہیوں کو چمک دے کر اندر آکر اس کے قدموں میں لوٹنے لگی۔ وہ بڑی بے چینی سے ولی خان کے ہاتھ پاؤں چاٹنے لگی۔

”باہر نکالو اسے اس حرام زادی کو۔“ گجر سنگھ نے دھاڑ کر کہا۔ ”مارو اس کو۔“ دو تین سپاہی بے دردی سے اس کتیا کے جسم پر ڈنڈے لاتیں برسانے لگے مگر کتیا اس سے مس نہ ہوئی مار کھاتی رہی مگر مالک سے دور نہ گئی۔

”اے مت مارو۔“ ولی خان چلایا۔ ”کیوں یہ تیری بے بے لگتی ہے؟“ گجر سنگھ نے تنگی گالی دے کر کہا۔

”یہ میری وفادار کتیا ہے۔“ ولی خان نے گجر سنگھ کی بات کے زہر کو نکتے ہوئے کہا۔ ”تیرا وفادار کتا کہاں ہے.....؟“ گجر سنگھ نے طنز یہ پوچھا۔

”وہ جاتلی والے سہنا داس نے مروادیا تھا۔“ ولی خان نے کہا۔

”وہ کیوں اونے؟“ گجر سنگھ نے پوچھا۔ ”اس کی تیری کیا دشمنی ہے.....؟“

”میرے کتے نے اس کے لاڈلے کتے کو مار بھگایا تھا۔“ ولی خان نے کہا۔ ”اس کا بدلہ لینے کے لیے اس نے میرے کتے کو مروا ڈالا۔“

”بند کرو اپنا بھاشن!“ گجر سنگھ نے گرج کر کہا۔
 ”تمہارا کیا مطلب ہے کہ پولیس جھوٹی ہے اور
 تم سچے ہو.....؟ آ جاتے ہیں چوروں، ڈاکوؤں کی
 سفارش کرنے..... مجھے تو تم بھی اس کے ساتھی لگتے
 ہو، چلو نکلو یہاں سے ورنہ ابھی حوالات میں بند کر کے
 جھڑول کرادوں گا۔“ تمام محلے دار غریب اور شریف
 سے لوگ تھے۔ وہ گجر سنگھ کی دھمکی سے ڈر کر اپنی جان
 بچا کر تھانے سے نکل آئے۔ بے چاری ولی خان کی
 ماں دہائی دیتی رہ گئی۔

اس کے بعد گجر سنگھ نے ولی خان کا جسمانی
 ریمانڈ لے لیا اور تھانے میں اس پر اس قدر تشدد کیا
 کہ اس نے ناکر وہ گناہ کا بھی اقبال کر لیا۔ گجر سنگھ نے
 کیس مضبوط بنانے کے لیے جھوٹے گواہ بھی پیدا کر
 لیے۔

بہر حال مقدمہ چلا..... مشہور ہے قانون اندھا
 ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ گجر سنگھ نے بڑی مہارت
 سے ساری بساط بچھائی تھی۔ قانون نے جھوٹے ثبوت
 جھوٹے گواہوں اور جھوٹے مقدمے کی روشنی میں ولی
 خان کو مجرم تسلیم کر لیا۔ اس پر صرف یہ کرم کیا کہ اس کی
 کم عمری کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف چار سال قید کی
 سزا سنائی گئی اور اسے سنٹرل جیل بھجوا دیا گیا۔

گجر سنگھ مطمئن تھا کہ اس نے سہناداس کا نمک
 حلال کر دیا ہے۔ سہناداس خوش تھا کہ اس کو ذلیل
 کرانے والا جیل چلا گیا اور اس کے کتے کو اس نے
 مروا دیا۔ اس کی جھوٹی انا کو تسکین پہنچی تھی۔ تھانے
 کا عملہ اپنی جگہ خوش تھا کہ سب کو جھولی بھر بھر کے
 ملا تھا۔

”میں نے اپنے بیٹے کی پرورش رزق حلال سے کی
 ہے۔ وہ حرام اور ناجائز کام کر ہی نہیں سکتا۔ وہ محنت
 مزدوری کر کے رزق حلال کماتا ہے۔ سارا دن آگ
 اُپر لوہے سے لڑتا ہے۔“

”ارد گرد دیہاتوں میں جا کر کتے لڑانا شریفوں
 کا کام ہے؟“ گجر سنگھ نے ولی خان کی ماں سے کہا۔
 ”یہ تو نوابوں کے شوق ہیں اور تمہارا بیٹا نواب نہیں
 ہے۔ بول! اتنا مہنگا لڑنے والا کتا اس نے کہاں سے
 لیا.....؟ چوری ڈاکے کی کمائی سے ہی ایسے نوابوں
 والے شوق پورے کرتا ہوگا۔“

”یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔“ ولی خان کی ماں نے
 کہا۔ ”کتوں کا یہ جوڑا اسے اس کے ماموں نے تحفہ
 دیا تھا۔ ایسا قیمتی جوڑا خریدنے کی ہم میں طاقت
 نہیں۔ پھر اس نے اپنا پیٹ کاٹ کر اس جوڑے کی
 پرورش کی۔ اس کے کتے نے جاتلی والے سہناداس
 کے کتے کو مار گرایا جس کی وجہ سے وہ میرے بیٹے
 اور اس کے کتے کا دشمن بن گیا۔ کتے کو تو اس نے
 مروا دیا اور اب میرے بیٹے کے خلاف جھوٹا کیس
 بنا دیا ہے۔“

”زبان کوتالو سے لگا بڑھیا!“ گجر سنگھ نے لا جواب
 ہو کر کہا۔ ”ذات دی کوڑھ کر لی تے شہتیراں نوں
 چھبے۔“

ولی خان کی ماں کے ساتھ آئے ہوئے محلے
 داروں نے ڈرتے ڈرتے گجر سنگھ کو یہ بتانے کی کوشش
 کی کہ ولی خان کو وہ بچپن سے جانتے ہیں۔ وہ نہایت
 شریف لڑکا اور ڈیکیتی جیسی واردات سے اس کا کوئی
 تعلق نہیں۔

کردی تو اس نے گھبرا کر گجر سنگھ کی ٹانگ چھوڑ دی اور بھاگ گئی۔

اس روز مہم پٹی کے بعد گجر سنگھ کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس نے بہلول سنگھ کو بلا کر حکم دیا کہ۔

”جیسے بھی ہو آج اس کتیا کو زہر دے دو۔ اگر یہ

کتیا دوبارہ تھانے کے قریب نظر آئی تو تمہاری خیر

نہیں۔“ بہلول سنگھ نے اسی دن شام کے وقت کسی نہ

کسی طرح کتیا کو زہر پلا دیا اور مرنے کے لیے تھانے

سے کچھ فاصلے پر کچرے کے ڈھیر پر پھنکوا دیا۔ مجھ

سے یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا۔ میرا ڈیوٹی کا وقت ختم ہو

چکا تھا۔ میں تیز قدموں سے کچرے کے ڈھیر کی

طرف چلا گیا۔ دیکھا کہ کتیا وہاں نڈھال سی پڑی ہے

اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے۔ میرے

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک ابکائی لی اور تے کر

دی۔ یقیناً تے کے ساتھ زہر پلا مواد بھی نکل آیا ہوگا۔

مجھے اس وقت منجانے کیا سوچھی کہ میں نے آؤ دیکھا نہ

تاؤ کتیا کو اٹھایا اور ایک سیانے حکیم کے پاس لے گیا

اور اسے بتایا کہ۔

”میری پالتو کتیا ہے اس نے کوئی زہریلی چیز کھا

لی ہے۔“ حکیم نے فوراً ہی چند دوائیوں کا مرکب بنایا

اور کتیا کے حلق میں انڈیل دیا۔ اس کے بعد مجھ سے

کہا کہ۔

”بھاگ کر ڈھیر کلودودھ جلدی لے آؤ۔“ میں

قریبی دودھ دہی کی دکان سے دوسیر دودھ لے آیا اور

حکیم کے کہنے پر کتیا کو پلانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کتیا کو

کالے رنگ کی تے آئی اور کتیا کی حالت قدرے

بہتر ہو گئی۔ حکیم نے کہا۔

اگر کوئی بے چین تھا تو وہ ولی خان کی ماں تھی جو جھولی پھیلا کر اللہ سے انصاف مانگتی تھی۔ اس کے

دھکی دل سے بدو عائن نکل کر عرش سے نکل آتی تھیں۔

ولی خان کی ماں کے بعد اگر کوئی پریشان تھا تو وہ اس کی

اعلیٰ نسل کی وفادار کتیا تھی۔ وہ اس سے لاعلم تھی کہ اس

کا مالک جیل چلا گیا ہے۔ وہ ہمہ وقت تھانے کے

آگے بیٹھی رہتی۔ اُس کے خیال میں اش کا مالک

تھانے کے اندر ہی تھا۔ اس بے زبان کتیا کی متلاشی

نگاہیں ہر وقت تھانے کے اندر جھانکتی رہتیں۔ وہ بار

بار تھانے کے اندر گھسنے کی کوشش کرتی لیکن چوکیدار

سنتری اسے لٹھی مار کر بھگا دیتا۔

چند دن اسی طرح ہوتا رہا۔ اب کتیا کے ذہن

میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وردی والے لوگ اس کے

مالک کے دشمن ہیں اور انہوں نے اسے بند کر رکھا

ہے۔ اس بات کا اندازہ اس طرح ہوا کہ وہ صرف

وردی والے لوگوں پر بھوکے لگی تھی۔ اگر کوئی پولیس

والا بغیر وردی کے اس کے قریب سے گزر جاتا تو وہ

اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔ وہ ہر آتے

جاتے پولیس والے کو دکھ کر بھونکتی اور کانٹے کی کوشش

بھی کرتی۔ گجر سنگھ کی وہ خاص طور سے دشمن تھی۔ گجر

سنگھ کا کرخت چہرہ اور سخت لہجے میں بولنے کے

انداز سے کتیا نے اسے دشمن نمبر ایک جان لیا تھا۔

ایک روز گجر سنگھ تھانے میں داخل ہو رہا تھا۔ کتیا

کہیں قریب ہی تھی۔ اس نے زبردست غراہٹ کے

ساتھ جب لگایا اور اس سے پہلے کہ گجر سنگھ سنبھلتا، کتیا

نے اس کی ٹانگ میں اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیے۔

گجر سنگھ لمبلا اٹھا۔ سپاہیوں نے کتیا پر لٹھیوں کی بارش

میں یہ سوچ کر واپس آ گیا کہ خود ہی آجائے گی۔ مگر خاصے انتظار کے بعد بھی کیتا واہ۔ کئی۔ میں اپنی ڈیوٹی پر تھانے چلا گیا۔

شام کو کوارٹر آیا تو بھی کتیا کہیں نظر نہ آئی۔ پھر پوری رات بھی وہ نہ آئی۔ اگلی صبح میں تھانے پہنچا تو افراتفری سی نظر آئی۔ گجر سنگھ الگ پریشان نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ۔

”کیا معاملہ ہے.....؟“ اس نے جوخبر سنائی وہ بڑی ہی سنسنی خیز تھی۔ جاتلی والے سہنا داس کو رات کسی وقت قتل کر دیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے ٹکڑوں پر پلنے والے پریشان نظر آرہے تھے۔ مگر نگل کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً پولیس کی ٹیم تیار کی جس میں میں بھی شامل تھا اور جاتلی روانہ ہو گئے۔

جونہی ہم سہناداس کی حویلی کے نزدیک پہنچے تو
ہاں ہندو مسلمان اور سکھوں کا جھوم نظر آیا۔ سہنا
داس کا چونکہ بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اس لیے ارد گرد کے
دوسرے تھانوں کی پولیس بھی وہاں نظر آ رہی تھی۔
سہناداس کی لاش حویلی کے بڑے کمرے میں رکھی
ہوئی تھی۔ گھر نگہ نے آگے بڑھ کر لاش کے اوپر پڑی
چادر سر کا دی۔ لاش کی حالت دیکھ کر ایک بارتو میں
لرز گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے سہناداس کو کسی خونخوار دروند نے
بھیرے یا چیتے نے پھاڑ ڈالا ہے۔ یہ انسانی فعل نہیں
تھا۔

گجر سنگھ نے موقع پر جو کاروائی کرنی تھی کی اور پھر لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری ہسپتال بھجوا دیا۔ گجر سنگھ نے حویلی کے محافظوں سے بوجھ گچھ کی۔

”اب یہ بیچ جائے گی۔“ میں کیتا کو کوارٹر میں لے آیا اور حکیم کی ہدایت پر اسے دودھ میں تیسو کے پھول ابال کر پلاتا رہا..... گزرتے وقت کے ساتھ کیتا بالکل ٹھک ہونے لگی۔

ادھر روشن دین ڈیوٹی سے فارغ ہو کر کوارٹر میں آیا تو کتیا کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر تپندیدگی کی شکلیں پڑ گئیں لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ کتیا کی کوارٹر میں موجودگی سے خوش نہیں ہے۔

”تمہیں اللہ کا واسطہ ہے روشن بھائی!“ میں نے اس سے استدعا کی۔ ”اس کیتا کا ذکر تھانے میں کسی سے نہ کرنا ورنہ میرے لیے مشکل ہو جائے گی۔“ روشن دین نے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گا۔ اب میں دن رات کیتا کی خدمت کرنے لگا۔

دودھ، دوا، گوشت ہر چیز لانے لگا۔ وہ اس عرصے میں پوری طرح سے میرے ساتھ مانوس ہو گئی اور لگتا تھا کہ اب وہ ولی خان کو بھول گئی ہے۔ میں جہاں جاتا وہ میرے ساتھ جاتی۔ میرے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی۔ رات کو سردی لگتی تو میری چار پائی کے نیچے آکر سو جاتی۔ میں ایک پرانا سا کمبل اس پر ڈال دیا کرتا۔

وہ ایک اعلیٰ نسل کی کتیا تھی۔ اب اچھی خوراک اور توجہ سے وہ بڑی صحت مند ہو گئی تھی۔ لوگ اسے دور سے دیکھ کر بھی خوف کھاتے تھے۔

ایک روز صبح سویرے میں معمول کے مطابق اسے ٹہلانے کے لیے باہر لے گیا۔ واپسی پر میں ناشتہ لینے سادھورام کی بیکری میں گھس گیا اور انڈے ڈبل روٹی وغیرہ لے کر باہر نکلا تو کتیا غائب تھی۔ میں نے ادھر ادھر تلاش کیا لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آئی۔

اندورنی ملازموں سے تفتیش کی..... لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ حویلی کے محافظوں نے صرف اتنا بتایا کہ۔

”آدھی رات کے بعد انہوں نے حویلی کے اندر کسی درندے یا جانور کی خوفناک غراہٹ سنی اور اس کے ساتھ ہی سہناداس کا وادیا سنا دی۔ وہ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بھاگے۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے ایک سایہ سا حویلی کے باغ کی طرف لپکتا دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بندوقیں سیدی کرتے۔ وہ سایہ باغ کے اندر کہیں غائب ہو گیا۔ وہ سہناداس کے بیڈروم کی طرف گئے تو وہ لبولہان پڑا آخری سانس لے رہا تھا۔ درندے نے اس کا زرخہ اڈھیر کر رکھ دیا تھا۔“ گجر سنگھ نے محافظوں سے پوچھا کہ۔

”اندھیرے میں غائب ہونے والے جانور کا ہیولہ دیکھ کر کیا اندازہ لگایا کہ وہ کوئی شیر تھا یا بھیڑیے جیسا جانور تھا.....؟“ ایک محافظ نے بتایا کہ۔

”وہ شیر جیسا بالکل نہیں تھا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ کوئی بھیڑ یا پھر بڑا قندار کتا ہے۔“ گجر سنگھ نے کرید کرید باتیں پوچھیں اور پھر واپس تھانے آ گیا۔ تھانے آتے ہی گجر سنگھ نے سب کی چھٹی بند کردی اور ایک ہنگامی میٹنگ بلائی۔ اس نے بہلول سنگھ سے پوچھا کہ۔

”اس نے ڈکیتی میں پکڑے جانے والے ولی خان کی کتیا کو زہر دے دیا تھا یا نہیں.....؟“ اور ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اس نے بیڈ میز پر مار کر کہا۔

”اگر مجھ سے جھوٹ بولا تو تیرا وہ حشر کروں گا کہ تیری

آنے والی سلیس بھی یاد رکھیں گی۔“

”وائے گورو کی سونہا!“ بہلول سنگھ نے کہا۔

”میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے گھلا کھلایا تھا۔“ یہ سن کر گجر سنگھ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ لاشعوری طور پر وہ اپنی کپٹی پر انگلیاں بھی مارتا جا رہا تھا۔

”میں نے ہر زاویے سے اس کیس کا جائزہ لیا ہے۔ آخر اس نے سر اٹھا کر سب کی طرف دیکھا کر کہا۔“ میرا ذہن صرف ایک ہی طرف جاتا ہے۔ سہنا داس کو ولی خان کی کتیا نے ہلاک کیا ہے۔ مجھے شک ہی نہیں یقین ہے کہ وہ خبیث کتیا کسی نہ کسی طرح زندہ بچ گئی ہے۔“

میں اس شیطان کے دماغ کی داد دینے بغیر نہ رہ سکا۔ کم بخت نے فوراً اندازہ لگالیا تھا کہ ولی خان کی کتیا زہر بچ گئی ہے۔ یہ بات بعد کی ہے کہ سہناداس کو کتیا نے ہلاک کیا ہے یا کسی دوسرے درندے نے۔

آدھی رات کے لگ بھگ اس نے ہماری جان چھوڑی اور جانے کا حکم دیا۔ ہم سب باہر آ گئے تھے جب گجر سنگھ کی آواز گونجی۔

”روشن دین! تم ابھی میرے پاس ہی رک جاؤ۔“ یہ سن کر میرا دل ڈوب گیا۔ اب یہ راز فاش ہو جانا تھا کہ ولی خان کی کتیا کو میں نے زندہ بچالیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میری جان بھی مصیبت میں پڑ جاتی تھی۔ بہر حال میں پریشانی کے عالم کو اڑا آ گیا۔ یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ کتیا دروازے کے ساتھ لگی سخت سردی سے کانپ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لپک کر آئی اور میرے پیروں میں لوٹنے لگی۔ میں نے جلدی سے کوارٹر کا دروازہ کھولا اور کتیا کو اندر

دوسپاہیوں نے ایک رسی کتیا کے گلے میں ڈال کر باندھ لیا۔

”رستم علی کے بارے میں کیا حکم ہے حضور!“ ایک سپاہی نے چالوسی سے پوچھا۔

”اس کتیا کے یار کو بھی لے چلو۔“ گجر سنگھ نے میری طرف قہر بھری نگاہ ڈال کر کہا۔ ”اس سے بھی پوچھ گچھ کرنی ہے۔“

کتیا کے ساتھ مجھے بھی پکڑ لیا گیا اور میری خوب تذلیل کی گئی۔ تھانے پہنچے تو ایک بیٹج پر بہلول سنگھ اور روشن دین خاموش بیٹھے نظر آئے۔ گجر سنگھ اپنی کرسی پر بیٹھے ہی شروع ہو گیا۔

”یہ سب کیا دھڑا تمہارا ہے رستم علی!“ اس نے چھڑی سے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تو نے پولیس کا ملازم ہوتے ہوئے قانون شکنی کی ہے۔ اس کتیا کے ذریعے سہنا داس کو قتل کروایا ہے۔“

”میرا صرف ایک قصور ہے جناب!“ میں نے بلا خوف و خطر کہا۔ ”میں نے اس بے زبان جانور پر ترس کھا کر اسے مرنے سے بچایا۔ باقی کوئی بات میرے علم میں نہیں کہ اس بے زبان جانور نے کسی کو قتل کیا ہے یا نہیں..... ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟“

”یہ بے زبان ضرور ہے۔“ گجر سنگھ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”لیکن بے عقل نہیں ہے۔ خاص طور پر کتوں کی جس نسل سے یہ ہے وہ اپنی ذہانت کے لیے مشہور ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ ناگ کے مرنے پر ناگن انتقام لیتی ہے اسی طرح سہنا داس سے اپنے نرکتے کا انتقام لیا ہے جس کو سہنا داس نے مروا دیا تھا۔ سہنا داس اور ولی خان کا جھگڑا اس کتیا کے سامنے

لے گیا۔ میرے دماغ میں گجر سنگھ کے الفاظ گونج رہے تھے کہ سہنا داس کو ولی خان کی کتیا نے ہلاک کیا ہے۔ میں نے روشنی جلائی اور کتیا کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنے پاؤں تلے سے زمین ٹھسکتی محسوس ہوئی کہ کتیا کے منہ پر ناگوں پر اور کھال کے مختلف حصوں پر خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اس کے پنجوں کے اوپر کی کھال پر بھی خون جم کر سوکھ گیا تھا۔ اب وہ معصوم اور بھولی بھالی کتیا مجھے قاتل اور خون آشام نظر آنے لگی۔ میں نے فوراً گرم پانی سے اس کا منہ دھویا پھر پنجے بھی صاف کیے۔ میں نے چاہا کہ اسے چھت پر لے جا کر باندھ دوں لیکن وہ اس طرح قدم ہما کر کھڑی ہو گئی کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔

ٹھیک اسی وقت کو ارٹر کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی بڑی بلند آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ میرے بیٹی بھائی آپہنچے ہیں۔

”دروازہ جلدی کھول رستم علی!“ میں نے گہرا کر کتیا کو گھسیٹ کر لیٹرین میں بند کیا اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔ گجر سنگھ کسی بلائے بے درماں کی طرح اندر گھس آیا اور دھاڑا۔ ”کدھر ہے وہ تیری مشعوق کتیا؟“ اس کے پیچھے پیچھے چند سپاہی بھی آگئے۔ گجر سنگھ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ روشن دین نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کو کیا جواب دوں..... اچانک کتیا خود ہی لیٹرین سے باہر آگئی۔ سارا راز فاش ہو گیا۔

”پکڑ لو اس حرامی کتیا کو۔“ گجر سنگھ نے ایک تنگی گالی دے کر کہا۔ ”اور تھانے لے چلو۔“

ہی ہوا تھا۔“

دیتا..... دراصل اسے قاتل کتیا کے خلاف پرچہ کاٹنے کے لیے کوئی دفعہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر اس نے ایک دن میرے اور کتیا کے خلاف پرچہ کاٹ کر مجسٹریٹ کے سامنے جسمانی ریماڈن اور انکوائری کے لیے پیش کر دیا۔ مجسٹریٹ انگریز تھا۔ وہ ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت تھا۔

اس زمانے میں برٹش گورنمنٹ کا یہ قانون تھا کہ کسی باوردی سرکاری ملازم اور گرجوٹ ملزم کو ہتھکڑی نہیں لگائی جاسکتی تھی لیکن گجر سنگھ نے اس بات کا خیال نہیں رکھا۔ مجھے سرکاری ملازم اوروردی میں ہوتے ہوئے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی جبکہ کتیا کے گلے میں زنجیر پڑی ہوئی تھی۔

اس انگریز نے درخواست کا معائنہ کیا پھر صورت حال کا جائزہ لیا اور گجر سنگھ کو جھاڑ پلا دی۔ ”تمہارا دماغ ٹھکانے ہے یا نہیں.....؟“ اس نے کہا۔

”وردی میں پولیس ملازم کو ہتھکڑی لگا رکھی ہے اور قتل میں معاونت کا الزام لگایا ہے پھر خود ہی یہ بھی لکھا ہے کہ قتل کی واردات سے وقت رستم علی تھانے میں ڈیوٹی پر حاضر تھا۔ کیا رستم علی کوئی جانوروں کو سدھانے والا علم رکھتا ہے یا اس کے پاس کوئی جادو ہے.....؟“ گجر سنگھ کے سپنے چھوٹ گئے اور وہ آئی بائیں شائیں کرنے لگا..... اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ خوف اور پریشانی سے میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور رنگت اڑی ہوئی تھی۔

”گھبراؤ نہیں جوان!“ اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟“

”آپ نے تو ولی خان کے ساتھ ظلم کیا ہے۔“ میں نے دلیری سے کہا۔ ”سہنا داس کے کہنے پر اس غریب کوڈ کیتی کے جھوٹے کیس میں سزا دلوا دی۔“ ”بکواس بند کر رستم علی!“ گجر سنگھ حلق کے بل دھاڑ کر بولا۔ ”کاش! تو ہمارے منگے کا نہ ہوتا۔ تیری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اس کی ہڈیاں بوٹیاں الگ الگ کر دیتا۔“

”میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی نوکری پر۔“ میں نے کہا۔ ”تم خود پرلے درجے کے راشی زانی، شرابی اور بھتہ خور ہو۔ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، کتنا گند ہے تمہارے اندر.....!“

”تم نے اپنے سینئر آفسر سے بدتمیزی کی ہے۔“ گجر سنگھ نے مکاری سے کہا۔ ”میں تجھے اسی وقت معطل کرتا ہوں اور تیرے خلاف سہنا داس کے قتل میں معاونت کے جرم میں ایف آئی آر درج ہوگی۔ تیری ساری اکڑ نکال دوں گا۔“ اس کے بعد اس نے دو سپاہیوں سے کہا۔ ”اسے حوالات میں بند کر دو۔“ مجھے حوالات میں بند کرنے کے بعد اس نے بازار سے ایک موٹی زنجیر منگوا کر کتیا کو بھی وہیں حوالات کے ساتھ باندھ دیا۔ لگتا تھا غصے نے اس کی عقل مار دی ہے اور وہ پاگل ہو گیا ہے۔

گجر سنگھ نے میرے اور کتیا کے خلاف مقدمہ تیار کرنے کے لیے بیسوں قانونی کتابیں پڑھ ڈالیں..... پرانے اور تجربہ کار قانونی ماہرین وکیلوں اور ریٹائرڈ پولیس افسروں سے مشورے کیے..... کاغذوں کا ڈھیر اس نے لکھ لکھ کر کالا کر دیا..... بار بار لکھتا پھر پھاڑ

دل بھرا آیا اور بے اختیار آنسو بہنے لگے۔
 ”میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتا۔“
 ولی خان میرے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ ”تم نے پولیس میں ہوتے ہوئے بھی مجھے غریب اور بے آسرا بندے کی مدد کی۔ اس کا اجر تمہیں اللہ ہی دے گا۔“

”جب پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں ولی خان!“ میں نے اس سے کہا۔ ”اسی طرح پولیس کے محکمے میں ہر کوئی بے ضمیر بے حس نہیں ہوتا۔“

جب ولی خان مجھ سے رخصت ہونے لگا تو اس کی کتیا شش و پنج میں پڑ گئی کہ وہ کس کے ساتھ جائے۔ وہ ولی خان کی وفادار تھی اور میری احسان مند تھی کہ میں نے اس کی جان بچائی تھی اور اس کی خدمت کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ وہ لپک کر میری طرف بڑھی اور میرے ساتھ لاڈ پیار کرنے لگی۔ میرے قدموں میں لوٹی اور انگلیاں کرتی رہی اور پھر اپنی سرشت کے مطابق اپنی وفاداری کے مد نظر ولی خان کے ساتھ چل پڑی۔

میں یوں رنجیدہ سا کھڑا ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا جیسے میری عزیز از جان ہستی مجھ سے جدا ہو کر جا رہی ہو۔ کچھ دور جا کر کتیا نے مڑ کر میری طرف محبت پاش نظروں سے دیکھا اور منہ سے ”بف“ کی پیاری سی آواز نکالی جیسے کہہ رہی ہو خدا حافظ میرے محسن.....!

اور پھر میں بوھل دل کے ساتھ پلٹ آیا۔

☆☆☆

ماہنامہ سچی کہانی 113 اکتوبر 2014ء

میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اللہ نے مجھے ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا اور میں نے بڑی دلیری سے گجر سنگھ کی ساری کارستانیوں اور سہنا داس اور ولی خان کا قصہ گوش گزار کر دیا۔..... میں نے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ اس انگریز نے میری باتیں بڑی توجہ اور غور سے سیں۔ اس دوران وہ کبھی گجر سنگھ کی طرف دیکھتا اور کبھی اس کی درخواست کی طرف۔

اس موقع پر روشن دین نے بھی ہمت کا مظاہرہ کیا۔ وہ بھی ایک مسلمان ہونے کے ناطے گجر سنگھ کی حرام کاریوں اور گالی گلوچ سے بہت تنگ تھا۔ اس نے بھی گجر سنگھ کے خلاف دل کھول کر بھڑاس نکالی۔ اس انگریز جج نے ولی خان کے کیس کی دوبارہ غیر جانبدارانہ انکوائری کا حکم دیا اور پولیس کے اعلیٰ حکام کو لکھا کہ۔

”گجر سنگھ کی ایک درجہ تنزلی کر دی جائے۔“

مجھے اور کتیا کو رہا کر دیا گیا۔

مختصر یہ کہ غیر جانبدارانہ انکوائری کے بعد ولی خان کو بھی باعزت بری کر دیا گیا۔ جب ولی خان کو رہا کیا جانا تھا۔ میں اس کی کتیا کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ جونہی کتیا نے ولی خان کو دیکھا تو خوشی سے اس نے منہ سے ہلکی سی ”بف“ کی آواز نکالی اور ولی خان کے قدموں میں لوٹنے لگی۔ وہ اس کے پاؤں چاٹنے لگی۔ ولی خان پیار سے اس کا سر سہلانے لگا۔ اب کتیا پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑی ہو کر اس کا منہ چاٹتی اور اولہا نہ پن کا اظہار کرتی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس نے گلے مل رہی ہو۔

انسان اور جانور کی یہ محبت اور ملاپ دیکھ کر میرا

عصمت چغتائی جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ یہ ایسی ہی معاشرتی کہانیاں لکھتی ہیں جو اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ممبئی کی زبان میں ایک منفرد تحریر۔

ہمارے چار والے

عصمت چغتائی

رتی پائی اور لگا پائی دوسری تھی؟ مر گئی ہے چاری۔
ارے۔۔۔ رے بے چاری۔ زن سے میرا
ذہن پانچ خال پانچے فلان بازی کھا گیا۔
مالش کہ کبھی؟ میں نے پوچھا۔
مالش۔ رتی پائی نے آنکھ ملادی۔
سالی کو بہت منع بولا پر نہیں سنتا تم کہیں گے کوئیں
گاؤٹ پائی۔

تم کہیں گے کوئیں؟ میں نے ایک دودھ سے
رسا پوچھا
ہمارا جابو والا کوئیں کے گاؤں کا ہے۔
پانچ خال ہوئے تبت بھی تو تم نے اپنی جابو والا

نولنگ پو تھ پر بڑی بھیڑ تھی جیسے کسی فلم کا
پریمیر ہو۔ ایک لڑکی لگا تھ پانچ خال پہلی میں اس
طرح ہم نے کب لپکا کو لگا کے تھے جیسے دوٹ
دینے نہیں سستا تاج لینے جا رہے ہوں۔ چروں پر
اس کی پر چھائیں تھیں۔ کیو لپا کسی پر کبھی تو اپنی
باری آئے گی۔ پھر کیا ہے وارے نیارے۔ جھوٹ
اپنے بھروسے کے لادی ہیں۔ قسمت کی یا لگاؤ دور
ایوں کے ہاتھوں میں ہو گی۔ سارے دلور دور ہو
جائیں گے۔

اے پائی اچھی تو ہو؟ بلی ہی جاوے باندھے ٹہک
عورت نے پہلے پہلے بانٹ نکال کر میرا ہاتھ پکڑ
لیا۔
اوہو لگا پائی۔۔۔



کو دیا تھا دوٹ۔

ہاں بانیؑ پر وہ سلا کندم نکلاؑ کچھ نہیں کیا۔ رتی
بانئ نے منہ بسور کر کہا۔

اور یہ بھی تمہارا جات والا ہے۔

ہاںؑ پر یہ ایک دم فرسٹ کلاس۔ ہاںؑ بانئ
دیکھنا اپن کا کھیت چھوٹ جائے گا۔

پھر تم گاؤں جا کر دھان کوٹا کرو گی۔

ہاں بانی۔ رتی بانئ نے اپنی چندھی آنکھیں پٹ
چنائیں۔

پانچ سال ہوئے ہسپتال میں جب میری بیٹی پیدا
ہوئی تو رتی بانئ نے کہا تھا وہ اپنی جات والے کو
ووٹ دینے جا رہی ہیں۔ چوپائی پہ اس نے ان سے
ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں وعدہ کیا تھا کہ اس
کے ہاتھوں میں طاقت آتے ہی کلیا پلٹ جائے گی
دودھ کی نہریں بہنے لگیں گیؑ زندگی میں سے شہد
ٹپکنے لگے گا۔ آج پانچ سال بعدؑ رتی بانئ کی ساڑھی
پہلے سے بوسیدہ تھیؑ بالوں پر سفیدی بڑھ گئی تھیؑ
آنکھوں کی وحشت دوچند ہو گئی تھی۔ آج پھر
چوپائی پر کئے ہوئے وعدوں کا سہارا لے کر وہ اپنا
ووٹ دینے آئی تھی۔

بانئ تم اس چھٹل سے کانیکو اتنا بات کرتا۔ رتی
بانئ نے بیڑچین سرکاتے ہوئے اپنی نصیحتوں کا دفتر
کھول دیا۔

کیوں؟ کیا برائی ہے؟ میں نے بن کر پوچھا۔

ہم تمہارے کو بولا تھا وہ چھو کری ایک دم
کھراب ہے۔ سالی کی بد معاش۔ رتی بانئ کی ڈیوٹی
کتنے سے پہلے لگنا بانئ نے بھی اپنی ڈیوٹی کے

درمیان مجھے بھی رائے دی تھی کہ رتی بانئ ایک
دم لو فر ہے۔ اسپتال کی یہ دونوں آیتیں ہر وقت
کچر کچر لڑا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی جھوٹ جھاننا تک
نوبت پہنچ جاتی تھی۔ مجھے ان سے باتیں کرنے میں
بڑا مزہ آتا تھا۔

کیا وہ اس کاسن کر بھائی تھوڑی ہےؑ اس کا یار
ہے۔ اس سنگ سوتی ہے۔ گنگا بانئ نے بتایا تھا رتی
بانئ کامیاں شولہ پور کے پاس ایک گاؤں میں رہتا
ہے۔ تھوڑی سی زمین ہے۔ بس اسی سے چٹا ہوا
ہے۔ ساری فصل بیاج میں اٹھ جاتی ہے۔
تھوڑے سے روپے اور وہ گئے ہیں جو چند سالوں
میں چک جائیں گے۔ پھر وہ اپنے بال بچوں کے
پاس چلی جائے گی اور وہاں مزے سے دھان کوٹا
کرے گی۔ گھر میں مزے سے دھان کوٹنے کے
خواب دونوں ایسے دیکھا کرتی تھیں جیسے کوئی
پیرس کے خواب دیکھتا ہو۔

مگر رتی بانئ تم مٹی میں پیسہ کمانے کیوں
آگئیں؟ تمہارا میاں آجانا تو ایک بات بھی تھی۔
ارے بانئ وہ کیسے آتا؟ کھیت جو چلا جاتا۔
میرے سے کھیتی باڑی نہ ہی سنھلتی۔

اور بچوں کی دیکھ بھال کون کرتا ہے۔

ہے ایک راند میری۔ رتی بانئ نے دو چار
گالیاں نکائیں۔

دوسری شادی کر لی ہے تمہارے میاں نے؟
ایہ! سلا دو سری شادی کیا کرے گاؑ رکھ لی
ہے۔

اور جو تمہارے پیچھے مالکن بن بیٹھی تو؟

ہیں نہیں تو۔

ہاں؟ گزاردوں میں؟

ہاں، پوتا کے پاس ایک جگہ ہے اس کا بڑا بھائی
کھیتی سنھاتا ہے۔

یعنی تمہارا بڑا بھائی۔ میں نے چڑانے کو پوچھا۔
دوست۔ ”وہارا“ بھائی کا ہے کوہوتا۔ کیا بائی تم
ہمارے کو سلا چھٹا سمجھتا۔ ہم گنگا بائی سری نہیں
ہے۔ معلوم مینے میں چار دن سے جانتی کسی کے
ساتھ نہیں بنی۔ ہاں کوئی پھنسا پھنسا کرنا ہو تو اس
بداس کو مت دینا میرے کو دینا۔ ہاں۔

رتی بائی۔

ہاں بائی۔

تمہارا بھائی تم کو مارتا ہے؟

سلا گنگا بائی بولا ہوئیں گا۔ نہیں بائی جاستی
نہیں مارتا۔ کبھی کبھی پیسے لاہو مارتا۔ سو بئی لاؤ
بھی کرتا۔

لاؤ بھی کرتا ہے؟

کرتا نہیں تو۔

مگر رتی بائی تم اسے بھائی کیوں کہتی ہو کجخت
کو؟ رتی بائی ہنسنے لگیں۔

باپی ہمارے میں ایسا کچ بولتے۔

مگر رتی بائی چالیس روپیہ بگاڑ لیتی ہے تو پھر
دھنداکا ہے کو کرتی ہو؟

اس بن کیسے پورا پڑے۔ پانچ روپیہ کھولی کا
بھاڑا کے تین روپیہ لالہ کے۔

یہ لالہ کو کا ہے کے دیتی ہو؟

اکھا چالی کا عورت لوگ دیتا ہے، نہیں تو نکال

کیسے بنے گی؟ مار مار کر بھوسا نہ بھر دیں گے!
بیان نہٹ جائے پیچھے چلے جائیں گے ہم۔

معلوم ہوا رتی بائی خود اپنی پسند کی ایک
لاوارث عورت میاں اور بچوں کی خبر گیری پر چھوڑ
آئی ہیں۔ جب کھیت چھوٹ جائے گا تو پھر
گھر ہٹن بن کر دھان کوٹنے چلی جائیں گی۔
رکھیلی کا کیا ہوگا؟ اسے کوئی دوسرا میاں مل جائے
گا جس کی بیوی مجبئی میں پیسہ کمانے آئی ہوئی ہے
اور بال بچے دیکھنے والا کوئی نہیں۔

اس عورت کامیاں نہیں؟ میں نے پوچھا۔

ہے نہیں تو۔

تو وہ اس کے پاس نہیں رہتی۔

اس کے کھیت خورد برد ہو گئے۔ اس کامیاں
کسٹن مزدور ہے، مگر سال میں آٹھ مہینے چوری
چکاری کرتا ہے یا بڑے شہروں کی طرف نکل جاتا
ہے، بھیک مانگ کر دن بتا دیتا ہے۔

اور بچے؟

ہیں نہیں تو چار بچے ہیں یا تھے۔ ایک تو ممبی
میں ہی کھیل رل گیا، کچھ پتا نہیں کہاں گیا،
چھو کریاں بھاگ گئیں، چھوٹا بچہ ساتھ رہتا ہے۔
تم کتنا روپیہ گاؤں بھیجتی ہو رتی بائی؟
اکھا چالیس۔

تمہاری گزریسے ہوتی ہے پھر؟

ہمارا بھائی سنھاتا ہے۔ وہی بھائی جس کے
بارے میں گنگا بائی کہہ رہی تھیں کہ ان کا فریڈ
ہے۔

تمہارے بھائی کے پاس بچے۔

یوے۔

ارے مولا ہمارے کو کیا مارے گا۔ گنگا بانی
میرے پاؤں پر ہولے ہولے چھپاں مارنے
لگیں۔

بابلی میرے کندھے پر چڑھ کر ہاتھ مار رہی تھی
کے چارے۔ مجھ پر تو چارے چارے ہاتھ مار رہی تھی
آئی؟
آئی نہیں تو گنگا بانی نے فوراً چل پڑا تھا
مارا۔

سلاسل شہر نے مجھے اپنا بول بوم ٹھہرے گا۔ بوجھ
کھٹ کھٹ کرتی ہے۔

گنگا بانی۔

ہاں بانی۔

تم اپنے کانوں کب واپس جاؤ گی؟

گنگا کی چمکیلی سیاہ آنکھیں دور کھینچوں کی ہریالی
میں کھو گئیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور
بڑی دھیمی آواز میں بولی۔

رام کرے اس بار فصل دھڑلے کی ہو
جھاوے۔ بس بابلی پھر اپن چلا جائے گا۔ گنگے سلال
باڑھ آگئی سارا دھان کچر اہو گیا۔

گنگا بانی تمہارے گلچوں کو تمہارے دوستوں
کے بارے میں پتا ہے؟ میں نے کیرا۔

کیا بات کرنا تم بابلی۔ گنگا بانی گم سم سی ہو گئی۔
اسے کچھ جھینپ سی معلوم ہو رہی تھی۔ انہوں
نے فوراً بات پٹیں۔

بابلی تمہارے کو دو چھو کر سی ہو گیا، میٹھ گسا
کرے گا؟

کون سیٹھ؟ میں نے چکر آکر پوچھا۔

دھندلا جو کرتی ہو اس لیے؟

ہاں بابلی۔ رتی بابلی کچھ جھینپ گئیں۔

اور تمہارا بھائی کیا کرتا ہے؟

بابلی بولنے کا بت نہیں ہاں۔ دارو کا دھندلا بڑا
کھونا دھندلا ہے جو پولیس کو پیسہ نہیں بھرے
سو تری پار۔
یعنی ممبئی سے شہر در۔

ہاں بابلی۔

اسے میں نرس نے آکر رتی بابلی کو ڈانٹا۔

کیا بیٹھی باتیں مٹھاری ہے۔ چل جانمبر 10 میں
بیز پین پڑا ہے۔ رتی بابلی اپنے میلے دانت نکوستی
بھاگیں۔

آپ کیا ان ٹو فرمودوں سے گھنٹوں باتیں کیا
کرتی ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے ورنہ پھر
بلڈنگ شروع ہو جائے گی۔ نرس نے پیچی کو
پٹھوٹے سے نکال لیا اور چلی گئی۔

شام کو گنگا بانی کی ڈیوٹی تھی۔ بغیر گھنٹی بجائے
خود ہی آن دھکیں۔

بیز پین یا نکال بابلی۔

نہیں گنگا بانی بیٹھو۔

رائنڈ ششستر بوم مارے لگی۔ کیا بولتی تھی
تمہارے کو؟

کون سنسٹر؟ بولتی تھی آرام کرو۔

ششتر نہیں اور رتی بابلی۔

اچھتی تھی پوٹ لال گنگا بانی کو خوب مارا تہا ہے۔
میں نے چھیڑا۔

جولاگو ہو جاوے۔

اؤھو سمجھی۔ یعنی ہر دوسرے تیسرے مہینے نیا شفاف بدلتا رہتا ہے۔ اگر مستقل ہو جائے ایک کارگیر تو فیکٹری لاکے مطابق اسے بیماری کی چھٹی، ڈچکی کی چھٹی لینے کا حق مل جاتا ہے۔ اس لیے ہر دو مہینے کے بعد اول بدل دی جاتی ہے۔ سال میں ایک مزدور کی مشکل سے چار مہینے آسانی ہوتی ہے۔ باقی کے دن گلوں واپس لوٹ جاتی ہیں۔ جن کی اتنی حیثیت نہیں وہ دوسری سطوں کے چکر کاٹی ہیں۔ بعض سڑی گلی بھائی تزکاری کی دھیریاں لگا کر فٹ پاتھ پر بیٹھ جاتی ہیں۔ فٹ پاتھ پر اپنی اپنی جگہ کے لیے خوب گلی، گلوچ ہوتا ہے۔ بغیر الاسٹنس کے بیچتی ہیں۔ اس لیے کچھ نکلے کے سپاہی کو کھانا پڑتا ہے اس پر بھی کبھی کوئی انجانا افسر آ جاتا ہے تو بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ کچھ مسلمان جھولیوں میں سیٹ کر کرسی گلی میں شلک جاتی ہے، کچھ پکڑی جاتی ہیں اور دایلا کرتی ہیں۔ پولیس تھانہ لے جاتی ہیں۔ مطلع صاف ہوتے ہی پھر چیتھرا بچھا کر دکان سجالتی ہیں۔ کچھ اور بھی چالاک ہوتی ہیں۔ جھولی میں چار چھ ٹیو، دو چار بھٹے پکڑے بازار میں ایسے گھومتی ہیں جیسے خود خریدار ہیں، مگر پاس گزرنے والے سے چپکے سے کہتی ہیں۔

لو لو بھائی بھائیو! ایک ایک آنہ۔ ایک بکری ہو

جاتی ہے۔

ان سے تزکاری خریدنا گویا پیسے کی پڑیاں

فیدلانا ہے۔ جو ذرا کم خوش نصیب ہوتی ہیں وہ

تمہارا پتی دوسری سلاوی بنائے گا تو؟

وہ دوسرا سلاوی بنائے گا تو ہم بھی دوسرا سلاوی بنائے گا۔

تمہارے لوگ میں ایسا ہوتا؟ اسے بائی ہم سمجھا تم کوئی اونچا جات کا ہے۔

مجھے ایسا معلوم ہوا لگا لگائی، اونچا جات والا کا ملازق اڑا رہی ہیں۔ میں نے بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ لگا لگائی سمجھ جائیں مگر ان کا خیال تھا کہ دوسری لڑکی کی پیدائش پر ضرور میری شامت آئے گی۔ اگر سیٹھ میری ٹھکانی نہ کرے تو سخت تھرو کا اس سیٹھ ہے۔

اسپتال میں پڑے رہنا قید تھانی سے کچھ کم نہیں۔ دو گھنٹے شام کو نلنے جلنے والے آجاتے اگر اسپتال میں یہ دلوں نہ ہوتیں تو شاید دم ٹوٹ جاتا۔ دلوں معمولی سی رشوت لے کر ایک دوسرے کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بتایا کرتیں۔ ایک دن میں نے رتی بائی سے پوچھا۔

اسے رتی بائی تم مل میں کام کرتی تھیں، کیوں چھوڑ دیا؟

اسے بائی ملا مل میں براہ منظر تھا۔

کاتبہ کا منظر!

اسے بائی ایک تو کام ایک دم بھاری یہ بھی چلتا

پر بائی وہ مہینہ کے بعد چھٹی کر دیتے۔

کیوں؟

دوسرا بائی لوگ ورکتے۔

بھئی وہ کیوں؟

کارن۔ کہ اگر اچھا مہینہ ہو جائے تو فیکٹری لا

رتی بائی ذرا عمروالی اور پھپھسی سی تھیں۔
گنگا بائی نے ان کی خوب ٹھکانی کی۔ دوپہر کی سوچی
ہوئی ٹاک لیے بیڈ چین رکھنے آئیں تو میں نے
پوچھا۔

رتی بائی اس گندی روٹی کا کیا کرتی ہو؟
دھو کر سکھا لیتے ہیں۔ ایک دم صاف ہو جاتی
ہے۔

پھر؟
پھر روٹی والے کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔
کون لیتا ہے۔ یہ جراثیم بھری روٹی؟
میٹرس والا جو صاف لوگ کافر نیچر کا گدا بھاتا
ہے۔

اف میرے جسم پر سویاں کھڑی ہو گئیں۔
ایک دفعہ میں نے بید کے صوفے کی روٹی
دھنکوانے کو نکلوالی تو کلی سیاہ۔ تو وہ بھی زخموں کی
روٹی تھی۔ اللہ میری بچی کا گدا بھی ایسی روٹی کا
ہے میری پھول سی بچی اور یہ جراثیم کے ڈھیر
ہائے گنگا بائی، رتی بائی تمہیں خدا سمجھے۔

آج چونکہ جو آ چلا تھا۔ رتی بائی بھری بیٹھی
تھیں۔ گنگا بائی چونکہ ذرا نیستا جوان تھیں۔ رتی
بائی انہیں اپنے سے زیادہ گناہگار سمجھتی تھیں۔
کچھ دن پہلے انہوں نے رتی بائی کا خاص مستقل
گاگہ بھی توڑ لیا تھا۔ وہ تمام پیٹ جو گنگا بائی وقتاً
وقتاً ضائع کراتی رہتی تھیں، نالے میں جو جیتا
جاگتا بچہ چھوڑ آئی تھیں، جو آلمو نالی منہ پر ڈال
دینے کے بعد بھی سسکتا رہا۔ صبح نالے کے پاس
ایک خلقت جمع تھی۔ اگر رتی بائی چاہتی تو صاف

بھیک مانگنے لگتی ہیں۔ دوڑتے بھاگتے دھندا بھی
کرتی جاتی ہیں۔ اپنی دانست میں سولہ سنگھار کئے
منہ میں بیڑا دبائے یہ لوگ نیم تاریک ریلوے
اسٹیشن کے آس پاس ٹھہلا کرتی ہیں۔ گاگہ آتا
ہے، کچھ اشارے کنائے ہوتے ہیں، سودا پٹ جاتا
ہے۔ یہ گاگہ عموماً اتر دیش کے گھر چھوڑ کر
آئے ہوئے دودھ والے یا بے گھر بے در مزدور
ہوتے ہیں جن کی بیویاں گاؤں میں ہوتی ہیں، یا
ازلی کنوارے ان کا گھر باریسی گندی گلیاں اور فٹ
پاتھ ہیں۔

صبح گنگا بائی اور رتی بائی میں باقاعدہ برآمدے
میں فری اسٹاکل کشتی ٹھن گئی۔ رتی بائی نے گنگا
بائی کا جوڑا کھوسٹ ڈالا اور اس کے جواب میں گنگا
بائی نے رتی بائی کا منگل سوتر توڑ ڈالا۔ منگل سوتر،
کالی پوتھ کا باریک سا کٹھا رتی بائی کے سہاگ کی
نشانی۔ رتی بائی ایسے بھوں بھوں کر کے روئیں
جیسے انہیں بیوہ کر دیا ہو۔ لڑائی کی بنیاد رتی بائی کے
وہ کپڑے تھے جو مریضوں کے زخموں کی رطوبت
پونچھ کر پھینکے جاتے ہیں۔ یا پاؤں کے استعمال کی
روٹی۔ میونسپلٹی کا حکم ہے کہ یہ روٹی احتیاط سے
جلا دی جائے مگر معلوم ہوا رتی بائی اور گنگا بائی چپکے
سے یہ روٹی نکال کر، دھو کر، پوٹلی باندھ کر لے جایا
کرتی تھیں۔ چونکہ آج کل تعلقات کچھ زیادہ
کشیدہ تھے گنگا بائی نے ہیڈ سے شکایت کر دی۔
رتی بائی نے گالیاں دیں جو ہاتھ پائی میں تبدیل
ہو گئیں۔ دونوں نکال دی جاتیں مگر ہاتھ پاؤں
جوڑے تو ہیڈ نے بات دبا دی۔

لاٹھی کے سہارے اس کے پیٹ پر کھڑی ہو کر خبو کھوندتی ہے۔ یہاں تک کہ آپریشن ہو جاتا ہے۔ یا اسے دیوار کے سہارے کھڑا کر کے بائی پہلے اپنے سر میں خوب کنگھی کر کے کس کے جوڑہ باندھ لیتی ہے۔ پھر چلو بھر گڑا تیل سر پر ڈال کر مریضہ کے پیروں کو مینڈھے کی طرح ٹکراتی ہے۔ سخت جان محنت مزدوری کرنے والی بعض نوجوان عورتوں پر اس کا بھی کبھی کبھی کچھ اثر نہیں ہوتا تب مٹھی کی نوبت آتی ہے۔ بے دھلے گندھے میل بھرے ناخن والے ہاتھ کو تیل میں ڈبو کر جسم میں سے دھڑکتی ہوئی جان کو توڑ کر نکل لیا جاتا ہے۔

عموماً آپریشن پہلے دار میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بائی اناڑی ہو تو کبھی صرف ایک ہاتھ نوٹ کر آ جاتا ہے، کبھی گردن بچ جاتی ہے اور کبھی جسم کا وہ حصہ بھی گھسٹتا چلا آتا ہے جسے اندر ہی رہتا تھا۔ مالش سے بہت زیادہ موتیں نہیں ہوتیں۔ ہاں عموماً مریضہ مختلف امراض کا شکار ہو جاتی ہے۔ جسم جگہ جگہ سے سوج جاتا ہے۔ مستقل گھاؤ بن جاتے ہیں جو رستے رستے ہیں۔ بخار رہنے لگتا ہے۔ جان پر کھیل کر اور عموماً بائی لوگ جان پر کھیل جاتی ہیں۔ جو بچ رہتی ہیں کچھ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتیں، کچھ چند سال گھسٹ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اور رتی بائی نے کما سی سزا ہے ان بد قماش عورتوں کی۔ مرنا تو چاہیے ان کو۔

مجھے بڑے زور سے تے ہوئی اور رتی بائی، جو چٹکارے لے لے کر سنارتی تھیں، بو کھلا کر

پکڑا دیتی گنگا کو، مگر اس نے راز کو اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور گنگا بائی کا دیدہ دیکھو فٹ ہاتھ پر بیٹھی کچے پیر اور امرودی ڈھیریاں پیچتی رہی۔

رتی بائی کوئی گڑبڑ سزا ہو جاتی ہے اس دوستی میں تو تم اسپتال کیوں نہیں چلی جاتیں۔

کالے کو جالوے اسپتال؟ ہمارے میں بہت بائی لوگ ہے، ڈاکٹر کا مالک ایک دم فرسٹ کلاس۔

دوائی دیتی ہیں کوئی؟

اور کیا فرسٹ کلاس دوائی دیتی۔ مٹھی بھی چلتی ہے پن مالش ایک دم اچھی۔

یہ مٹھی لور مالش کیا بلا ہوتی ہے؟

بائی تم نہیں سمجھے گا۔

رتی بائی ذرا شرما کر ہنسنے لگیں۔ میرے ڈسٹنگ پاؤں کے ڈبے پر وہ کئی دن سے منزلدار رہی تھیں جب میرے لگاتی ذرا سا ہتھیلی پر ڈال کر اپنے کلوں پر گر گزرتیں۔ میں نے سوچا ان کا منہ کھلوانے کے لیے یہ ڈبہ کفنی ہو گا۔ میں نے ڈبہ پیش کیا تو بو کھلا گئیں۔

نہیں بائی ششمار ڈالے گی۔

نہیں مارے گی۔ میں اس سے کہہ دوں گی مجھے اس کی بو پسند نہیں۔

چہ۔۔۔ ارے کیا ایک دم فرسٹ کلاس باس بولتا ہے۔ ارے بائی تمہارا تو متک پھر ملا ہے۔

بڑے اصرار کے بعد رتی بائی نے مجھے مالش اور مٹھی کی تفصیل بتائی ابتدائی دنوں میں تو مالش کارگر ہوتی ہے۔ فرسٹ کلاس ڈاکٹر کا مالک بائی مریضہ کو زمین پر لٹا کر چھت سے ٹکاتی ہوئی رہی یا کسی

اہمیت

مشہور و مضافہ پینٹنگ مونا لیزا ۱۵۱۸ء میں پیرس کے کالج کے گھر پر چھوڑی گئی تھی اور دو سال تک اس کا سراغ نہ مل سکا۔ جیست کے بات یہ ہے کہ اس دو سال کے عرصے میں جتنے لوگ تصویر کی فالی بک کو دیکھے، وہ عجیبے سے اسے لوگ گذشتہ بارہ سال میں پینٹنگ کو دیکھنے بھی نہیں آئے تھے۔

دم توڑتے ہوئے بچے کی سسکیاں تھوڑے کی
 ضربوں کی طرح میرے دل پر پڑ رہی ہیں۔ میرے
 اعصاب پر مار کیا کا پروہ نہ ڈالو۔ رتی پائی کو پونگ
 بوتھ جانا ہے۔ نئے منظر اس کے حیات والے
 ہیں۔ اب بیابان چک جائے گا اور لنگا پائی مڑے
 سے وہاں کو لے گی۔ یہ فینڈ کی چادر میرے دماغ پر
 سے سر کا دو۔ مجھے جانے دو۔ لنگا پائی کے جیتے جیتے
 خون کے وجہ سفید چادر پر پھیلتے جا رہے ہیں۔
 مجھے جانے دو۔

میز کے سامنے بیٹھے ہوئے کلرک نما شخص نے میرے یائیں ہاتھ کی انگلی پر نیلی روشنائی کا ایک لگا یا تو تین جاگ رڑی۔

ہمارا رجاست والے کئے ڈبے میں ڈالنا ہاں۔ رقی
بابائی نے مجھے بدایت کی۔

روحانی کے جات والے کا ڈبہ ایک کچھم کچھم
 ٹھٹھکیں کر مہرے دل و دماغ سے ٹکرائیاد اور میں
 نے اپنی پرچی اس ڈبہ میں نہیں ڈالی۔

ہوئے لگے کیا یہ خدا انسان کو جہنم دینے کی اتنی
بے نیکیاں کرتا ہے؟ غنودگی میں ڈوبتے ہوئے

خون فسیل سے جو ہرے حلق میں گانے پر گئے۔ رتی
بالوں کی گھنٹی ہوئی، قلعہ ویراں میں تخیل نے رنگ
بھرا، چرخہ لالہ وی۔ کھڑکی کے پردے کا سایہ
دیواریاں پر لڑ لڑا، بدلتا تو دیکھتے دیکھتے سایہ لنگا لائی کی
مانش، فوہ خون میں لپائی ہوئی لاش کی طرح تر پنے
لگا لگا ایک ہی ناک میں لپٹا، نٹوں والا آہنی گنجدہ داغ
میں ٹٹکی، کرا کر آگے گیا ایک وار میں بھی بھی
اٹک گیا، ہوئی ہوئی گروں خون میں غلٹاں و
چھلک، یہ سواول و وطن غ نے چننا چاہا کسی کو پکارتا چاہا
مگر حلق سے آواز نہ نکلا، میں نے گھٹی کا سوچ
دیا نہ کہ کے لیے ہاتھ دھویا، مگر جنبش نہ ہوئی۔
خاک و ترش چھین میں سے دلی رہیں۔

اچھا لڑکھا تھا وہ شہنشاہ جیسے کسی مقتول کی
چھینا کر لیا گیا تو کسی شخص سے چھین کر کرے
سے آگئی تھیں چھینوں میں نے نہیں سنا میں نے
وہ وہ لڑکی نہیں سنا وہ میری زبان سے اُجھانے میں اُکل
لا لکھا

[illegible]



خوشخبری



ہمارے ڈائجسٹ و رسائل فروخت
کمرے والوں کے لیے خوشخبری



ہمارے ہاں پرانے ڈائجسٹ و رسائل اور ہر موضوع پر
نئی کتب کی تمام ورائٹی نہایت رعایتی قیمت پر دستیاب ہے

خواتین خوفناک عمران، جاموسی، سپنس، سچی کہانیاں، نئے افق، مسٹری،
ایڈونچر، کرن، شعاع، پاکیزہ، آنجل، سرگزشت، سچی کہانی، آداب عرض،
دو شیزہ، جواب عرض، ریشم، حکایت، چاند چترالی، فیشن میگ، اسٹار ایڈ اسٹائل،
لباس، فیشن، بچوں کا پرستان، بچوں کا باغ، بچوں کی دنیا، آنکھ بھولی، نو نہال،
جگنو، تعلیم و تربیت، مزیدار لطیف، مہندی کے دلفریب ڈیزائن، بچوں کی
اسلامی کہانیاں، پکوان کے حوالے سے کھانے پکانے کی خوبصورت کتب
ورسائل، چھوٹی بڑی ایس ایم ایس اور چھوٹی بڑی شاعری نیز پرانے
ڈائجسٹ و رسائل کی خرید و فروخت کے لیے ہمارے پاس تشریف لائیں۔

منصور حسن پرانے رسالوں وائے

نزد شاہ عالم مارکیٹ، نیابا بازار، ورک مارکیٹ، دکان نمبر 9 لاہور

موبائل نمبر 0333-4765899



..... انوار الحق طاہر

”سنو!“

آواز میں حلاوت بھری تھی اس نے تڑپ کر سر اٹھایا اور انہیں خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی، وہ پھر سے خوفزدہ بہنی کی طرح بھاگتی چلی گئی سفید کالن کے شلوار سوٹ میں اس کا سراپا اس بلکھی شام میں بڑا عجیب اور پر اسرار لگ رہا تھا۔ وہ اسے پکارتے ہی رہے مگر وہ درختوں میں کیسے روپوش ہو گئی، وہ چاہتے تھے کہ اس کا پیچھا کریں مگر اس وقت وہ بڑی جلدی میں تھے کیونکہ انہیں شرجلہ از جلد جا کر دو انہیں لینا تھیں اور فوراً ”شلاب“ مگر وہ ایسے پہنچنا تھا۔ جہاں انابی کی صحت کا خیال آتے ہی وہ گاڑی کی طرف تیزی سے لپکے۔

انابی کیلئے جب وہ دو انہیں لیکر واپس آئے تو اس جگہ درختوں کے جھنڈ پر ان کی نظرس تک گئیں جن پر رات سایہ کئے ہوئے تھے انہوں نے گاڑی کی رفتار مدھم کر لی۔

جانے کیوں انہیں احساس ہوا کہ وہ لڑکی ضرور اس جنگل میں ماری ماری پھر رہی ہوگی تب انہیں انابی کی بٹاری کا خیال آیا۔ تو انہوں نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

حوالی شلاب کے گیٹ ان کی آمد کے لئے کھلے تھے۔ وہ تیزی سے گاڑی کی راج میں لے گئے اور پھر طویل برآمدہ طے کر کے وہ انابی کی خواب گاہ میں آئے۔ خواب گاہ میں ٹیبل بسپ روشن تھا جس کی روشنی میں چھوٹے چچا کی ماڑہ کسی کتاب کا مطالعہ کرنے میں محو تھی۔ انہیں آنکھ کھل کر وہ کھڑی ہو گئی اسے نظر انداز کرتے ہوئے انابی کی مسری کی

شلاب ٹکر سے آنے والی اس تھا اور سنسن سڑک پر اچانک ان کی گاڑی رک ہو گئی۔ تب گاڑی ٹھیک کرتے ہوئے اچانک چلنے والی تیز ہوا میں انسانی سسکی بھی شامل ہو گئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا وہ اپنا وہم سمجھتے ہوئے پھر کام میں لگ گئے مگر پھر اسی سسکی نے انہیں بے چین کر دیا وہ سیدھے کھڑے ہو گئے اور ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ وہاں کی کرب انگیز اداسی محسوس کر کے انہیں جھر جھری سی آگئی۔

تیز ہواؤں کے سنگ زدہ سوکھے پتے اڑ رہے تھے پتوں کی اداس آہٹ اور پتوں کی پر اسرار سربراہت سے ماحول پر عجیب سی کیفیت طاری تھی شام دھندے دھندے ڈھل رہی تھی سڑک کے کنارے یہاں سے وہاں تک لمبے لمبے درختوں کے اس ذخیرے پر خزاں پوری طرح تسلط جما چکی تھی۔ درختوں کے کالے تنوں اور پتوں سے برہنہ شاخوں کے نیچے سوکھے پتوں کی چادر سی پچھی تھی جنہیں ہوا کے شوریدہ جھونکے بے چین کر رہے تھے ان درختوں کے پتوں میں ایک درخت کے پیچھے سے سفید آنچل اڑتا ہوا نظر آ رہا تھا اور اسی درخت کے پیچھے سے سکیاں بھی ابھر رہی تھیں وہ چونک اٹھے اور پھر گاڑی بند کر کے وہ اس جانب تیزی سے بڑھنے لگے درخت سے بازو اور سر نکالے وہ بری طرح رز رہی تھی، جسم شاخ کی طرح لرز رہا تھا وہ تھا اور خطرناک جگہ پر کسی لڑکی کا یوں آنسو بہانا بے معنی نہ تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1



ہوئے

طرف بڑھ گئے۔

”سب لوگ کدھر ہیں؟“

”اتالی آپ ٹھیک ہیں؟“

”کھانے کے کمرے میں“ مارہ نے کتاب کھولتے ہوئے

مارہ کی آواز خاموشی میں ابھری۔ وہ کتنی ہی دیر تک انا

بتایا۔

بی پر جھکے انہیں چپک کرتے رہے اور پھر شر سے لائی ہوئی

وہ نیم روشن راہداری طے کرتے ہوئے ڈرائنگ ہال

دو انیوں میں سے انجکشن نکال کر اتالی کو لگایا۔ یہ سب کالم

میں آگئے لمبے چوڑے ڈرائنگ ٹیبل پر گھر کے سب افراد جمع

انہوں نے نہایت خاموشی سے کیا اور پھر وہ مارہ سے مخاطب

”ہاں“ وہ آہستہ سے بولے اور پھر پوری بات بتا دی۔

تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے تمہیں اس وقت اس لڑکی کا چھپا کر چاہیے تھا مگر انائی کی وجہ سے مجھے اسے نظر انداز کرنا پڑا اور میں اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے ایک مجبور اور وہ بھی لڑکی کی مدد نہیں کی۔ لیکن تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ ابھی تک ذخیرے میں ہی ہوگی۔

”اتیل دیکھو اس ذخیرے کے آس پاس کوئی بستی یا آبادی نہیں سوائے شلاب نگر کے البتہ اگر وہ کہیں جاتی تو صرف شلاب نگر۔۔۔ مگر وہ شلاب نگر پہنچی نہیں ضرور وہ ذخیرے میں ہوگی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ مجھے پکار رہی ہو۔“

”جی۔ ہاں روایتی عاشقوں کی طرح“
ذخیرے سے کچھ دور انہوں نے گاڑی روک لی ہر سو اندھیرے کی چادری تھی۔

ذخیرے کی خوفناک خاموشی جانوروں کی آوازوں سے کچھ اور پر اسرار ہو گئی تھی مگر اندھیرا جنگل کے تمام درخت اپنے دامن میں چھپائے ہوئے تھے وہ تاریج روشن کر کے ذخیرے میں کھو گئے۔ اس دہشت انگیز ماحول میں تاریج کی مدھم مدھم روشنی بھی کاپ رہی تھی اور وہ آنکھیں پھانپھان کر ہر طرف دیکھ رہے تھے سو کھپتے پتے ان کے پیروں تلے چرچر اہٹ پیدا کر رہے تھے کافی دور وہ ادھر ادھر پھرتے رہے۔
”یار ٹام کیا ہوا ہے؟“ اتیل نے گڑبڑ کے چپکے ذائق پر نظر ڈالی۔

”سو اس سبب سے ہیں“

”ذین تہمہرے خیال میں جنگل کی اس وحشتناک اور پر اسرار خاموشی میں وہ لڑکی ابھی زندہ ہوگی اس خطرناک تھالی میں وہ دہارے خوف کے کبھی سلامت نہیں رہی ہوگی۔“
مگر اسی لمحے۔۔۔ ان کی تاریج کی سفید روشنی میں سراپا لہرا ہوا

تھے۔

”ذین میاں اماں جان کو دیکھا“

”جی ہاں اب ان کی حالت تسلی بخشی ہے بڑے ابو خطرے کی کوئی بات نہیں۔“

کھانا کھانے کے بعد وہ بندروم میں آگئے وہ اپنے ایک مریض کی فائل دیکھ رہے تھے کہ اسی جان نگین۔ انہوں نے فائل ان کے ہاتھ سے لے لی اور ٹائٹ بلب روشنی کر کے پانی تمام لائیکس گل کریوں اور شالی کندھوں پر درست کرتے ہوئے چلی گئیں۔ نرم نرم سسکتے میں منہ چھپا کر انہوں نے اپنی آنکھیں سوندھیں مگر اس لمحے ان کی بند آنکھوں میں کسی کا سفید آئین لہرا گیا۔۔۔ دلی دلی سسکیں ان کانوں میں گونج ائیں وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے کچھ دیر بالوں میں انگلیاں پھنسانے سوچتے رہے اور پھر الماری سے تاریج نیکروہ باہر نکل آئے گیزارج سے گاڑی نکل رہے تھے کہ بڑے ابو کے چھوٹے بیٹا اتیل آگئے۔

”یار کندھ رہا ہے وہ اس وقت“
انہوں نے کڑی میں جھک کر پوچھا تو ذین علی کے چہرے سے گہرا اضطراب تھک رہا تھا۔
”ذرا ذخیرے تک جا رہا ہوں۔“

”کیوں؟“ وہ حیران سے بولے
”اس وقت رات نو بجے ہاں جانے کی کیا مصیبت پڑ گئی“
اتیل بھی گاڑی کا دروازہ کھول کر ان کے برابر آگیا
ذین علی نے گاڑی آگے بڑھا دی
”بھئی کچھ پتہ بھی چلے آئے بچے کیا ذخیرے میں کسی چیز نے وقت دے رکھا ہے نہ؟“

اتیل سنجیدگی سے اتنا کنڈاق چراتا تھا
”چیزیں نے نہیں بلکہ لڑکی نے؟“ وہ ہونٹ بھیج کر

بولے

”کیا؟“

اتیل اچھل پڑے۔

”میں۔۔۔ سارا“ وہ بڑی مشکل سے بولتی۔

”کمال رہتی ہو۔۔۔؟“

”ک۔۔۔ کیں بھی نہیں۔۔۔ میرا کوئی گناہ نہیں ہے۔“

یہ کہتے ہوئے اس کی شیشی کی طرح مختلف رنگوں میں جھلکتی ہوئی تھی۔
۔۔۔ وہ نہلا گئیں۔۔۔

”تقدیر لے آئی“ وہ گھونچوں سے ہونٹ لگی۔

تب جو ملی کے گریٹ پر روروشی ایسڈ دودھ سے غسل کر رہی تھی اس نے اٹھ کر اٹھلنے لپٹنے کا سانس لیا اپنی بی بی کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہ
کو اپنے کھینک میں لے گیا جو جو ملی کی سے مل گیا تھا۔

اویلا یہ خبر پوری ہوئی تو ملی نے کچھ سیڑیوں پر بڑھ کر گلی کی لنگری کی
طرح پھیل گئی لیکن لڑکی کی زندگی کی خطرے میں تھی تو بی بی نے لاٹھیاں
پوری طرح اس کے علاقے میں جو جھٹھ لیا ابھی تک کمرے سے نکال
ایک کونے میں بیٹھے پوری کارڈ لائی لڑکی کے لیے بٹھتے۔

صبح چوہنے سے پہلے جو ملی کی کمر پر ہوا شام بابت نام نہانک
بھی یہ خبر سچی تھی تب انہوں نے بی بی کی کھلی کھلی کھانسی کا دھم دھم
صدا کیا کہ لڑکی کو بوجھ آتے ہی اس سے بچو بچو کمرے سے اس
کے دروازے تک پہنچاؤ۔ ”زین علی کا کیا لگا لڑکی کی کھانسی کی ایک
آنکھ نہ بھاتی تھی آج ہم وہ خاموشی سے غسل وقت صبا سے
چلے آئے۔“



حرف کا اجالہ لڑکی سے چھین کر پورے کمرے کے گوشے پر لٹکی کر
رہا تھا اٹھل آرام کر رہی بی بی پر یہ سب سوتھتھو اور زین علی
کھڑکی میں بیٹھے آہستہ آہستہ سگریٹ کے شیشے کے لیے بٹھتے
ابھی اٹھنے والے اور زین علی آنکھوں سے شیشے کی جھلکی سی
تھی زین کے ہمراہ اسے اس کے کھانسی کی جھلکی سے لڑکی
تھی انہوں نے گھوم کر کمرے میں دیکھا کہ زین علی نے وہ
کتنی آبی رنگداری کی تھی آج وہ گھونچوں سے بیٹھنے کے لیے
تکے پر کھڑے ہوئے تھے تو ملی لڑکی کی لنگری کی ڈکھانچہ پر بیٹھا
کے ہوئے تھیں اب وہ کھانسی سے نہ لگتی تھی لڑکی کی

تھا وہ درخت کے سہارے بیٹھ کر آج بھی یہ چہرے پر کرب ہی
کرب تھا جیسے وہ بہت بڑی تکلیف سے دوچار ہونے لگا تھا
وہ سیدھا ہاتھ دبا رہی تھی کھینک بند تھیں مگر لپٹنے پورے
تیز روشنی پر تھی وہ گھبرا کر دیکھنے لگی آنکھوں میں سرخ
سرخ ڈارے ابھرے ہوئے تھے جن میں تیز خوف کے
سامنے تھے۔

”کون؟“ وہ کھینچ کر آواز میں بولی تب زین تیزی سے آگے
بڑھے ”کھراؤ بہت“ ہم تمہاری دودھ آگے ہیں۔“

ماری کی روشنی اب زین پر پڑ رہی تھی جو اٹھلنے سے
تھام رکھی تھی شاید وہ انہیں ”بی بی“ کی بھی سب سے پہلے
جھکا ہوا تھا وہ آٹھلنے سے بولے۔

”ہاتھ کیا ہوا ہے؟“

”ناب۔۔۔ سانپ نے شاید کاٹ لیا ہے۔“ وہ تکلیف کی
شدت سے گزرا کر بولی اس کے چہرے پر اب پسینے کی
بوندیں ابھر رہی تھیں زین نے جلدی سے اس کے گلے میں
پڑا ہوا دینہ پھینکا اور اس کے گلے پر مار مار کر دھک دھک
کس کر مضبوطی سے پانڈھ دینے اور پھر جوہن میں ہاتھ ڈال
کر کسی تیز و جارحانہ حرکت سے اس کے گلے میں اپنی
جھینٹیں لٹکیں مگر کچھ نہ ملا تب زین نے لڑکی کے بازوؤں پر
سرخ کلچ کی چوڑیاں توڑ ڈالیں لڑکی کی دودھ سے جھلکی ہوئی
انھی خوب چوڑی کے گلے سے زین نے زخم اور گر لیا تھا
کافی خون آہستہ آہستہ پھیلنے لگا پھر لڑکی کو سہارا دیکر وہ گھل گئی
نماز پڑے سے باہر آئے گئے مگر تھوڑی دیر میں وہ جانے کے بعد
دہشت اور ڈر کر رہی سے کافی لڑکی لڑکھائی زین نے اسے
بازوؤں میں اٹھا لیا گاڑی کی کچھلی سے پٹے ڈال کر زین
نے جلدی سے گاڑی کو سٹارٹ کیا۔

”دیکھو اٹھل اس پر غصہ کی طاری ہو رہی ہے دیکھو انہوں
نے گاڑی کی رفتار ڈروا سکتے تو سنے اٹھل کو بولے کی لڑکی کی
بندوبست کی کھینکوں کو دیکھ کر اٹھل نے اسے باتوں میں لگا لیا۔

”سنو“ تمہارا نام کیا ہے؟“

انابی اپنی آرام گاہ میں ایک شان سے بیٹھی تھیں سفید تخت پوش پر قطار در قطار کئی گاؤں تھے جن کے سارے انابی غرارے اور جالی دار روپے میں کسی ملک کی ملکہ جیسی آن بان لئے بیٹھی تھیں۔ چاندی کلاں دان قریب ہی پڑا تھا تخت کے ساتھ کئی کرسیاں قطار میں پڑی تھیں انابی کے چہرے پر جلال ہی جلال تھا تب ہی ان کے حکم کے مطابق سارا ان کے کمرے میں داخل ہوئی بان چباتے چباتے ان کا منہ رک گیا اور ہاتھ بے اختیار تخت پر پڑے چشمے پر چلا گیا۔ چشمہ لگا کر انہوں نے سارا کو اوپر سے نیچے تک ایک گہری نظر سے دیکھا اور پھر بیان چبانے لگیں۔

”بیٹھ جاؤ“۔۔۔ سارا کو حکم ملا۔۔۔ کاپنی ٹانگوں کے ساتھ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ مگر سنو! ہم افسانہ سننے کے نہیں بلکہ حقیقت سننے کے عادی ہیں بہتر ہے اپنے بارے میں صاف صاف بتا دو ان کی آنکھوں میں حقارت ہی حقارت تھی تب وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اپنے بارے میں بتانے لگی۔۔۔

سارا جب چند ماہ کی تھی جب ہی ایک حادثے میں اس کے باپ کی آنکھیں ضائع ہو گئیں اچھی خاصی ملازمت جاتی رہی تب اس کی امی نے سلائی کر کے گھر کو چلایا کئی سال تک محنت کر کے وہ اپنے شوہر کے علاج کے لئے کچھ روپیہ جمع کر سکیں۔

شوہر کا آپریشن ہوا مگر کامیاب نہ ہو سکا انہوں نے ایک بار پھر سلائی شروع کر دی کیونکہ اب کی بار مقصد سارا کی بہترین تعلیم و تربیت تھا شوہر نے چند سال اور ساتھ دیا تا بنیادین کے روگ نے انہیں زیادہ دیر زندہ نہ چھوڑا اب وہ تھیں اور سارا۔۔۔ جو اب ہوئے ہوئے جوانی کی طرف قدم بڑھا رہی تھی ان کی محنت نے ان کو کافی کمزور بنا دیا تھا کھانسی اور سر درد نے ان کو سلائی کرنے کے قاتل بھی نہ چھوڑا تھا سارا کی حالت دیکھ کر کانپ جاتی ہی اسے میں آکر سارا کے اخراجات اور بڑھ گئے اور مکان کا کرایہ بھی تب بیگم سلمان

طرح چٹکے ہوئے تھے جن کے کونے پر دائیں طرف کلائی نمایاں تھا جس نے چہرے کے سندرہ پن کو اور زیادہ جلا بخشی ہوئی تھی چھوٹی سی اونچی ناک میں سفید کیل چمک رہی تھی۔

”میں نے کم از کم صاحب واپس آجائے“

”انبل نے ان کی آنکھوں کے آگے اپنا سفید رومال لہرایا“

اچھا یار اب تم جانو اور تمہارا مریض۔۔۔ ہم تو چلے لمبی نیند کے مزے لوٹنے، رات بھر جاگ کر اچھی خاصی طبیعت خراب ہو گئی ہے“ وہ شوخی سے بولے اور پھر چلے گئے تب ہی اس کی پلکوں نے ہلکی سی جنبش لی اس کی اٹھتی گرتی پلکیں دیکھ کر وہ اس کے قریب چلے گئے۔۔۔ سارا نے آنکھیں کھول کر اجنبی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کی نظریں ان پر نکل گئیں اور پھر اسے تمام باتیں یاد آ گئیں۔ اس کے چہرے سے دکھ اور کرب جھلکے لگا۔

”دیکھو سارا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کو اب کوئی پریشان نہیں کر سکتا“

”آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟“ اس نے سہمی سہمی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

”یہ میرا کلینک ہے اور کلینک کے ساتھ ہی ہماری حویلی ہے جس میں ڈھیروں لوگ رہتے ہیں اب آپ تنہا نہیں ہیں بہت سے لوگوں کے درمیان ہیں“ زین علی نے اسے دلاسا دیا۔

”یہ لیجئے دو اپنی لیس“ تب انہوں نے اسے سارا دیکر اٹھایا۔

جب آپ خود کو بہتر سمجھیں تو اپنی کمائی بلا خوف و خطر بیان کر دیجئے گا“ انہوں نے ہولے سے مسکرا کر کہا مگر سارا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

تب ہی حویلی کی ڈھیروں لڑکیاں کمرے میں چلی آئیں اس اجنبی لڑکی کو دیکھنے اور ملنے زین علی نے سب کا تعارف اس سے کروایا سب کو ملنے کے بعد اس کے چہرے پر سکون سا چھا گیا۔ اور ایک بار پھر وہ ہوئے ہوئے نیند کی واوی کی طرف لوٹ گئی۔

☆☆☆☆

نوٹ وقاری کی طرف بڑھادیے۔ ”مگن لو پورے دس ہزار روپے ہیں“ وہ ہنسا وقار نے نوٹ گئے اور اٹھ گیا۔ ”ٹھیک ہے مگر اس کو لے کر کہاں جاؤ گے؟“ اس نے پوچھا۔

یہاں سے بہت دور پہاڑوں میں۔۔۔ علاقہ غیر“ تو یہ میری قیمت ادا کر کے مجھے۔۔۔“ اس نے چکراتے ہوئے سر کو تھام کر سوچنا چاہا مگر اگلے ہی لمحے وہیں فرش پر چکر اکر گر پڑی۔ اسے ہوش آیا تو وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑی تھی۔ اور گاڑی کی اگلی سیٹ پر وہی ڈور لڑکے تھے اور گاڑی انتحاری راہوں کی طرف تیزی سے جاری تھی۔ وہ بے بسی سے لپٹی آنسو بہاتی رہی۔۔۔ گاڑی اچانک دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔

”یار اب تھوڑا آرام کر لیں“ ان میں سے ایک بولا ارے لڑکی کو دیکھو ابھی تک بے ہوش ہے“ کسی نے کہا۔۔۔ تب خاموشی چھا گئی۔ اس نے بہت کر کے شیشے سے باہر دیکھا وہ دونوں کچھ دور ہی درخت کے نیچے بیٹھے کچھ کھا رہے تھے۔ یہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ سڑک کے دونوں طرف درخت ہی درخت تھے۔ ہولے ہولے سہ پہر شام کے گلے مل رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو کھولا۔ قدرت مریاں تھی جو دروازہ یوں آہستہ سے کھل گیا اور اس کی کچھ آواز پیدا نہ ہوئی۔ وہ نیچے اتر آئی گاڑی کی اوٹ میں ہوتی ہوئی قریب کے درخت کے پیچھے چھپ چھپ گئی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت کے پیچھے چھپتے چھپتے وہ کلنی دور آگئی۔ اور پھر سامنے درختوں کے ذخیرے کو دیکھ کر وہ اوہری تیزی سے بھاگنے لگی جب ہی ان دونوں نے اسے دیکھ لیا مگر جب تک وہ اس تک پہنچے وہ تیزی سے درختوں کے اس جھنڈ میں گم ہو گئی وہ بھی ذخیرے تک آئے اس کو تلاش کرتے رہے مگر ایک درخت کے پیچھے کھڑی وہ انہیں نظر نہ آئی۔ اور وہ ناکام ہو کر لوٹ گئے تب شام کے لمبے ہوتے ہوئے سامنے میں اس نے زمین علی کو اپنے قریب دیکھا

کے کہنے پر وہ ان کے جنگل میں آگئیں بیگم سلمان کے کپڑوں کی وہ کتنے عرصہ سے سلامتی کرتی چلی آرہی تھیں اور اب ان کی سلامتی کے علاوہ انہوں نے ان کے گھر کا کام بھی منبھال لیا بیگم سلمان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا وقار منوں اور ماں کے بے جالاڈ پیار کی وجہ سے بہت بگڑ گیا تھا۔ سارا کو اس سے بہت زیادہ خوف محسوس ہوتا تھا کیونکہ اپنے اوپر پڑنے والی وقار کی ہر نظر اسے عجیب لگتی تھی مگر وہ مجبور تھی جب تک کہ بی اے کے بعد اسے کوئی ملازمت نہ مل جاتی وہ یہ گھر نہیں چھوڑ سکتی تھی مگر اچانک اس رات اس کی امی کی طبیعت خراب ہو گئی اور مسلسل ایک ہفتہ بیمار رہنے کے بعد وہ اسے دنیا میں بالکل تنہا چھوڑ کر انتحاری راہوں میں گم ہو گئیں جن سے پلٹ کر کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔۔۔ سارا سسکتی رہ گئی بیگم سلمان نے بہت دلاسا دیا کچھ عرصہ بعد اس کے امتحانات شروع ہونے والے تھے ماں کی جدائی کا غم کسی حد تک کم ہو گیا امتحانات کی مصروفیات میں اس روز کالج سے واپس آئی تو کھرب کوئی نہ تھا بیگم سلمان غالباً۔ تینوں لڑکیوں کے ساتھ کیں گئی ہوئی تھیں شام تک وہ تنہا گھر میں رہی رات بھی ہو گئی مگر کوئی نہ آیا تب وقار آگیا۔

”سب کہاں ہیں؟“ وہ عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا جب اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ چلا گیا رات جانے کون سا پہر تھا کہ جب دروازہ بجلا۔ اس نے اٹھ کر کھولا آنے والے نے اس کے منہ پر رمل ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ اندھیروں میں دو تپتی چلی گئی۔۔۔

☆☆☆☆

سارا کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اجنبی ماحول میں پللا۔ پرانی طرز کے بنے ہوئے اس کمرے کی کھڑکیوں کے آگے سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ جس کے پار وقار چند لڑکوں کے ساتھ بیٹھابٹیں کر رہا تھا۔ تب وہ ساری بات سمجھ گئی۔۔۔ انہی لڑکوں میں سے ایک نے دھڑوں

”کبھی۔۔۔ کریمن اسے ساتھ لے جاؤ۔“
وہ چشمہ اتارتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆☆

حویلی شاداب فرسودہ روایات کی طرح ٹھوس تھی۔
حویلی شاداب اور شاداب نگر کی ماکن بیگم شاداب اپنی
خاندانی روایات کو اکھوت لخت جگر کی طرح سینے سے لگائے
ہوئے تھی۔ اپنی انہی روایات کی بحیثیت وہ اپنی ایک بیٹی کو
چڑھا چکی تھیں۔

انجم آراء جو ان کی چھوٹی بیٹی تھی۔ شجاعت نامی
لوکے کو پسند کرنے لگی تھیں۔ شجاعت کھاتے پیتے گھبرانے کا
چشم و چراغ تھا۔ بہترین ملازمت کے باوجود اس کا پیغام مسترد
کر دیا گیا۔ انجم آراء یہ بات برداشت نہ کر سکی اور بیمار پڑ گئی
حتیٰ کہ جان کے لامے پڑ گئے۔ تب ساگو سے نکاح پڑھا کر
انہوں نے شجاعت کے ساتھ اسے رخصت کر دیا۔ اور ساتھ
ہی یہ بھی حکم دے دیا کہ وہ اب کبھی حویلی کا رخ نہ کرے اور
نہ ہی کسی قسم کا تعلق اب اس کا حویلی کے ساتھ ہے اور انجم
آراء حویلی سے ہر رشتہ، ہر تعلق، ہر رابطہ توڑ کر شجاعت کے
ساتھ چلی گئیں اور پھر جیتے جی کبھی حویلی کا رخ نہ کیا اور نہ ہی
اپنے بارے کسی قسم کی کوئی اطلاع حویلی میں دی۔ یہاں تک
کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس شہر میں جا بسی تھی۔
ہاں بہت پہلے اڑتے اڑتے انہوں نے سنا تھا کہ وہ کسی حادثے
میں ختم ہو گئی ہیں۔۔۔ انجم آراء کے علاوہ شاداب بیگم کے
تین بیٹے اور ایک بیٹی اور تھی۔ بڑے بیٹے جمیل جن کی پانچ
اولادیں تھیں عقیل، شکیل، انیل اور دو بیٹیاں بیجا اور نینا۔
عقیل شادی شدہ تھے اور چار بچے تھے دوسرے نمبر پر
چھوٹے بیٹے علی تھے زین، زید شہانہ اور فرزانہ ان کی چار
اولادیں تھیں تیسرے نمبر پر سب سے چھوٹے بیٹے اکرام تھے
جن کی دو بیٹیاں سائرہ، مارہ اور بیٹا احسن تھا زین سے مارہ کی
نسبت طے تھی، شہانہ سے زید کی انیل سے فرزانہ کی بات

مگر انہیں بھی وہ ان لڑکوں جیسا سمجھ کر خوفزدہ ہو کر بھاگ
انہی۔ اور پھر جنگل کی ڈھلتی رات میں وہ جب بہت زیادہ
خوف زدہ تھی اور سانپ کے کاٹنے کا درد برداشت کر رہی
تھی کہ زین علی دوبارہ اس کی مدد کو پہنچے۔

”ہوں“ انہی نے اس کی ساری کمائی سن کر کچھ سوچا
اور پاس کھڑی ملازمہ کو فون لانے کو کہا زین نے تیزی سے
انہی کی طرف دیکھا وہ بھی تھوڑی دیر پہلے ان کی خواب گاہ
میں آ گئے تھے۔

”تو تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے“ اور ایسی بے سارا
عورتوں کے لئے دارالامان میں جگہ ہوتی ہے۔ میں ابھی فون
کے دیتی ہوں۔۔۔ یہاں وہ لوگ آکر تمہیں لے جائیں
گے۔“ انہوں نے سارا کی طرف دیکھا جس کے چہرے برسوں
کی زردیاں پھیل رہی تھیں۔ اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ
گئیں تھیں۔

”انہی اتنی بڑی حویلی میں ایک لڑکی کے لئے جگہ
نہیں ہے کیا“ زین علی نے احتجاج کیا زین آپ خاموش
رہے۔ انہی سر اٹھا کر رب سے بولیں۔ ملازمہ نے فون تخت
پر لا کر رکھ دیا۔ انہی کچھ دیر سوچتی رہیں پھر بولیں۔

”ٹھیک ہے تم کریمن کے ساتھ والے کمرے میں
شفٹ ہو جاؤ۔ کریمن اسے اس کا کمرہ دکھا دو“ وہ کریمن کی
طرف پلٹیں۔

”مگر انہی شہو کے ساتھ والا کمرہ بالکل خالی پڑا ہے۔“
زین علی اب اس سے زیادہ ہم کوئی اور مہربانی نہیں کر
سکتے۔ وہ جھمکتے سے بولیں۔

”جائیے آپ ادھر کیا کر رہے ہیں۔“ انہوں نے تیز
نظروں سے زین کو گھورا تو وہ پاؤں جھٹکتے ہوئے چلے گئے۔

”اور تم سنو لڑکی“

وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”یہاں رہنا ہے تو اپنی حیثیت کبھی نہ بھولنا، تم نے
اونچائی کی تمنا کی تو ہم تمہیں پستی میں دھکیل دیں گے

طے تھی۔

حویلی کے لیے بے برآمدوں میں ان سب کے قہقہے گونجا کرتے تھے راہداریاں ان کے قدموں کی آہٹ سے رونق افزا تھیں۔ لائسنس میں ان کی لمبی لمبی محفلیں جما کرتیں نوکر ڈھروں کے حساب سے ان کی خدمت میں ہر وقت تیار رہتے اٹالی کی سب سے بڑی بیٹی انجم آراء شاداب نگر سے باہر بیابائی تھیں اور ان کے دولڑکے تھے۔

☆☆☆☆

حویلی کا کمرہ اعلیٰ فرنیچر اور پرانی قالینوں سے آراستہ تھا۔ محرابی دروازوں اور کھڑکیوں پر محفلیں پردے لہراتے کمروں کے بالکل سامنے اٹالی کا خاص لان تھا جس کے درمیان سنگ مرمر کی دیواروں والا تالاب تھا اور بیچ میں مچھلی کے جسم کا فوارہ تھا۔ جس کے منہ سے پانی کی بوندیں موتیوں کی طرح ہر وقت گرا کرتیں اور رات کو مچھلی کے مجسمے کی آنکھیں سرخ روشنی خارج کیا کرتیں اور یہی روشنی جب پانی کے قطروں پر پڑتی تو وہ سرخ موتی بن کر جھلکا اٹھتے۔ کمروں کے ساتھ والے لان میں پھوٹی سی سرخ پتھروں کی بارہ درری تھی جس کے پتھروں بیچ چھت سے کئی جھولے لٹک رہے تھے۔ اور دروازوں پر جالی دار باریک پردے پڑے تھے یہ لڑکیوں کے لئے تھا۔ اور دوسری طرف لان میں لڑکوں کے لئے بیڈ مٹھن کھیلنے کا انتظام تھا۔ حویلی کے پچھلی طرف نوکروں کے گھر تھے اور حویلی کے ساتھ زین علی کا کلیٹک تھا۔ اتنی خوب صورت حویلی کی مالکن شاداب بیگم بہت سخت گیر اور روایات کی شیدائی تھیں اتنی بڑی حویلی اور شاداب نگر کے علاوہ وہ بہت زیادہ زمین کی مالکن تھیں وسعت دولت نے انہیں ایک چیز فراوانی سے عطا کی وہ تھی چھوٹے اور کم حیثیت لوگوں سے شدید نفرت، اور اُسی نفرت سے سارا دودھ چار تھی۔

☆☆☆☆

سارا کریمین کے ساتھ باروچی خانے کا کام نبھانے لگی۔ اٹالی نے اسے ملازموں کے ساتھ رکھ کر اس کی حیثیت بتادی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا تازیانہ تھا۔ سارا کی اتنا اور خود داری پر زین علی چاہتے تھے کہ اس لڑکی کو بھی حویلی کی دوسری لڑکیوں کی طرح سمجھا جائے۔ سارا جیسی پڑھی لکھی سلجھی ہوئی لڑکی نوکروں کے ساتھ رہنے کے قابل نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ سارا پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دے، وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ جب وہ اس کا ذکر اٹالی سے کرتے مگر اس کا موقع عقیل بھائی نے نہ دیا۔ انہوں نے بڑے ابو سے کہہ کر سارا کو مونی اور بوٹی کو پڑھانے پر لگا دیا۔ سلمی بھابھی نے اپنے ساتھ والا کمرہ اس کے لئے سیٹ کروا دیا۔ جہاں وہ بوٹی اور مونی کو پڑھایا کریں گی۔ زین بھابھی سلمی کے اس فیصلے سے مطمئن ہو گئے۔ ”بوٹی“ زین اسے پکارتے ہوئے کمرے میں چلے آئے۔

”بوٹی آپ کی مئی کہاں ہیں؟“ وہ سارا پر ایک نظر ڈال کر بولے، گلابی شلوار اور سیاہ پھول دار قمیض میں اس کے روپ کا چاند طلوع تھا۔ وہ کتاب ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی اور اس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنے آپ کو کتاب میں گم کر لیا۔ جان بوجھ کر اس کی اس ادا کو زین پہچان گئے۔ ”فرزانہ آئی کے ساتھ بازار گئی ہیں۔“

”اور مونی۔۔۔؟“

”وہ بھی ساتھ ہی گئی ہے۔“

بوٹی نے اپنا مناسا ہاتھ اٹھا کر کہا

”بوٹی آپ کی مس آپ کو بالکل غلط پڑھاری ہیں۔“ وہ شرارت سے بولے تو سارا نے ان کی طرف گہرا کر دیکھا۔ ”کب انکل؟“ آپ نے بالکل غلط سنا ہو گا“ بوٹی چالاکی سے ہنسا۔

”بوٹی اپنے انکل سے کہئے یہ خود پڑھا دیا کریں۔“ سارا کتاب پر نظر میں جمائے ہی بوٹی۔

”ہم تو آپ کو بس اتنا کہنے آئے ہیں کہ باورچی خانے

”یہاں ہمارے صحن میں کیا کر رہی ہو؟“ وہ ڈپٹ کر پوچھنے لگی۔

”کچھ بھی نہیں جی“ وہ سہم گئی۔

”تمہیں پتہ ہے ہم نوکروں کو اس لان میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔“ وہ یوں بولیں جیسے پوری دنیا کی حاکم ہیں۔

”اپنی حیثیت مت بھولو“ وہ حقارت سے بولیں تو سارا اپنی بے عزتی پر کھول گئی۔

”بیگم صاحبہ انسان ہونے کے ناطے سب کی حیثیت ایک سی ہے مگر شاید آپ انسانوں میں سے نہیں کسی اور مخلوق سے ہیں۔“

وہ شاداب بیگم کو بہت بڑی بات کہہ گئی تھیں جذبات نے اس کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔

”سارا“ شاداب بیگم چیخیں۔

”ہم تمہیں اس لئے گوارا کر رہے ہیں کہ تم ہمارے چیتے پوتے کی وجہ سے اس حویلی میں آئی ہو۔ ورنہ اس بات کا جواب ہم تمہیں اچھی طرح سمجھاتے۔“

وہ غراہ سمیتے ہوئے چلی گئیں اور وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔ شاداب بیگم اس کی بے عزتی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتیں تھیں۔

☆☆☆☆

اگلے روز دوپہر کو زین اس کے کمرے میں چلے آئے۔

”سارا مجھے امید نہ تھی کہ آپ انابی سے بد تمیزی کریں گی۔“

زین علی ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے غصہ ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا وہ خاموشی سے سر جھکا ئے بیٹھی رہی۔

”آپ کو ان سے معافی مانگنا ہوگی۔“ وہ تڑپ گئی۔

کے کلام چھوڑ کر بولی اور مونی کو پڑھا ئے اور باقی وقت بی اے کی تیاری میں صرف کریں۔“

زین علی نے دل کی بات کہہ دی۔

”ڈاکٹر صاحب میں ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہوں۔ آپ مجھے اتنی اہمیت نہ دیں کہیں بڑی بیگم مجھ سے اس گھر کا آسرا بھی نہ چھین لیں۔“ وہ کتاب کی سطح پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی

زین کچھ دیر کھڑے اس کی جھکی، نوکیلی پلکیں دیکھتے رہے۔ اور پھر خاموشی سے چلے گئے..... گرمی کی رات اپنے آٹھل میں ڈھیروں ساری پیش سیٹھ چلی آئی۔ لو کے تھپڑے ہنرے کو جلائے دے رہے تھے زمین بارش کی بوندوں کے لئے ترس رہی تھی۔ آسمان پر گڑا سا چھا گیا تھا۔

رات کا جانے کون سا پر تھا کہ اندر کمرے میں سارا کا دم گھٹنے لگا۔ وہ دوپٹے شانوں پر ڈالتے ہوئے باہر چلی آئی، سامنے شاداب بیگم کے لان میں فوارے کی چھلی کی آنکھیں سیاہ رات کے اندھیرے میں انگورو کی طرح دھک رہی تھیں۔ جس کی پراسرار سی سرخ روشنی میں پانی کی بوندیں دائرے کی شکل میں گر رہی تھیں۔ تلاب کے ساکن پانی میں رات کی گرمی خاموشی میں بوندیں گر کر دل سوز موسیقی پیدا کر رہی تھیں۔ تلاب کی سفید منڈیر پر سارا پانی میں پاؤں ڈال کر بیٹھ گئی۔ ٹھنڈے پانی نے جب اس کے پاؤں چھوئے تو اس کو سکون سا لگایا جانے کو تھی دیر وہاں بیٹھی رہی کہ جب ہی پیچھے آہٹ ہوئی نجانے خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے گھوم کر دیکھا، رات کے اندھیرے میں انابی کا سفید غراہ اس نے دیکھ لیا۔ تیزی سے اس نے پاؤں پانی سے باہر نکال لئے اور منڈیر پر سے نیچے اتر آئی۔

”کون؟“

انابی کی بارعب آواز گونجی

”میں سارا ہوں بڑی بیگم“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں

طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ گڑبڑا گئی تب وہ جانے کو پلٹی تو
زین نے اس کا دوپٹہ تھام لیا۔

”کہہ دو جو کہنے آئی ہو“ اس کی آنکھیں میں
شرارت لپک رہی تھی۔

”وہ۔۔۔ آپ ناراض ہیں کیا؟۔۔۔“

اس کے ہونٹ پھڑپھڑائے اور چہرہ گلابی سا ہو گیا۔

”کس بات پر۔۔۔؟“ وہ انجان بن گئے۔

”میں نے معافی مانگ لی ہے۔“

اس کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا اور آنکھوں سے انجانا
سلوٹھ چمک پڑا۔

”عزت نفس بڑے لوگوں کی ہوتی ہے۔ ہم جیسے

غریب لوگ اس دولت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔“ وہ ہر

بات صاف گوئی سے کہنے کی عادی تھی۔ اس کی میٹھی

شخصیت کا صرف یہی ایک تلخ پہلو تھا۔

”اب آپ ناراض ہو گئیں۔“ وہ اس کا دوپٹہ ہوا

میں دھیرے سے لہراتے ہوئے بولے

”مجھے بھلا کیا حق ہے۔ ناراض ہونے کا“ یہ کہتے

ہوئے وہ تیزی سے پلٹ آئی۔

”سارا ہم تمہیں بہت جلد بیشہ کے لئے اپنا لیں گے۔

سب حق تمہارے ہوں گے۔“

اور یہ کہتے ہوئے زین علی حویلی کی روایات کو یکسر بھلا

بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆

بڑے ابو کی بیٹا کی شادی کے ہنگامے حویلی میں جاگ

اٹھے۔ بیٹا بڑی چھو بھوکے بیٹے نوید سے بچپن ہی سے منسوب

تھی۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی مہمان آنا شروع ہو گئے

اور پھر دیمتے ہی دیکھتے ساری حویلی مہمانوں سے بھر گئی تب

شاداب بیگم نے سارا کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے والے

کمرے میں منتقل ہو جائے کیونکہ کمرے مہمانوں کے لئے کم

”ڈاکٹر صاحب مجھے اس حویلی میں نہیں رہنا۔“

”کیوں؟“ میاں کیا تکلیف ہے آپ کو؟ زین کو اس

کا اس طرح کہنا جانے کیوں پسند نہ آیا۔

”میں اپنی عزت نفس پر لگائے جانے والے زخموں کی

تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔“

”کہاں جاؤ گی؟“

”کہیں بھی چلی جاؤں گی“

”ٹھیک ہے جب دل چاہے تمہارا چلی جانا“ ان کے

چہرے پر سایہ سالہا گیا۔

”تمہیں کوئی نہیں روکے گا“ وہ جاتے جاتے کہہ

گئے۔

اس رات وہ شاداب بیگم کی خواب گاہ میں چلی گئی

اور اپنی خود ڈاری کو پس پشت ڈال کر اس سے معاف مانگ

لی۔ جانے کیوں وہ زین علی کا کتنا تلخ نہ سکی۔ اس روز کے بعد

زین علی نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی، وہ اس سے بہت سخت

ناراض تھے یہی خیال سارا کو بے کل کئے دے رہا تھا۔ اس

شام سب لوگ کہیں گئے ہوئے تھے۔ وہ نماز کے بعد لان

میں چلی آئی۔ نیوی بیلو لان کے سوٹ میں جس پر چھوٹے

چھوٹے گلابی پھول تھے۔ وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ گلابی

دوپٹہ سر پر ڈالے وہ کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ جب ہی زین

علی آگئے مگر اسے لان میں بیٹھی دیکھ کر پلٹ گئے۔ سارا نے

اس بات کو بہت زیادہ محسوس کیا۔ مگر پھر دھیرے سے ہنس

دی۔ وہ انھی اور کچھ دیر بعد وہ زین علی کے کمرے میں تھی۔

”ڈاکٹر صاحب“ وہ سامنے لیٹے تھے۔ وہ چلتے ہوئے

ان کے قریب چلی گئی۔

”کیا بات ہے“ وہ سپاٹ لہجے میں بولے تو وہ گھبرا گئی۔

”وہ۔۔۔ وہ“ پلکیں اٹھا کر بولی مگر ان کے چہرے پر

مخفی دیکھ کر اس کی زبان رک گئی اور پلکیں لرز گئیں۔ پھر

دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر تک اس نے گھبرا کر

ان کی طرف دیکھا وہ چہرے پر نرم سی مسکراہٹ لئے اس کی

”سنو۔۔۔ سب کے ساتھ تم بھی تیار رہنا“ کچھ دیر

ہیں۔

بعد وہ بولے۔

”مگر میں نہیں چلاؤں گی۔۔۔ کام بہت ہے۔“

”پہن شبنم سے کہہ دوں گا وہ سب سنبھال لے گی“

مونی بچی کروا کر جا چکی تھی اب وہ دونوں اکیلے تھے

تب ہی سارا جو کچک بڑی۔

”چھائیں چلی۔۔۔“

”نھرو“ وہ پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی مگر اس دم بازہ

اندر آگئی اور اسے تیز نظروں سے گھورتی ہوئی زمین علی کی

طرف بڑھ گئی۔

”اٹلی کے سر میں درد ہے۔ کوئی اچھی سی دوا دے

دیں“ اس کے غصہ میں پھر پھڑپھڑاتے ہوئے ہونٹ دیکھ کر سارا

سسم گئی اور پھر جلدی سے کلینک سے نکل گئی۔

☆☆☆☆

گیٹ پر سب لوگ جمع تھے۔ لڑکیاں مندی کے تھاں

تھامے آہستہ آہستہ گاڑیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہلکی

شام میں جلتی ہوئی موسم بیتیاں بڑی ہمار دکھا رہی تھیں۔ انہی

لڑکیوں کے درمیان سارا اپنے حسن کی بجلیاں گرا رہی تھی۔

مندی رنگ کے سنہرے بارڈروائی ساڑھی میں اس کا سر پیا

سب میں نمایاں تھا۔ بالوں کی لمبی سی چوٹی اس کی کمر پر لہرا رہی

تھی۔ بلکہ میک اپ میں وہ بڑی پیارنی لگ رہی تھی۔ سب

لڑکیاں گاڑیوں میں بیٹھ گئیں۔ جب ہی ٹریفک سارا کو بلانے

آگئی۔

لرزتے قدموں کے ساتھ وہ اٹلی کے کمرے میں

داخل ہوئی انہوں نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی

”کس کی اجازت سے تم جا رہی تھیں؟ معلوم نہیں

کتنے کام کرنے والے ہیں۔“

”شبنم نے مجبور کیا تھا“ وہ ساڑھی کا ڈھل آئے والا

آنچل سنبھالتے ہوئے بولی۔

سارا سارا سارا دن باورچی خانے میں مصروف

رہتی۔ اتنا کام ہو تاکہ بال سنوارنے کا بھی وقت نہ ملتا اور پھر

مندی کی رسم کا دن آپہنچا۔

شام کو سب لوگوں نے مندی لے کر بڑی پھوپھو کے

ہاں جانا تھا۔ اس لئے دوپہر سے ہی سب جانے کی تیاریاں

کرنے لگے۔ سارا لڑکیوں کو تیاری میں مدد دے رہی تھی

کبھی کسی کی ساڑھی استری کرتی، کسی کے بال ہٹاتی، کسی کے

سینڈل صاف کرتی۔ لڑکیوں کے کمرے میں اچھا خاصا ہنگامہ

برپا تھا۔ تب ہی سلمی بھائی کی مونی بیڑھیوں سے گر گئی اور

ہاتھ پر گہری سی خراش آگئی۔

تو وہ اسے پکارتی ہوئی اُدھر آگئی۔

”سارا جی! پلیر! مونی کو پٹی کروا لاؤ“ زین کے کلینک

سے، مجھے ابھی بہت سی تیاری کرنا ہے۔۔۔“

”کلینک آج کھلا ہے“ وہ مونی کو گود میں لیتے ہوئے

حیرانی سے بولی

”ہاں کچھ ضروری مریضوں کو چیک کرنا ہے بھیا کو“

فرزانہ نگن بند کرتی ہوئی بولی زین علی مریضوں سے فارغ ہو

کر اٹھنے والے تھے کہ سارا پہنچ گئی۔

”ڈاکٹر صاحب“ انہوں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا

کاسنی میلے سے سوٹ میں اس کا گلابی رنگ کام کی کثرت کی

وجہ سے ذرد ہو رہا تھا۔ تھکی تھکی آنکھیں اور اچھے اچھے بال

ایسے میں بھی وہ انہیں بڑی سندر لگی۔ آج کتنے ہی دنوں بعد

انہوں نے اسے دیکھا تھا ورنہ وہ ہر وقت باورچی خانے میں

گھسی رہتی۔ ”مونی کے چوٹ لگ گئی ہے، پٹی کرویں۔“

وہ ان کی گہری نظروں سے گھبرا گئی۔

”اپنی حالت دیکھی ہے؟“ مونی کو پٹی رتے ہوئے

انہوں نے شکایتی انداز میں کہا

”جی۔۔۔ کام بہت ہے ناں تب، وقت نہیں

ملتا۔“

”شبانہ میری شرت استری کرویں۔“

”لایئے میں کردوں“ سارا نے ان کے ہاتھ سے

شرت لے لی۔ زین وہیں اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے۔ تب شبانہ الماری سے ایک اور غرارہ اور سوٹ نکال لائی۔

”سارا اب انکار نہ کیجئے گا یہ بالکل نیا ہے یہ بہن لیں۔“

اس نے انکار کرنا چاہا مگر زین بول پڑے۔

”رکھ دیں شیو، سارا یہی پہنے گی“ جانے ان کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ انکار نہ کر سکی بارات کے استقبال کے لئے وہ سب لڑکیوں کے درمیان کھڑی تھی سفید غرارے میں وہ ایک اٹوکھا روپ لئے ہوئے تھکی تیز میک اپ میں اس کا روپ دمک رہا تھا۔ تیز رنگ کی عتابی لپ اسٹک سے اس کے ہونٹ چمک رہے تھے۔ ہونٹوں کے قریب سیاہ قلم پر زین کی نظر ٹک کر رہ گئی۔ ماڑہ جانے اس کا یہ روپ کیوں نہ سمجھ سکی اور اتابی نے نظروں ہی نظروں میں زین کے چہرے پر آنے والا رنگ بھانپ لیا۔

”سارا۔۔“

انہوں نے اسے پکارا تو وہ قریب چلی گئی۔

”ہمارے کمرے میں آؤ“ وہ غرارہ سنبھالتی ہوئیں آگے بڑھ گئیں تب زین بھی ان کے پیچھے چل دیئے کمرے میں جا کر وہ پھٹ پڑیں۔

”تمہیں کل ہم نے منع نہیں کیا تھا“ تم اپنی سطح سے اونچا جانے کی سوچ رہی ہو، دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں‘ تقریب میں شامل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں“ تب زین پردہ اٹھا کر اندر چلے آئے اتابی نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

”اتابی، اتنا سفاک، رویہ اختیار نہ کریں ہر شخص کی عزت ہوتی ہے۔ آخر آپ اس لڑکی سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتی ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں جانے کی“

”جی اچھا وہ آہستہ سے بولی۔“

”اور یہ کپڑے بدل ڈالو، نہیں پسند ہمیں تمہارا یوں

بننا سورتا“

وہ تحقرا نا انداز میں بولیں۔۔۔ سارا جانے کو چلی

”اور سنو تم زین کے کلینک میں کیا کر رہی تھیں“

”اے ساری بات سمجھ میں آگئی۔“

”ماڑہ ہی نے بتایا ہو گا۔۔۔ مونٹی کو پئی کروانے گئی

تھی۔“

”خبردار جو تم نے آئندہ زین سے بات بھی کی“

وہ خاموشی سے باہر آگئی دروازے پر زین علی کھڑے

تھے ان پر ایک زخمی نظر ڈالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی اور

زین بھی خاموشی سے پلٹ گئے۔

☆☆☆☆

اگلے روز صبح ہی بارات کے استقبال کی تیاریاں

شروع ہو گئیں سارا شبانہ کے کمرے میں تھی اور فرزانہ شبانہ

کے کپڑے استری کر رہی تھی رات بھر اسے ٹھیک سے نیند

بھی نہ آئی تھی۔ اس لئے اب آنکھیں بوجھل اور سر بھاری

بھاری محسوس کر رہی تھی۔

”سارا اپنے لئے یہ استری کرلو“

فرزانہ نے اپنا کھالی غرارہ اور سوٹ بیڈ پر پھیلا دیا۔

”نہیں فرزانہ میں کوئی دوسرے کپڑے پہن لوں

گی۔ آپ کے دیئے ہوئے کپڑے ابھی اسی طرح پڑے

ہیں۔“

حویلی کی لڑکیوں نے اسے ڈھیروں کپڑے دے دیئے

تھے۔ جو بہت کم سارا نے استعمال کئے تھے۔ سارا ضد نہ

کریں، پہن لیں۔“

قریب کھڑی شبانہ نے بھی اصرار کیا جب ہی زین

آگئے۔

رہی تھیں۔ خیالات سے پیچھا چھڑوانے کے لئے وہ بارہ دری میں آگئی۔

باہر چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے اس برسات کی رات کو اور خوشوار بنا رہے تھے پورا چاند سرو کے درخت کے اوپر مسکرا رہا تھا۔ وہ سفید کپڑوں میں کوئی بھگی ہوئی روح لگ رہی تھی۔ وہ بارہ دری کی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی ایک جھولے پر آکر بیٹھ گئی۔ رات بالکل خاموش تھی۔ سب اپنے کمروں میں سو خواب تھے۔ بارہ دری کے دروازوں پر پڑے جالی کے پردے ہوا سے اڑ رہے تھے اور اب چاند ان جالی کے پردوں سے جھانک رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے جھولا جھولنے لگی۔۔۔ بالکل اچانک جھولے پر رکھے ہوئے ہاتھوں پر کسی کے ہاتھ آگئے اور ساتھ ہی جھولا بہت اونچا اڑ گیا وہ گھبرا کر کھٹی کھٹی سی چیخ بارہ دری میں گونج گئی تب ہی اس ہولے کو وہ پہچان گئی چاندنی میں نمایا یہ سرپا زین تھا۔ سارا ڈر گئی تھی۔

”ڈر گئی۔۔۔“ وہ اسے جھولا جھولاتے ہوئے دھیرے دھیرے بولے۔

جواب میں وہ ہنس دی بڑی دل نواز ہنسی تھی اس کی، انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بارہ دری کی سیڑھیوں میں اپنے پاس بڑی دیر تک وہ اسے آنکھوں میں سموتے رہے وہ اٹھتی کرتی پلکیں لئے شرما کر گلانی ہوتی رہی تب وہ بولے۔

”انٹلی ماں جائیں گی سارا اور پھر ہماری خوب صورت زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔“

”زین۔۔۔“ پہلی دفعہ سارا نے انہیں پکارا۔

”روایات بہت مضبوط ہوتی ہیں کسی کا وجود جب ان سے ٹکرا جائے تو پاش پاش ہو جاتا ہے۔ مگر ان روایات میں شکاف نہیں پڑتے۔۔۔۔۔ زین آئیے حقیقتوں کی باتیں کریں افسانوں کی دنیا ہوتی تو بڑی دلفریب ہے مگر چند لمحوں کے بعد اس کے رنگ ماند پڑ جاتے ہیں۔“ وہ ہاتھوں کے پالے میں چہرہ نکائے دھیرے دھیرے بولتی رہی۔ حیران انداز میں زین

”زین آپ خاموش رہئے۔“

”مگر اب میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ آپ کو اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔“

”زین آپ اس لڑکی کے سامنے ہماری بے عزتی کر رہے ہیں۔“ انٹلی کے چہرے پر جلال آ گیا۔

”انٹلی“ زین بھی سرخ ہو گئے۔

”اس بچ لڑکی سے ہم شادی کرنا چاہتے ہیں یہ ہماری پہلی اور آخری تمنا ہے۔“

”زین آپ یہ بھول رہے ہیں کہ ماڑہ آپ سے منسوب ہے۔“

”مگر مجھے ماڑہ پسند نہیں۔“

انٹلی کی پوتی کی ٹھکرایا جائے، وہ بھی ایک کم حیثیت لڑکی کے مقابلے میں، وہ کیسے برداشت کرتیں غصے میں ان کی رگیں پھڑپھڑانے لگیں مگر پھر بھی وہ ایک دم خاموش ہو گئیں اور پھر کچھ کہنے بغیر کمرے سے چلی گئیں۔

”ان کی گہری خاموشی سارا اور زین کو حیران کر گئی شاداب بیگم جیسی ہستی کا یوں خاموش ہو جانا بڑی عجیب بات تھی۔“

☆☆☆☆

بارت آئی اور چار رخصت ہو گئی گھر میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ سارا نے انٹلی کے سامنے چٹا چھوڑ دیا۔ زین سے انٹلی یونہی ملتی رہیں جیسے انہیں زین سے کسی قسم کی کوئی شکایت اور اختلاف نہیں۔ زین اسے انٹلی کی نیم رضامندی سمجھے کہ وہ ہمیشہ کی طرح ان سے ہار گئی ہیں۔ مگر یہ ان کی بھول تھی۔۔۔ شاداب بیگم ان کی ہر ضد مان سکتی تھیں مگر یہ نہیں۔۔۔۔۔

ادھر سارا ان کی اس گہری خاموشی میں بہت کچھ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس سناٹے کے پیچھے طوفان کا شور سن رہی تھی۔ اس رات بھی اس قسم کی سوچیں اسے بے کل کر

علی خاموشی سے اس کی سحریائی سنتے رہے۔

”سارا تمہارے سب خدشے غلط ہیں۔ ہم ضرور ملیں گے۔“ پھر وہ کتنی ہی دیر اسے آئندہ زندگی کے سندر بننے دکھاتے رہے۔.....!

☆☆☆☆

اثالی کے کمرے میں چائے دے کر وہ اپنے کمرے میں آکر یوں بستر پر پڑ گئی جیسے میلوں لمبی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ پورا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ رخساروں پر زردی پھیلی ہوئی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور کانوں میں گھنگھروؤں کی تیز جھنکار گونج رہی تھی اس نے گہرا کر اپنے پیروں کو دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔ یہ صرف اس کا وہم تھا۔ وہ نکلنے میں منہ دے کر بے اختیار رو دی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔۔“

وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ شام تک وہ اپنی برباد زندگی پر آنسو بہاتی رہی۔ شاداب بیگم انتقام لینے کے لئے اس قدر کمر بھی سکتی ہیں یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ آج دوپہر وہ کریمین کے ساتھ باورچی خانے میں مصروف تھی کہ جب ہی اثالی وہاں چلی آئیں اور اسے چائے اپنے کمرے میں لانے کو کہہ گئی کیونکہ ان کی بہت ہی کوئی عزیز سہیلی آئی ہوئی تھی۔ جب ہی بطور خاص وہ چائے کا حکم دینے آئی تھیں۔ ورنہ شازو ناور ہی وہ باورچی خانے کا رخ کرتیں۔ ان کے کمرے میں جب وہ گئی تو وہاں بڑی خوب صورت خاتون بیٹھی تھیں، قیمتی زیورات سے لدی اس خاتون کے سارا کو دیکھنے کا انداز بڑا عجیب تھا۔ جب تک وہ چائے بنا تی رہی وہ اس کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیتی رہی۔ سارا کو اس کا یہ انداز اچھا نہ لگا۔ جب ہی شاداب بیگم نے اسے جانے کا حکم دے دیا۔

یہ تو وہ سمجھ گئی تھی کہ کمرے میں اس خاتون کے سامنے کسی خاص مقصد کے لئے اسے بلایا گیا ہے جب ہی اس کے قدم کمرے کے باہر رک گئے۔ اس کے جاتے ہی خاتون بے مہری سے بول پڑی۔

”بیگم صاحبہ لڑکی خوب صورت ہے مجھے بہت پسند آئی ہے۔“

”نیلیم بانی اس کی یہی خوب صورتی تو ہمارے پوتے کو دیوانہ کر گئی ہے۔ اس نے ہماری پوتی کو ٹھکرانے پر مجبور کر دیا ہے اُسے“ ہمارے پوتے نے اس کی وجہ سے ہماری بے عزتی کی ہے۔ ہم بھی اس سچ لڑکی کے دامن میں رسوائیاں بھر دیں گے۔ یہی ہمارا انتقام ہے۔ گھنگھروؤں کی جھنکار اب اس کا مقدر ہو گئی۔“

قیمت کیا یاد آکر اس کو ہر ٹیاب کی ”نیلیم بانی کی آواز مدہم ہو گئی تھی۔

”اس کی یہی قیمت ہے کہ اس کا سایہ تم ہمارے خاندان سے ہمیشہ کے لئے ہٹاؤ۔“

”پھر کب لے جاؤں میں اسے“

”کل رات اسے اس کے کمرے سے اغوا کرو الینا یہ اس طرح اس حویلی کا چچا چھوڑے گی اور میں پوری حویلی میں مشغور کر دوں گی کہ سارا بھاگ گئی ہے۔“ شاداب بیگم کی آواز پر اسرار ہو گئی۔

”بیگم صاحبہ ہمارا اصول پیسہ دے کر مال لینا ہے۔ یہ پچاس ہزار پیسلے رکھ لیں اب سارا میرے کاروبار کی جان ہے۔ آپ کا اب اس پر کوئی حق نہیں۔ میں کل رات اپنی جان بانی کو اٹھوا لوں گی۔“

اس سے آگے سننے کو کیا رہ گیا وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر بھاگ آئی۔ اس نے پردہ اٹھا کر باہر دیکھا رات مکمل طور پر اپنا تسلط جما چکی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے بیٹا کے بیاہ پر پسینی چوڑیاں اتارنے لگی۔۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں برسات اتر آئی۔ اس نے الماری سے سفید غرارہ نکال کر بستر پر بچھا دیا۔

”ڈاکٹر صاحب یاد ہے میں نے کہا تھا کہ حقیقتوں سے کھلیا جائے تو وہ غصہ ناک ہو جاتی ہیں اب تک روایات ہی انسانوں کو کھاتی آئی ہیں۔۔۔ کوئی تو ہو۔۔۔ جو ان روایات کو کچل ڈالے، ورنہ یہ سب کچھ کچل ڈالیں گی۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے روایات کی کڑی زنجیریں میرے چاروں طرف حصار کئے ہوئے ہیں۔ ان کا حصار اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ میرا دم گھٹ جانے کو ہے۔ اس اونچ نیچ کی تفریق کو کوئی تو مٹا دے“ وہ زین علی کے کندھے سے لگ کر سسک پڑی۔

”سارا۔۔۔ کیا بات ہے کیا تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟“

”نہیں۔۔۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔۔۔“ اس نے جلدی سے آنسو صاف کر لئے۔

”اچھا چھوڑو یہ ناقابل فہم اور ہلکی ہلکی باتیں دیکھو یہ ننگن کب سے میرے پاس ہیں، تمہیں کچھ پتہ نہیں“

”مجھے معلوم تھا آپ ہی کے پاس ہیں۔“

”یہ اس رات میں نے تمہارے بازو پر پٹی کرتے ہوئے اتار لئے تھے۔ ان کی وجہ سے ہی پٹی نہیں ہو سکتی تھی۔ لاؤ پٹنا دوں۔“

اس نے بازو ان کی طرف بڑھا دیا۔

”بڑے خوب صورت ننگن ہیں۔“

”یہ میری امی کو میری ثانی نے پہنائے تھے۔ انہوں نے مجھے مرتے وقت دیئے تھے۔ اس پر میری امی کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔“

”اچھا۔۔۔ میں نے دیکھا نہیں“ وہ اس کے ہاتھ سلاتے ہوئے بولے

”اچھا اب جاؤ۔۔۔ کتنی رات ہو گئی ہے۔۔۔ سونا نہیں“

”اب تو سونا ہی ہے۔۔۔“

اس کے لمبے میں عجیب سی بے بسی تھی وہ اٹھی اور

اس کے قدم ہولے ہولے اٹھ رہے تھے۔ حویلی پر مکمل سناٹا چھا گیا تھا۔ سب لوگ غالباً ”سو گئے تھے۔ پچیسکی سی چاندنی میں چلتی ہوئی زین کے کمرے میں آگئی زین نے دیکھا۔ سارا سفید غرارے میں شترادلوں کی آن بان لئے ان کے کمرے میں کھڑی ہے۔ وہ جو لینے ہوئے ننگنوں سے کھیل رہے تھے۔ چونک کر اٹھ بیٹھے۔

سارا اپنے چہرہ پر سلوکی مسکراہٹ سجائے ان کے قریب چلی آئی۔ زین علی اس رات کی جج دھج سے بڑے حیران ہوئے۔

”ڈاکٹر صاحب۔۔۔ آپ بارہ دری میں چلیں۔“

آج کی رات بہت خوب صورت ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساحر زدہ انسان کی طرح چلتے ہوئے بارہ دری میں آگئے۔ وہ بیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں طرف خاموشی تھی، جب ہی سارا اس خاموشی سے گھبرا گئی۔

”کچھ بولیں ڈاکٹر صاحب“

زین ہولے سے مسکرا دیئے۔

”تمہیں یہ بارہ دری بہت پسند ہے“ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے پوچھنے لگے۔

”ہاں بہت اچھی لگتی ہے پر سکون جگہ تو ہے، ہم نے عہد و بیان کئے تھے ناں“

وہ بڑی غصہری ہوئی آواز میں بول رہی تھی۔

”ڈاکٹر صاحب اگر میں میراؤں تو وعدہ کریں مجھے اس جگہ اس بارہ دری میں دفن کریں گے۔“

اس کی آواز میں نمی تھل گئی اور زین علی کو اس کی اس بات پر جھرجھری سی آگئی۔

”سارا کیسے لمبے میں بات کر رہی ہو، کیسی ہلکی ہلکی باتیں کر رہی ہو تم“

وہ اسے جھنجھوڑ کر بولے تب وہ ہنس دی اور آنکھیں

”ان ننگنوں سے اس لڑکی کا تعلق۔۔۔؟“

”اماں بی اس کی شکل انجم تارا سے کس قدر ملتی

ہے۔“ بڑے ابو بولے۔

”ہاں پہلے میں بھی اسے دیکھ کر چونک پڑی تھی“ ان کی آواز کانپ گئی۔ سب حیران اور پریشان ہو گئے تب ہی زین نے خط پڑھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر صاحب! اسلام خ۔

میں سوچتی ہوں آپ نے مجھے اس جنگل میں مرنے دیا ہوتا تو آج مجھے خود اپنے ہاتھوں اس طرح زندگی ختم نہ کرنا پڑتی۔ مجھ جیسی لڑکی کو آپ نے حویلی کی عزت بنانا چاہا تو بڑی بیگم یہ برداشت نہ کر پائیں” محفل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند کسی نے پسند کیا ہے؟ ہم جیسوں کے پاس تو بس عزت کی دولت ہی ہوتی ہے۔ جب میں نے اس عزت کی طرف لیٹروں کے ٹپاک ہاتھ بڑھتے دیکھے تو اس کو بچانے کے لئے صرف ایک ہی راہ ملی وہ تھی موت کی راہ۔۔۔

میں خود کشی پر کیوں مجبور ہوئی۔۔۔ تو سنئے! بڑی بیگم نے مجھے پچاس ہزار روپے میں نیلم بائی کے ہاتھ آج دوپہر فروخت کر دیا تھا اور کل رات اس کے لوگ مجھے اٹھا کر لے جانے والے تھے اس کو میری خوش نصیبی سمجھئے کہ میں نے ان کا سارا پروگرام سن لیا۔۔۔ اس طرح وہ اپنی پوتی کی راہ ہموار کرنا چاہتی تھیں اور ساتھ ہی مجھ سے انتقام بھی لینا چاہتی تھیں۔

لیجئے بیگم صاحبہ میں جاری ہوں اب آپ کو کوئی پریشان نہیں کرے گا۔ مجھے موت تو گوارہ ہے مگر مرہائیاں نہیں۔

ڈاکٹر صاحب میرے پاس صرف دو ننگن ہی تھے جنہیں چھوڑے جا رہی ہوں جو میری ماں کی بٹانی ہیں۔ انہیں ماڑہ کو رونمائی میں دیتے گا۔ اور مجھے معاف کر دیں کہ میں عہد بھانہ سکی۔ میرے ہاتھوں میں بڑی چوڑیاں ہی مجھے موت کے بازوؤں میں لے جائیں گی۔

☆☆☆☆

اگلی صبح کھانے کے کمرے میں سب لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔ جب ہی شاداب بیگم بولی

”کریمین۔۔۔ سارا نظر نہیں آ رہی وہ ابھی تک اٹھی نہیں“

کریمین چائے کی ٹرے رکھنے کے بعد اس کے کمرے کی طرف چلی گئی کہ دیکھوں کہیں طبیعت خراب تو نہیں اس کی۔۔۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ بدحواس سی بھاگتی چلی آئی۔

”بڑی بیگم صاحبہ وہ تو چلی گئی“ کریمین کی آنکھوں سے برسات برس رہی تھی۔

”کیا۔۔۔؟“ سب کے منہ سے ایک دم نکلا۔

”ہم نے کہا تھا تاں کہ ایسی لڑکیوں کا کیا اعتبار“ شاداب بیگم بولیں زین تیزی سے اٹھے اور اس کے کمرے میں آ گئے ان کے پیچھے حویلی کے سب لوگ تھے وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے سارا کے بستر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جہاں سفید کرن لگے دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ ایک طرف ڈھلا ہوا تھا۔ خون کی موٹی سی دھاری اس کے مردہ ہونٹوں سے نکل کر تکتے کو سرخ کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی پرسکون اور فتح مند مسکراہٹ تھی۔ سفید کپڑوں میں اس کا حوروں کی طرح مقدس جسم ساکن پڑا تھا۔ لڑکیوں کی چیخ کمرے میں گونج گئی۔

زین علی اس کی مصری کی پٹی پکڑے حیران حیران نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

”اٹابی۔۔۔ یہ خط اور ننگن“ زین نے سب کو متوجہ کر دیا۔

ننگن دیکھ کر اٹابی یوں چونک پڑیں جیسے سوتے میں جاگ جائیں۔

”یہ ننگن تو انجم آراء کے ہیں۔۔۔“ یہ انکشاف

”انجانی راہوں کی مسافر“

کبھی افسردہ لمحوں میں
کبھی تمنائی کی تیرہ شبوں میں
تم کو مایوسی ستائے گی
تو ہم ہی یاد آئیں گے.....

خزاں موسم میں جب سرسپہری وحشی ہوائیں
ذروتوں کو اڑائیں گی
تو ہم ہی یاد آئیں گے.....

بجائے ہم تمہارے واسطے بار مسلسل ہیں
تمہاری پرسکون زندگی میں ایک بالچل ہیں
ہماری ہی وجہ سے تم پہ ہے مشق ستم جاری
عجب سی کشمکش میں ہو
عجب سا خوف ہے طاری
ہماری ہی وجہ سے تم کو
ان سب۔۔۔ ان گنت

لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں
 سبھی باتیں بجا اپنی جگہ ہوں گی
 مگر جان تمنا دیکھ لینا
 جب گزر جائیں گے یہ لمحے
 ہر شے دکلاشی اپنی
 تمہارے واسطے کھودے گی
 تو تم ہی.....

لیکن ہم.....

وہاں ہوں گے جہاں سے لوٹ کر کوئی مسافر آ نہیں سکتا

تب شاداب بیگم تر چیں

”سارا میری بجی“ وہ اس کے مردہ جسم سے لپٹ گئیں۔ پچھلوے کی آگ کے شعلے انیس حصار میں لیلے گئے ہر شخص کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ وہ قریب آکر یوں دوڑ چلی گئی تھی۔ مگر کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ وہ اپنی ہوتی ہوئی بھی اپنی رہی۔



بارہ درہ کی چھت کے نیچے سارا الہی نیند سو رہی تھی۔ اس کی قبر پر دو دیئے روشن تھے ایک دیا تموڑی دیر پہلے شہاب بیگم جلا کر گئی تھیں اور دو سرازین علی نے جلایا تھا۔ رات بالکل تنہا اور خاموش تھی حویلی پر موت کا سا طاعون تھا۔ سرد ہوا کے جھوکے کی سرسراہٹ کچھ کہہ رہی تھی۔ بارہ درہ کی دروازے سے لگے زین علی چونک چونک جاتے پورا جاغندی او اس تھا۔۔۔۔۔

سارا کی موت نے حویلی کے ہنگاموں کو سرد کر دیا تھا۔
 زین علی بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ ساری ساری رات وہ
 سارا کی قبر پر گزار دیتے۔ سب ہی ان کی حالت دیکھ کر بے
 کل ہو جاتے۔

ہوا پھر زور سے چلی۔۔۔ اس کی سرسراہٹ نے پھر
سرگوشی کی سارا۔۔۔ س۔۔۔ ماما۔۔۔ زین نے
پاگوں کی طرح گھوم کر چاروں طرف دیکھا مگر ہوا کی سر
سراہٹ نہ کر کھڑے ہو جاتا تھا۔



(محمد انوار الحق طاہر، لاہور)

(یہاں بھائی غلام دستگیر طاہر کے نام)

انچارج۔ عائشہ حبیب

عائشہ کے ٹوٹکے

اس عنوان کے تحت ہمیں ”گھریلو ٹوٹکے“ ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کر دیں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کروا سکتی ہیں۔

کھڑے عائشہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ گچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

شملہ مرچ

شملہ مرچ پیٹ کی خفیہ بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ کینسر کے خلیات و ٹیومر کو آکسیجن کی بھرپور فراہمی روک دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے خلیات مردہ ہو جاتے ہیں۔ شملہ مرچ خلیات و ٹیومر کو آکسیجن کی فراہمی بحال رکھتی ہے۔

شملہ مرچ کا استعمال ہارٹ ایکٹ سے تحفظ بخشتا ہے۔ اس کا ذیلی استعمال قبض کی پرالہم کو دور کر دیتا ہے۔

سلاکس مشین میں ڈال کر چلائیں ڈیل روٹی سلاکس مصالحے کی خوشبو اور چکنائی کو جذب کر لے گا۔ چائے کا قہر موس اگر کافی عرصے استعمال نہ ہو تو اس میں ناگوار بو پیدا ہو جاتی ہے اس کے لیے ہمیشہ قہر موس کا ڈھکن یا تو کھلا رکھیں یا اگر بند رکھنا ضروری ہے تو اس میں تھوڑی سی چینی ڈال کر رکھیں ناگوار بو نہیں آئے گی۔ چھریوں کو زنگ آلود ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے ان پر وقافو قفا گلیسرین یا مشین کا تیل لگائیں اور استعمال سے پہلے دھولیں۔

☆ شاز یہ انصاری۔ سلاوالی ضلع سرگودھا

آئینہ، لیمپ بلب کو چمکانیں

شیشے کی آرائشی اشیاء آئینے یا لیمپ بلب کو چمکانے کے لیے کپڑے کے چھوٹے ٹکڑے کو اسپرٹ میں بھگو کر ان اشیاء پر لگائیں پھر اخبار کی مدد سے صاف کر لیں۔ آپ کی پرانی اشیاء صاف شفاف ہو کر چمکنے لگیں گی۔

☆ مہوش۔ لاہور

☆☆

☆ آسٹرز ندھاوا۔ کراچی

کچن کے لیے آزمودہ ٹوٹکے

کچن میں کام کرتے ہوئے مختلف Tips پر عمل درآمد کر کے بہترین نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں مثلاً فرائنگ پین کو صاف کرنے کے لیے اس میں لیموں کی چھال اور نمک تھوڑے سے پانی میں شامل کر کے ابالیں اور چوبیس سے اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس محلول سے اسٹینج کی مدد سے پین کو اچھی طرح صاف کر لیں۔ چوپریا منسر کو صاف کرنے کے لیے بریڈ کا

پیغامات

کوین ماہ اکتوبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو "ماہنامہ گچی کہانی لاہور" کے ذریعے سے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ گچی کہانی لاہور کے متعلق آپ ہمیں اپنی آرا بھی دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ اس ماہ کا کوین کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کو پین نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 سے زیادہ لائن پر مشتمل نہ ہو۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی لازمی روانہ کریں۔

کچھ انچاسرچ پیغامات..... ماہنامہ گچی کہانی، 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

شمع فروزاں

ہے جہاں جگہ جگہ درد کے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ دل کے درد کی دوا صرف مخلص اور کلوز فرینڈ ہے جو بہت مہربان ہو۔ تنہائی کے عذاب اور بوریٹ سے بچنے کے لیے "گچی دوستی" اشد ضروری ہے۔ میرا پیغام امن اور محبت ہے۔

دوستی سمندر ہے، دوستی کنارہ ہے
دوستی ہی دنیا میں جینے کا سہارا ہے
☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0300-6242575 عجمرات

☆☆☆

پیغام مہتاب چنا کے نام

سرینائی اولڈ لکشین آواز کی مالک مہتاب چنا صاحبہ!
آپ ہماری پسندیدہ گلوکارہ ہیں۔ آپ کے گیت کانوں میں رس گھولتے ہیں اور دل جھوم اٹھتا ہے۔
میرے پاس وہ الفاظ نہیں جس سے آپ کی آواز کی تعریف کر سکوں۔ عرصہ ہوا آپ کی دلکش آواز کو سننے

زندگی اور استاد بہت کچھ سکھاتے ہیں..... فرق صرف اتنا ہے کہ استاد سبق دے کر امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے..... دنیا میں سب سے اچھا تحفہ "وقت" ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر آپ کسی کو

اپنا وقت دیتے ہو تو آپ اسے اپنی زندگی کا وہ ہل دیتے ہو جو کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ وقت کی قدر اس کے گزر جانے کے بعد ہوتی ہے۔ جو قومیں وقت کی قدر نہیں کرتی وقت انہیں تباہ و برباد، زلیل و خوار اور محتاج بنا دیتا ہے۔ وقت بہت بے رحم اور ظالم ہے..... پیارے دوستو! ہمیں وقت کی بے رحمی سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

قابلیت اور کردار زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قابلیت آپ کو بلندی تک پہنچاتی ہے جبکہ کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔ "زندگی" ایک میلی چادر

10867 حیدر GPO ناتھ ناظم آباد کراچی
موبائل نمبر 0300-2253370

☆☆☆

پروانے کی پکار

حسن دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔
عاشق لوگ ہمیشہ دماغ سے نہیں بلکہ ہر چیز کو ”دل“
کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عشق جانی بربادی اور فنا
ہونے کا نام ہے لیکن اگر سچائی کا جذبہ زندہ ہو تو اس
بربادی میں روحانی مسرت ملتی ہے۔ محبت دراصل 2
ذہنوں اور دماغوں کے ملاپ کا نام ہے یعنی محبت اور
دوستی کے لیے ذہنی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ محبت
ایک بلا وجہ ذہنی تکلیف اور دل کے درد کا نام ہے۔
ہاتھ میں جگنو نہیں، کوئی ستارہ کب تھا
چمک بس دور کی تھی، کوئی ہمارا کب تھا
اس کے کانٹوں سے ہوئی اور زہنی چھلنی میری
وہ اک گھنا پیڑ تھا، ہمارا سہارا کب تھا
سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ انسان جس سے
محبت کرتا ہے۔ وہ وفا نہیں کرتا۔ محبت میں ناکام اکثر
لوگ آپ کو شرابی پاگل اور شاعر بنے نظر آئیں گے۔
پیار تو صرف پیار ہے اور جب یہ ہو جاتا ہے تو کچھ
نہیں دیکھتا۔ جس سے پیار کیا جائے ضروری نہیں کہ
وہ بھی پیار کا جواب پیار میں دے۔

اتنی سی داستان ہے فقط حسن و عشق کی
تو ”شع“ بن گئی تو میں پروانہ بن گیا.....!

☆ محسن بشیر، موبائل نمبر 0300-6242575 سبھرت

☆☆☆

ہوئے..... دعا ہے کہ آپ جہاں بھی ہوں خوش و خرم
ہوں۔ آپ ہمیشہ اپنی شریں آواز کا جادو جگاتی رہیں
اور ہم آپ کی آواز سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری
معرفت زکریا شمس اولڈ بکسٹر انک لوہاری گیٹ ملتان

☆☆☆

آج کی محبت رو رہی ہے.....!

میرا نام دیے تو سچی بات ہے کہ آج کل میں
گمنا ہوں۔ لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں میرا نام محبت۔
میں رہتی ہوں ماں کی ممتا میں باپ کی دعا میں بہن
اور بھائی کے درمیان دوستوں کے درمیان اور ازل
سے رہتی ہوں اور دونوں کے درمیان..... چاہے وہ
دل ہیرا بنجھا کا ہو یا سسی پنوں کا۔ لیکن افسوس میرا
راج سب کے دلوں پر پہلے تھا۔ اب میرا راج برائے
نام ہی رہ گیا ہے۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری
سلطنت لٹ چکی ہے میرے سب ساتھی کمزور ہو چکے
ہیں اور جانتے ہیں کہ مجھے لوٹنے اور میرے ساتھیوں
کو کمزور کرنے والے کون ہے؟ کوئی اور نہیں میری
دشمن نفرت اور اس کے ساتھ حسد غیبت بے وفائی
بے ایمانی، امن تمام نے مل کر نفرت کو مضبوط بنا دیا
ہے۔ ہائے میں بے چاری محبت ختم ہو رہی ہوں۔
خدایا! مجھے بچاؤ میرے ساتھیوں کو (مسادات اخوت
ایمانداری) کی حوصلہ افزائی کرو۔ ان کو حوصلہ دوان کو
تسل دو۔ ورنہ میں ختم ہو جاؤں گی ہمیشہ ہمیشہ کے
لیے۔

☆ ایس۔ ایبتاز احمد۔ پوسٹ بکس نمبر

تو آپ اگر مناسب سمجھیں کوئی آسان مہم
سا انداز اپنائیں کسی کو احساس تک نہ ہو ایسا جیسا
مثلاً سیاست دانوں کا سا رویہ کہو بہت کچھ اور پھر بھی
کچھ نہ کہو

کام کی بات کوئی نہ ہو۔ کوئی گرفتار نہ کر سکے۔ آپ مزاج میں نرمی پیدا کریں اس میں ہی عافیت ہے عقل مند اور ذہین تو آپ بہت ہیں بس کبھی کبھی مزاج میں حاکمیت اتر آتی ہے۔ تو میں سوچتا رہ جاتا ہوں۔

تو ابھی صرف آپ کو تعلیم کی طرف زیادہ
دھیان دینا چاہیے اور اس میں تھوڑا سا وقت نکال کر
آپ اپنی زندگی کے ارتقا پر غور کریں۔

صبح سے دل چاہ رہا تھا آپ سے سرگوشیاں کرنے کو مگر یہ بے لگام وقت ٹھہرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا بڑی مشکل سے فرصت ملی تو میں پین اور پیڈ سنبھال کے بیٹھ گیا جیسے ہی میں نے تصور میں آپ سے پوچھا کیا لکھوں تو آپ میرے کان میں کانا پھوی کر کے مسکرانے لگی۔

تو ہم بھی پین اور پینڈ ڈرنک نیبل پر رکھ کر مسکرانے لگے۔

(محمد سعید۔۔۔۔۔اوکاڑہ)



سچی کہانی کے قارئین کے نام

میں ان دوستوں سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ جو
مخلص ہوں۔ میں تنہائی میں اکثر خود سے باتیں کرتا
ہوں..... میں چاہتا ہوں کہ کوئی میرا بھی اچھا دوست
سا ہو..... جو ہر دکھ درد میں میرا شریک ہو..... نہ
جانے کیوں دل مرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اس زندگی
میں تنہا رہنا بڑا مشکل ہے اچھے اور وفادار دوستوں کی
تلاش ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ کوئی عمر بھر ساتھ
بھانے والا دوست ہو جو دوستی کو سمجھے..... دوستی ایک
باکیزہ رشتہ ہے قارئین رابطہ کریں۔

☆ ملک علی رضا، P-1590 ٹارکالونی، فیصل آباد

موبائل نمبر 0300-8664070

0333-4170986

☆☆☆

۱۰ ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے۔
جس کی عمر 12 سے 15 سال ہو۔ مجھے فون یا SMS
کرے۔

☆ اسٹیدموبائل نمبر 0044-7922838325
لندن

☆☆☆

اے کے نام

میرے مشرق کا خوب صورت حسین امتحان
(اے) لیکن ہر شب میں چاند سے مت الجھا کریں۔
مجھے خوف آتا ہے اور نکمشاں میں چلے ہونٹ کانٹ
کرستاروں سے تلخ سرگوشیاں نہ کیا کرس میں بریلان

ماہنامہ سچی کہانی ۱۱ ستمبر ۱۴۴ھ اکتوبر ۲۰۱۴ء

عزیز قارئین!

سلام خلاص! آپ کا اپنا خادم انسانیت سید راحت علی شاہ (روحانی سکالر) آپ کے کالم روحانی دنیا کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور ہدیہ سلام پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ پاک آپ کو اپنی امان میں رکھے (آمین)

ناکامیاں آپ کا مقدر ہیں۔۔۔؟ نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ تو اس قدر مایوسی کیوں؟
ناکامیاں نا اتفاقیوں گردش حالات تمام گھریلو کاروباری پریشانیاں تمام الجھنیں تمام رکاوٹیں خاوند کا نامناسب رویہ دشمنوں حاسدوں کا خوف اولاد کا نہ ہونا معذور پیدا ہونا بندش شادی بندش رشتہ ناطہ تعویذات جادو ٹونہ کالا علم کے برے اثرات کی وجہ سے بربادی تمام روحانی جسمانی اور آسمانی بیماریاں مرگی ڈپریشن نرینہ اولاد کے لئے رابطہ کریں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج میں اپنی ذات کے حوالے سے مطمئن ہوں کہ کبھی خواتین و حضرات اپنی زندگی خوشگوار مثالی اور پرسکون طریقے سے گزار رہے ہیں یہ علم حق کی سچائی کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی منزلوں پر کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں اور بارگاہ الہی میں میرے جیسے حقیر کے لئے دعائیں کرتے ہیں تاکہ میں دکھی لوگوں کے مزید کام آسکوں ہم بھی مخلوق خدا قارئین ہمارا نامہ سچی کہانی کی خدمت کے لئے **0300-6483614** (24 گھنٹے موجود رہتے ہیں) تاکہ آپ ہم سے رابطہ کر کے فیض یاب ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے آپ نے حصول مقصد کے لئے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہو یہ بھی حقیقت ہے کہ الجھنوں پریشانیوں میں گھیرا ہوا انسان وقتی طور پر اس قابل نہیں رہتا کہ وہ راہ نجات خود ہی تلاش کر سکے لہذا آپ ہماری خدمات حاصل کریں دنیا کے قدیم اور پراسرار علوم کے ذریعہ آپ کی مکمل راہنمائی کریں گے۔ انشاء اللہ آپ کامیاب ہوں گے۔
تمام قارئین کرام سے امید واثق ہے کہ آپ کا تعاون اسی طرح جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ خدمت انسانی عین عبادت ہے

شاہین چوک جی ٹی روڈ گجرات پاکستان
سید راحت علی شاہ 0300-6483614

☆ آسیب میری جان نہیں چھوڑتا تھا ☆

﴿رقیہ خانم﴾ اسلام آباد ﴿﴾

سوال = مجھ پر آسیب کا اثر تھا گھر والوں نے بہت سے سیانوں، عاملوں سے رابطہ کیا مگر آسیب نے میری جان نہ چھوڑی اور نہ ہی آسیب میری شادی ہونے دیتا تھا..... آسیبی اثرات نے میری زندگی تباہ کر دی تھی۔ ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھی۔ میں ذہنی مریضہ بن کر رہ گئی تھی۔ میری والدہ نے ”ماہنامہ بچی کہانی“

پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے میرے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ان کی بدولت مجھے آسیب سے نجات ملی میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی بہنوں اور بھائیوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی رقیہ خانم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ پر جو آسیب کے اثرات تھے ان کا خاتمہ ہوا۔ آپ نارمل زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ آسیب آپ کی شادی میں زبردست رکاوٹ بنا ہوا تھا مگر اب

آپ کی شادی ہو رہی ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ حالات بگڑ رہے ہیں ☆

﴿محمد عارف﴾ لیہ ﴿﴾

سوال = ہم دن رات محنت کرتے ہیں کہ کسی طرح حالات برقرار رہیں مگر جوں جوں کوشش کرتے ہیں۔ حالات مزید بگڑ جاتے ہیں گھریلو اور کاروباری حالات ابتر ہو چکے ہیں۔ بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد ”313 مرتبہ واللہ سمیع علیم“ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 34) پڑھیں اوّل و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

﴿بے گھر، تنگ دستی، قرض تلے دبے مجبور بہن، بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون

کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ شوہر نے مجھے اپنے پاس بلا لیا ہے ☆

☆ روجی سہیل فرانس (FRANCE) ☆

سوال = میرے خاوند عرصہ آٹھ سال سے غیر دن ملک فرانس میں تھے ان آٹھ سالوں میں نہ تو وہ واپس آئے اور نہ ہی مجھے اپنے پاس بلایا۔ عزیز رشتہ دار عجیب و غریب باتیں کرتے تھے۔

ان سے صرف فون پر بات ہوتی تھی بہت پریشانی تھی میں نے کسی عزیزہ کے کہنے پر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے بہت محنت اور خلوص سے تمام عملیات جو کہ بہت مشکل تھے خود کیے..... جن کی بدولت آج میں اپنے شوہر کے پاس فرانس میں ہوں اور میں بہت خوش و خرم زندگی بسر کر رہی ہوں میں تو آپ کو دن رات دعاؤں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دھمی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی روجی سہیل صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا شوہراہ راست پر آ گیا ہے اور آپ کو اپنے پاس فرانس بلا لیا ہے جہاں آپ بہترین اور خوشگوار زندگی بسر کر رہی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں عطا فرمائے اور آپ سدا

آباد و شاد رہیں (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکر ماندا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ میری بیٹی بے اولاد تھی ☆

☆ کلثوم بیگم..... نواب شاہ (سندھ) ☆
سوال = میری بیٹی کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے تھے مگر ہماری بیٹی بے اولاد تھی اسی وجہ سے آئے روز جھگڑے ہوتے تھے۔ سرالٰی طعنہ دیتے تھے۔ ہم والدین ہیں ہم سے اپنی بیٹی کی بے بسی نہیں دیکھی جاتی تھی۔ ایک دن میں نے ”ماہنامہ سچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور ہمدردی سے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو میں نہیں کر سکتی تھی۔ ان کی بدولت آج ہماری بیٹی صاحبہ اولاد ہے اور ہماری بیٹی اب سرالٰی میں سب کی آنکھ کا تارا بنی ہوئی ہے خدا گواہ ہے کہ میں تو دن رات آپ کو دعاؤں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دھمی ماؤں، بہنوں کو مشورہ دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے

☆ اولاد (خاص کر اولاد زینہ) کے لیے پریشان بہن، بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون، ملائے اور آزمائے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی..... ☆

تمام عملیات جو کہ بہت ہی مشکل تھے وہ انھوں نے خود کیے..... ان کی بدولت آج وہی ساس' ننیں مجھ پر مہربان ہیں اور اب ہر کام میں مجھ سے مشورہ لیتی ہیں۔ اب شوہر بھی ہمارا خیال رکھتے ہیں اب گھر میں مجھے ہر طرح کا سکون ہے۔ میں دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنی جیسی مجبور اور بے بس بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی صدف شہزادی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا گھر ایک مثالی گھر بن گیا ہے۔ آپ کی ساس' ننیں اور شوہر آپ کا ہر طرح سے خیال رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ میری تمام اولاد نافرمان تھی ☆
 ☆ غلام رسول ☆
 سوال = میری بچیاں اور بچے سب نافرمان تھے

حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆
 جواب = بیٹی کلثوم بیگم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی بیٹی شادی کے آٹھ سال بعد صاحب اولاد ہوئی۔ اب تمام سسرالی اسے پیار کرتے ہیں اب آپ کی بیٹی سسرال میں بہت خوش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کی اور سب کی بیٹیوں کا گھر آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ سسرالیوں نے جینا حرام کر رکھا تھا ☆
 ☆ صدف شہزادی ☆ کوٹلی (AK) ☆
 سوال = شوہر بہت پریشان کرتے تھے۔ ساس' ننوں نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔ یہ میرے شوہر کو پٹی پڑھا کر مجھے شوہر سے مروانی تھیں۔ آئے روز کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ذلیل و رسوا کرتے رہتے تھے۔ زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دن ”ماہنامہ سچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے وہ

☆ اولاد (خاص کر اولادِ زینہ) کے لیے پریشان بہن' بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائے اور آزمائے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی ☆

ایم اے زہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب
اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد
رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔
انشاء اللہ تعالیٰ.....☆

☆ گھر میں اتفاق نہیں ہے ☆

☆ حامد محمود ☆ نارووال ☆

سوال = میرے گھر میں اتفاق نہیں ہے گھر کے تمام
افراد اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں۔ ایک دوسرے
کی بے عزتی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں ان کو سمجھا
سمجھا کر تنگ آچکا ہوں۔ آپ سے التماس
ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے
آپ تمام اہل خانہ پابندی نماز کریں اور ہر
نماز کے بعد درود شریف بکثرت سے پڑھیں
اس کے بعد ”100 مرتبہ انھم بکبسون
کبدا واکبدا کبدا“ پڑھ کر اس کے تکیوں
پر پھونک مار دیں۔ مدت عمل 40 روز ہے۔
خیال رہے کہ ایک دوسرے کا تکیہ استعمال نہ
کریں ☆

☆ ساس مجھے چغل خور اور فتنہ کہتی تھی ☆

☆ نرگس ☆ راولپنڈی ☆

سوال = میری ساس مجھے پورے خاندان میں چغل
خور اور فتنہ کے نام سے مشہور کرتی تھی۔ میری
ساس ہر کسی سے مجھے فتنہ کی جڑ کہتی تھی۔ میری

ہماری بے عزتی کرتے تھے۔ صرف اپنی بات
منواتے تھے دوسرے کی نہیں سنتے تھے اسی وجہ
سے میری بچیوں کے رشتے بھی نہیں ہو رہے
تھے۔ ہم پورے خاندان میں بدنام اور ذلیل
ہو رہے تھے۔ میں نے ”ماہنامہ سچی کہانی“
پڑھ آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے
رابطہ کیا انھوں نے پوری لگن اور محنت سے وہ
تمام عملیات خود کیے..... جو میں نہیں کر سکتا تھا
اور ان عملیات کی بدولت اب میری ایک بیٹی
کی شادی طے ہو گئی ہے۔ سب بچیاں اور
بچے فرمانبردار ہو گئے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا
ہے کہ میرے گھر میں کوئی طوفان تھا جواب تھم
گیا ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا
ہوں اور اپنے جیسے بہن بھائیوں کو مشورہ دیتا
چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل
کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں
جس کی رحمت سے آپ کی اولاد راہ راست پر
آگئی ہے اور آپ کی ایک بیٹی کی شادی طے
ہو گئی ہے اسی طرح دوسری بچیوں اور بچوں کی
شادی بھی طے ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ اور آپ کی اولاد کو
عقل سلیم عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس
ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور
نفل شکر ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب

اگر طلاق کا مسئلہ ہے تو فوراً حل ہوگا۔ بہن بھائیوں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر
موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی ☆

رہیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔
انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ بچیوں کی شادی پر بندش تھی ☆

کراچی فاطمہ النساء
سوال = میری بچیوں کی شادی نہیں ہو رہی تھی بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں۔ میری فحاش کی نیند اور دن کا چین ختم ہو چکا تھا کوئی بیل سکون نہیں تھا۔ ایک دن ”ماہنامہ بچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ مشکل تھے۔ جو میں نہیں کر سکتی تھی خود کیے..... جن کی بدولت میری ایک بیٹی کی شادی ہو گئی ہے اور دوسری بیٹی کی نسبت طے ہو گئی ہے میں تو پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔ خدا گواہ ہے میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دہی پریشان بہنوں کو مشورہ دیتا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

ساس نے مجھے کہیں کا نہیں رہنے دیا تھا۔ ہر برائی میرے نام لگا کر مجھے بدنام کرتی تھی۔ میری ساس نے مجھے زندہ درگور کر دیا تھا۔ میں بہت تنگ آ چکی تھی۔ ایک دن ”ماہنامہ بچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹی سمجھتے ہوئے میرے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو کہ میں نہ کر سکتی تھی۔ ان عملیات کی بدولت میری ساس راہ راست پر آ گئی ہے۔ اب میری ساس میری تعریفیں کرتی ہوئی نہیں تھکتی۔ اب میں بہت خوش ہوں اور میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی بہنوں کو مشورہ دیتا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی نرگس بیگم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ساس راہ راست پر آ گئی اور اب آپ کی برائیاں نہیں کرتی۔ بلکہ آپ کی تعریف کرتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا سلامت اور سدا خوش رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکر ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب امیم اے زائد صاحب جناب امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد

جواب = محترم بیٹی فاطمہ النساء صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ایک بیٹی کی شادی ہو گئی ہے اور دوسری بیٹی کی نسبت طے ہو گئی ہے ان پر جو ”بندش شادی“ تھی اس کا خاتمہ ہوا۔ دعا

اولاد کی نافرمانی سے معاشرہ میں اچا اور محبوب بنیں نہیں میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آ رہا ہے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی ☆

اسمائِ الحسنیٰ

کامیابی کا راستہ

کیا آپ بے اولاد ہیں اولاد ہو کر مر جاتی ہے یا معذور پیدا ہوتی ہے یا صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ رابطہ کریں۔ ہم دنیا کے قدیم پراسرار علوم کے ذریعہ سے آپ کی مکمل راہنمائی کریں گے۔ خالق کائنات آپ کو ضرور نیک اور صالح فرزند عطا فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ.....☆

ہے کہ اللہ پاک! سب کی بیٹیوں کو اپنے گھر میں سدا سکھی رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ.....☆

☆ نحوست ہی نحوست ہے ☆

عبدالستار: سہیلو! سوال = ہمارے گھر میں نحوست چھائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے گھر میں اختلافات، تنگدستی، پریشانی اور بیماری کا غلبہ ہے۔ اس نحوست کی وجہ سے ہر فرد ایک دوسرے سے لڑتا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟ جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد ”31 مرتبہ واللہ غفور رحیم“ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 13) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاندی 3 تاریخ سے لے کر 23 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ کالے علم جادو ٹونہ نے برباد کر دیا تھا ☆
محمد حسین: ملتان سوال = ہر چیز آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ صحت کاروبار رشتہ داری غرضیکہ ہر چیز ہمارا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ہم بالکل اکیلے اور تنہا کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ میں نے ”ماہنامہ سچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص محنت سے ہمارے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ جن کی بدولت ہماری جان جادو ٹونہ کالے علم کے اثرات سے چھوٹ گئی ہے۔ اب ہم نارمل اور بہترین زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئے

کالے علم جادو ٹونہ اور آسیب کے اثرات کی وجہ سے بے بس کی زندگی بسر کرنے والے بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ.....☆

ماں اور بہن کہتی تھی اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے میری نہیں سنتے تھے۔ حالانکہ میرے شوہر پہلے بہتر تھے۔ میں جو کہتی تھی اس کا الٹ کرتے تھے۔ میری ساس اور میری نندیں مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ میں جتنی طور پر مفلوج ہو چکی تھی۔ میں نے ”ماہنامہ سچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے بیٹھی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو میں نہیں کر سکتی تھی جن کی بدولت میرا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب میرے شوہر ماں اور بہنوں کی باتوں میں نہیں آتے۔ اب مجھے جتنی سکون ہے اور میرے شوہر اب ہم سب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میں آپ کو دعاؤں دیتی ہوں۔ اب میں آپ کی دعاؤں سے بہترین اور مثالی زندگی بسر کر رہی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی کو شریا امین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا ٹوٹا ہوا گھر دوبارہ مثالی گھر بن گیا ہے اب آپ کا شوہر بچوں اور آپ کا بہت خیال رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ دونوں کو ہمیشہ کے لیے شاد و آباد رکھے (آمین) آپ

ہیں۔ اب صحت کاروبار بھی ٹھیک ہو رہا ہے اور تمام رشتے دار بھی ہمیں ملنے لگے ہیں۔ میں تو آپ کو دن رات دعا میں دیتا ہوں اور میں اپنے جیسے دکھی بہن بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم محمد حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ پر کیے گئے جادو ٹوٹنے کا لے علم کے گندے اور برے اثرات کا خاتمہ ہوا۔ آپ اب نارمل زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئے۔ آپ سب کے سب صحت مند ہو رہے ہیں۔ کاروبار بار بھی ٹھیک ہو رہا ہے اور رشتے دار بھی ملنے لگے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو بہترین اور مثالی زندگی عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں ☆

☆ کوثر یا امین ☆ رااولپنڈی ☆
سوال = میرے شوہر کانوں کے کچے تھے جو کچھ ان کی

بے گھر، تنگدستی، قرض تلے دبے مجبور بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایبٹ آباد کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آرمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ

اور گھر کا انھیں کوئی خیال نہیں تھا ہر وقت باہر گندی عورتوں کے ساتھ پھرتے رہتے تھے۔

ذہنی طور پر میں بہت پریشان تھی۔ میں نے ”ماہنامہ گچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو کہ میرے لیے کرنا بہت مشکل تھے۔ جن کی بدولت میرے شوہر راہ راست پر آ گئے اور انھیں تمام گندی عورتوں سے نجات مل گئی ہے۔ اب میرا شوہر گھر کا اور ہمارا دھیان رکھتا ہے۔ میں اب ایک بہترین زندگی بسر کر رہی ہوں۔ میں اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی فوزیہ رانی صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا شوہر راہ راست پر آیا اور تمام گندی عورتوں سے چھٹکارا ملا۔ اب آپ کا شوہر سب کا بڑا دھیان رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ کام میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ ہے ☆
خورشید احمد..... گوجرہ
سوال = میں بہت محنت کرتا ہوں۔ مگر میرا کوئی بھی کام صحیح وقت پر نہیں ہوتا ہر کام میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ آ جاتی ہے اور لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ بہت پریشانی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد ”21 مرتبہ سورۃ اخلاص“ پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 7 تاریخ سے لے کر 27 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ میرا شوہر بد کردار تھا ☆

☆ فوزیہ رانی..... سرگودھا
سوال = میرے شوہر کے غیر عورتوں سے تعلقات تھے شوہر کا اچھا بھلا کاروبار تھا۔ سب کچھ ان عورتوں پر لٹا دیتے تھے۔ ہر وقت موبائل پر ان عورتوں سے باتیں کرتے رہتے تھے۔

سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

☆ عجیب و غریب الجھن ہے ☆

☆ امجد پرویز ☆ ساہیوال ☆
سوال = نہ تو میں کسی سے بات کر سکتا ہوں اور نہ کسی سے ہاتھ ملا سکتا ہوں۔ جب میں کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو گھبرا جاتا ہوں۔ میں نے بہت علاج کروایا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ سفید کپڑے کا صدقہ دیں، ساتھ اچھی کتب کا مطالعہ بھی شروع کریں اور پابندی نماز کریں ہر روز قرآن پاک کی تلاوت ضرور کیا کریں ہر نماز کے بعد ”99 مرتبہ واللہ فشفور رحیم“ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31) پڑھیں اوّل و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں۔ مدت عمل صرف 31 روز ہے ☆

☆ گھریلو اختلاف، بیماری ☆

☆ خالد محمود ☆ نارووال ☆
سوال = ہمارے گھر پر نحوست کے سائے ہیں۔ جس

☆ میرے چار بچے فوت ہو گئے تھے ☆
☆ آسیہ خاتون ☆ گجرات ☆
سوال = میری شادی کو نو سال ہو چکے تھے ان نو سالوں کے دوران میرے ہاں چار بیٹے پیدا ہوئے تھے اور چاروں ہی فوت ہو گئے تھے۔ میں ذہنی طور پر بہت ہی زیادہ پریشان تھی کیونکہ میری ساس اور سر میرے خاوند کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ میں نے آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے میرے لیے بہت محنت اور خلوص کے ساتھ تمام عملیات خود کیے..... جن کی بدولت آج میری گود میں بیٹا ہے۔ اب میرا خاوند میرے سسرالی سب کے سب مجھ سے اور میرے بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور میں اپنے جیسی دکنی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“ سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی آسیہ رانی صلیہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کو خوبصورت صحت مند بیٹا عطا ہوا۔ بچوں کا بار بار مرنا بہت خطرناک مرض ہوتا ہے اس مرض سے آپ کو نجات ملی۔ اللہ پاک! نے آپ کو ہیرا (بیٹا) عطا کیا ہے دعا کہ اللہ پاک! آپ کو اپنے گھر میں سدا آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب

خصوصی اعلان

بیرون ممالک میں بھی آپ کی خدمت
بیرون ممالک خصوصاً شارجہ، ابوظہبی، یورب،
سعودی عرب امریکہ وغیرہ کے لوگ ایک فون
کال پر اپنا مسئلہ گانٹی سے حل کروائیں۔
☆ وطن سے دور ہم وطن بہن بھائیوں کی خدمت ☆

اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے ”آپ“
سے رابطہ کریں ☆

جواب = محترم محمد سلیمان صاحب! میں اس ذات باری
کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے
آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوا اور آپ کے
کاروبار پر جو کالے علم کے اثرات تھے ان کا
خاتمہ ہوا۔ آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا ہے
دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں
نصیب فرمائے (آمین) آپ سے التماس
ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور
نفل شکر ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب
ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب
اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعائیں میں یاد
رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔
انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

آپ کا اپنا ☆ خیر و انصاف نیت
(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ
شاہین چک جی ٹی روڈ، گجرات
(0300-6493614)

☆☆

کی وجہ ہے گھر بیلو اختلاف، تنگدستی اور بیماری
کا غلبہ ہے اس نحوست کی وجہ سے ہر وقت
لڑائی رہتی ہے آپ سے التماس ہے کہ آپ
کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے
آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد ”313
مرتبہ واللہ غفور رحیم“ (سورۃ آل عمران
آیت نمبر 31) پڑھیں اوّل و آخر تین تین
مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں
آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 24
دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز
عشاء سے شروع کریں ☆

☆ کاروبار باری بد حالی تھی ☆

محمد سلیمان راو پلنڈی
سوال = کاروبار باری بد حالی نے ختم کر کے رکھ دیا تھا
کبھی کوئی مشین بنی ٹوٹ جاتی اور کبھی کوئی مشین
خراب ہو جاتی..... لاکھوں روپے کا قرضہ
لے کر کاروبار میں شامل کر دیا تھا مگر سب کا
سب تباہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ فیکٹری چلنے کا نام
ہی نہیں لیتی تھی بہت پریشانی تھی۔ میں نے
”ماہنامہ سچی کہانی“ پڑھ کر آپ (سید راحت
علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے
نہایت خلوص سے تمام مشکل ترین عملیات خود
کیے..... جن کی بدولت آج پھر سے میرا
کاروبار آہستہ آہستہ چل پڑا ہے میں تو آپ کو
دن رات دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے بھی
بہن بھائیوں کو شورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی

تحقیق چاند بابو

پرائز بانڈز کی دنیا

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ڈرامبر 60 01-10-2014 15000

01	040	052	250	506	568	856	80		
02	11	22	28	2	6	41	56	62	82
05	15	25	31	5	50	58	65	85	
06	20	26	33	8	0	52	60	68	86
08	0528	2506	5404	6582	7211	8560	90		

شہر پشاور ڈرامبر 60 15-10-2014 750

00	002	105	304	403	405	501	54		
01	06	14	21	4	1	34	41	46	56
03	10	15	30	0	35	43	50	66	
04	13	20	31	5	3	40	45	51	73
05	1054	3045	4031	5013	5140	5713	96		

تحقیق باباراؤ شاہ

انعامی مبلہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ڈرائنمبر 60 01-10-2014 15000

01	012	028	216	325	523	820	80		
02	11	22	28	0	3	35	52	58	82
03	13	23	30	2	38	53	73	83	
05	20	25	32	5	8	50	55	78	85
08	0283	2773	3250	5238	7730	8205	98		

شہر پشاور ڈرائنمبر 60 15-10-2014 750

00	065	139	263	362	560	571	63		
01	06	23	30	3	0	36	50	56	65
02	08	25	32	6	41	52	60	77	
03	20	26	35	5	2	43	53	62	80
05	0653	1510	2635	3620	5160	5602	98		

تحقیق بابا کمال شاہ

تقدیم الہی الہی

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد ڈرائیور 60 01-10-2014 15000

04	020	202	369	768	867	963	93		
10	29	37	60	7	9	68	78	86	96
14	31	38	63	6	73	79	87	97	
17	36	39	67	3	8	76	83	89	98
20	0101	3698	7330	7683	8673	9637	95		

شہر پشاور ڈرائیور 60 15-10-2014 750

01	104	305	320	401	403	503	60		
03	11	14	31	4	5	40	45	53	62
04	12	15	34	0	41	50	54	90	
05	13	30	35	3	1	43	51	56	91
10	1043	3051	3981	4015	5034	5034	96		

تحقیق..... بابا رومی شاہ

مقدور کا سکندر

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

شہر مظفر آباد..... ڈرائنگ نمبر 60..... 01-10-2014..... 15000

02	052	108	250	750	758	852	84		
05	20	27	50	0	7	58	75	81	85
07	23	28	52	5		70	78	82	87
08	25	35	57	8	2	72	80	83	93
15	0002	0507	0527	2508	7580	8572	99		

شہر پشاور..... ڈرائنگ نمبر 60..... 15-10-2014..... 750

00	021	120	427	537	631	724	70		
01	07	14	21	1	4	27	41	50	71
02	10	17	22	2	30	42	55	72	
04	12	20	24	7	0	40	47	56	74
90	0217	1204	1475	4271	7240	7461	89		

انچارج۔ فضہ ماہین

بیوٹی کیئر

اس عنوان کے تحت ہمیں ”بیوٹی ٹپس“ ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کر دیں گے۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کروا سکتی ہیں۔

کھڑی بیوٹی کیئر۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

اور نازک ہو جاتے ہیں اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ٹھنڈا پانی بھی انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے اس موسم میں ان کی حفاظت کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوشن یا کولڈ کریم کی بجائے پیئرویلیم جیلی ان کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔

دن کے اوقات میں ہاتھ دھونے کے بعد جلی لگا دی جائے تو جلد اور ناخن خراب ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس طرح رات سونے سے قبل ناخنوں پر روغن زیتون کا مساج کریں۔ پندرہ منٹ تک مساج کافی رہتا ہے۔

روغن زیتون ناخنوں کو محفوظ بناتا ہے جبکہ ان کی چمک میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں ناخنوں کے ارد گرد جلد بھی اکھڑنے لگتی ہے جو تکلیف دہ ہوتا ہے۔ روغن زیتون سے جلد کی ناخنوں پر پکڑ بڑھ جاتی ہے۔

☆ شازیہ انصاری۔ سلاواولی ضلع سرگودھا

☆☆

گھر پر ہی اسکرُب کریں
گھر بیٹھے ہی اپنے چہرے پر اسکرُب کیجئے بیوٹی
بارلر جا کر پیسے خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔
چینی کا اسکرُب

اپنے کلینزر میں ایک کھانے کا چمچ چینی ملا لیں۔ اسے ہلکے ہاتھوں سے (جہاں آپ اسکرُب کرنا چاہیں) رگڑ کر لگائیں۔ تھوڑی دیر لگا رہنے دیں اور پھر دھو لیں۔ یہ اسکرُب آپ کی گردن، گھٹنوں، کہنیوں کی مردہ DEAD SKIN کی تمہیں اتارنے کے لیے آزمودہ ہے۔ آپ ہفتے میں دوبارہ اسکرُب استعمال کر سکتی ہیں۔

☆ آسٹرا رندھاوا۔ کراچی

سردیوں میں ناخنوں کی حفاظت کیجئے
سردیوں میں ناخنوں کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔ ناخن نازک ہوتے ہیں اور سردیوں میں خشکی انہیں بھی متاثر کرتی ہے۔ جس سے بھر بھرے

طب ہونانی، طب روحانی اور طب نبوی ﷺ سے علاج

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ..... موبائل نمبر 0333-520355 www.devapk.com

کی غرض سے آنے والے ہزاروں لوگ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بیٹے کی خواہش لے کر آئے..... بعض ایسے بھی تھے جن کے گھر میں 4 سے 5 بیٹیاں تھیں اور وہ بیٹے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے گھر میں بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے تنازعات جنم لے رہے تھے۔ میرے علاج کے بعد رب العزت نے انہیں اولاد دینے عطا کی۔ اس کے بعد وہ میرے علاج سے اس قدر مطمئن اور خوش ہوئے کہ بعد میں اپنے ہمراہ سینکڑوں ایسے جوڑے لے کر آئے جن کے ہاں اولاد دینے نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کامیاب علاج کروانے کے بعد رب العزت نے انہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازا۔ ہمارے پاس Azosperor کا خاص طور پر علاج کیا جاتا ہے۔

س=ڈاکٹر صاحب! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے علاج کے بعد 90 فی صد جوڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا..... لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ عامل اور پیمروں فقیروں کے آستانوں کا رخ کرتا ہے۔ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن سے عوام الناس صحیح یا غلط میں تمیز کر سکتے ہیں؟ جواب=یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ متعدد لوگ ضعیف

ہو میو پیٹھک بانجھ پن کے خاتمے کے لیے بہترین طریقہ علاج میرا طریقہ شریعت کے عین مطابق ہے س=ڈاکٹر صاحب! کیا بانجھ پن کا خاتمہ ممکن ہے؟ جواب=ہو میو پیٹھک اس دور میں ایک بہترین طریقہ علاج ہے۔ بیٹا یا بیٹی دینا یہ سب رب العزت کے اختیار میں ہے۔ مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسے لوگ جنہیں شادی کیے ہوئے طویل عرصہ ہو گیا ہے مگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور وہ مسائل کا شکار ہیں۔ وہ ایک مرتبہ میرے پاس ضرور تشریف لائیں۔ میں نہ صرف ان کا کامیاب علاج کروں گا بلکہ ان کے بانجھ پن کے خاتمے کے لیے ایسی ادویات دوں گا۔ جن کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کو اولاد دینے عطا فرمائے گا بلکہ وہ خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزار سکیں گے۔ پاکستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ہو میو پیٹھک پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اب تک جو لوگ میرے پاس آئے اور انہیں بیٹے یا بیٹی کی خواہش تھی میرے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد دینے عطا کی۔ میں نے ہو میو پیٹھک پر جدید ریسرچ کی ہے جس کے نتیجے میں میرے پاس علاج

کہ یہاں براجمان عامل، پیر فقیر اس کے تمام مسائل کو منتروں سے حل کر دے گا۔

اس کے برعکس معاشرے میں کچھ ایسے عالم بھی ہیں جو لوگوں کے مسائل کے لیے قرآنی آیات و طائف دیتے ہیں اور وہ یہ کہ نامی نبیل اللہ کرتے ہیں اور لوگ شفا یاب بھی ہوتے ہیں لیکن ایسے بے غرض لوگ بہت کم ہیں۔

اچھا تو ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان میں Perceptual Disorder ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ زیادہ ہوتا ہے وہ مختلف چیزیں تصور کر لیتے ہیں کہ میرے آگے پیچھے کچھ لوگ پھر رہے ہیں یا فلاں چیز مجھے مار رہی ہے۔ سائنس کے مطابق بعض لوگوں کے Sensory Organs اتنے تیز ہوتے ہیں کہ وہ کمرے کے دوسرے جانب یا شہر سے باہر ہونے والی چیزوں کو دیکھ یا سن سکتے ہیں۔ وہ صرف لاعلمی، جہالت اور ضعیف العقادی کی وجہ سے ان جعلی عاملوں اور پیروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں ان میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ لوگ ہسٹیر یا جیسے مرض کا علاج جادو ٹونے سے کرواتے ہیں۔

س = ہسٹیر یا ہے کیا.....؟

جواب = ہسٹیر یا کا مرض زیادہ تر خواتین کو ہوتا ہے۔ مردوں میں اس کا تناسب انتہائی کم ہے۔ ہسٹیر یا ایک نفسیاتی مرض ہے۔ دراصل جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کی جنسی

العقادی کے باعث ایسے جلعسا زوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک محتاط انداز نے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 90'000 سے زائد عامل وغیرہ کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس جانے والے سالوں کی تعداد پانچ لاکھ یومیہ سے کم نہیں..... آپ شہر کے کسی بھی گلی، محلے، کوچے یا شہر کے کسی ویران کونے میں چلے جائیں وہاں آپ کو یہ عامل پیر فقیر ضرور دکھائی دیں گے اور سادہ لوح عوام خاص طور پر خواتین ان کا شکار بنتی ہیں۔

افسوس آج معاشرے میں ہر جگہ جادو ٹونے، تعویذ گنڈے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کالے جادو اور دوسرے عملیات کا باقاعدہ الاعلان دعویٰ کیا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں شرک اور منتر، غلط جھاڑ پھونک جو جادو کرنے والے ہیں وہ دوسرے افراد کو نقصان یا فائدہ پہنچانے کا کام جنات و شیاطین کے تعاون سے کرتے ہیں۔ جب یہ بد فطرت افراد شرک و کفر کرتے ہیں تو شیطان اس عامل کے ساتھ اس کام میں تعاون کرتا ہے کیونکہ یہ تعاون اس شرط پر ہوتا ہے کہ عوام الناس مرد یا عورت سے شرک کروایا جائے۔ غرض اخبارات میں دعوؤں سے مرعوب ہو کر پریشان حال لوگ ان عاملوں پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت خواتین اور لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی ہے اور آستانے پر آنے والا ہر فرد اس امید کے ساتھ آتا ہے

پر موسم جذبات دوست و احباب ثقافت والدین
اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت
پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں
سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے
رویے کا ذکر تو بڑی شدت کے ساتھ کرتے ہیں
مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری
توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری
سوچ اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے
خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی
سوچ اور کردار کا ناقد رائے جائزہ لینا چاہیے۔
اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت
تبدیلی ہوگی وہ ذہنی، جسمانی اور جنسی صحت کی
بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ ماہرین
نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج
ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی
کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی
اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت
کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں
اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح
رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔
یہ تو شہوت ہے۔ اسے محبت کا نام نہیں دیا جا
سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا
جس میں عزت و احترام اور قربت و لگن یکجا
ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب
یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں
اور اپنے پاکیزہ خیالات و جذبات کا احترام
کرتے ہوں اور پرسکون، مطمئن ہوں۔ اپنے

جہلت بیدار ہو جاتی ہے۔ یہ جنسی بھی ہو سکتی
ہیں۔ محبت میں کمی یا عدم توجہ بھی ہو سکتی ہے
جب یہ خواہشات پوری نہیں ہو پاتیں تو مریض
عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ مریض
کو محسوس ہوتا ہے کہ گلے میں گولہ آکر اٹک گیا
ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ اس ہسٹیریا
کے دورے کو لوگ جن یا آسیب کا نام دیتے
ہیں۔ یہ سب جہالت کے سوا کچھ نہیں.....
حالانکہ ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا لڑکی کے
علاج میں خاص احتیاط برتنی چاہیے۔ جادو کی
حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا ذکر
قرآن شریف میں ملتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس
قرآن شریف دنیا کی واحد عظیم ترین کتاب
موجود ہے۔ جس میں بنیادی مسائل کا حل
موجود ہے۔ ضرورت اس سے استفادہ ہونے
کی ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے
مرض کا باقاعدہ علاج ہونا چاہیے۔ ہم مذہب
سے دور ہو رہے ہیں۔ لہذا معاشرے میں
بے چینی، خود غرضی اور توہم پرستی بڑھ رہی ہے۔
س= ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ ازدواجی یا جنسی
صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی
جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟
جواب= بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی،
جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری
ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا
جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب
ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت

دیتی ہے۔

نہ کہنا سیکھئے

آپ نے اکثر سنا ہوا گا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کر لی تو یہ بد اخلاقی ہوگی بلکہ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر پست ہمتی کی وجہ سے ”اس دفعہ اور“ کہہ کر ہر بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور ”نہ“ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر ”نہ“ کہنے کا سلیقہ آجائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھئے آپ کو ایک نئی حرارت و اعتماد کا احساس ہوگا۔

خوفزدہ مست ہوئے

”معذرت“ کرنے یا ”نہ“ کہنے کی جرأت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ”نہ“ کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو منفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہر حال صاف گوئی بچپن سے صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجئے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے

آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت دینی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھئے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جسمی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجئے اور جو کام مضر ہیں انہیں ترک کر دیجئے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شاید سب سے قوی جذبہ یہی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں میں کامیاب اور ڈسپلین کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم، کاروبار، معاشرتی تعلقات وغیرہ میں برے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کر کے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پرواہی اختیار کر کے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر متحرک رویہ ان کی جنسی صحت کو گھٹن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف انفس ملے اور اپنے مستقبل کو تار یک رکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پرواہی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گھٹا

غلط فہمیاں دور کیجئے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں عام ہو گئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیجئے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔

مثال کے طور پر نو جوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نو جوان نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگے ہیں) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنادیا گیا ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت کی علامت ہے لیکن نو جوان بلاوجہ اس سے خوفزدہ ہو کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال پاکستانی نو جوانوں میں بہت عام ہے۔ رومانی ماحول نے نو جوانوں کی صحت کو مزید برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مند رکھنا چاہتے ہیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی دیر کیجئے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔ لوگ جنس کے بارے میں

بارے میں افراد خانہ بالخصوص شریک حیات سے گفتگو کرتے اور مشورے کرتے ہیں رہتے ہیں اپنے ازدواجی معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے کے لیے بھی شریک حیات سے مکالمہ کیجئے۔ اپنے انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریک حیات کو شامل کیجئے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟ اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر اپنی شریک حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول بہتر ہوگا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نو جوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق نو جوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ نو جوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آشیان دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے نو جوانوں کو بھی قابل اعتماد سنجیدہ اور با علم دوست احباب اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو دیگر ایسے افراد مل جائیں تو اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔ نو جوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہوگا بلکہ مجموعی طور پر بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ صحیح فکر یہ ہے کہ اپنے کردار اور رویے کو تول کر جنسی معلومات سے باخبر ہو کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆ حکیم شیخ محمد امین

موبائل نمبر 0345-7000088 اور 0345-7000088

☆☆☆

ہیپٹائٹس بی سے مکمل علاج، یونانی

اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے

گردے کے امراض، مردانہ امراض، پرانا نزلہ

زکام، جلدی امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے

☆ حکیم محمد امین ماہر معالج و گولڈ میڈلسٹ

تعارف

ہیپٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب

مشرقی ایشیاء اور اس کے گرد و نواح کے ملکوں میں ایک

وباء کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات

کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے تباہ

کن اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک

وباء کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جاسکیں۔

عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا

کے ان ممالک میں سے ایک ہے یہاں یہ مرض تیزی

سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص

ہیپٹائٹس B یا C کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض

ہے جو ایک انسان سے تندرست انسان کو منتقل ہو جاتا

ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے

تو 2 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اسے عرصے میں ان جراثیم کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپٹائٹس B اور C کا مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک، مہلک اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا اس مرض سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ عام یرقان (پیلیا) سمجھ کر مختلف ٹوکوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہلاکتیں ان لوگوں کی ہو رہی ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان کا HBV تشخیص ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض درط حیرت ہوتا ہے۔

مہنگا علاج، مہنگا ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی

کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالہ کے

لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا

ہوتا ہے کہ یہ مرض کسمپرسی میں عذاب بن کر نازل ہو

جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپٹائٹس کا (Reactive)

ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب

یونانی، طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود

ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ

ہیپٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید

ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء

اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان، مصر، چین، ایران

مشرق اور بخارا کے ماہرین طبیب بڑے وثوق سے

مثلاً چرس، افیون، بکثرت تمبا نوشی، بورنگ کا پانی استعمال کرنا اور بڑی مقدار میں پیراسیٹامول کا استعمال وغیرہ ہے۔ کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا عمل روکا جاسکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام A, B, C, D, E وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم نقصان دے ہیں C اور B ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک قسمیں ہیں۔ D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ آور ہوتے ہیں اور متعدد دیرقان پیدا کرنے کو موجب ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis. B)

ہیپاٹائٹس کے اسباب میں قسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس دیرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم

علاج کرتے رہے ہیں۔ ان ادویات سے نہ صرف دیرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور معروف حکیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں قدرتی جزی بوٹیوں اور قیمتی ادویات کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کا وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔ یہ بہت نازک عضو ہے۔ اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی ہے۔ اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر ستونوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کے دائروں کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور سبز رنگ کا مادہ یعنی ”بائل“ کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی ہوتا ہے۔ یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے ”پتہ“ میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں

کی زیادتی کے جگر پر مضر اثرات
شراب نوشی، تمبا نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال

سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔ طبی مشورے، علاج و معالجہ کے لیے مرض کی مکمل تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپاٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپاٹائٹس C معتدی یرقان ہیپاٹائٹس کی اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپاٹائٹس C ہے۔ پاکستان میں ہیپاٹائٹس C کے شکار افراد کی تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان میں ہر گیارہواں افراد ہیپاٹائٹس C کے مرض میں مبتلا ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہزار ہا سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی بھی قسم کے مضر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔ حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات سے ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپاٹائٹس C بلکہ دیگر امراض کے لیے بھی موثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل استعمال کے بعد ہیپاٹائٹس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive) ہوتی ہے۔

ہیپاٹائٹس کے مریضوں

کے لیے غذائی چارٹ

لوہی، بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی)، دیسی مرغی

میں پہنچ جائے تو پھر 80 فی صد افراد میں سالہا سال تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکرنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپاٹائٹس کے یرقان کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50 فی صد مریضوں کو دائمی سوزش جگر (Hepatitis Chronic) اور ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25 فی صد لوگوں میں یہ جگر سکر (Cirrhosis of Liver) پیدا کرتا ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہیپاٹائٹس C کا مرض ہیپاٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C سے بعض صورتوں میں مریض کی ہلاکت کے 26 فی صد امکانات ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس B اور C کے مرض

کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33 فی صد ایسے مریض بھی ہیں جو ہیپاٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ دو چار ماہ کورس استعمال کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاء اللہ تھائی 100 فی صد (Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ملک، میں بے انتہا مریض شفا یافتہ ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ مریضوں کی سہولت کے پیش نظر آہ۔ لوگ منی آرڈر یا ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج گھر بیٹھے کورس منگوا

یہ مرد کی قوت کو چاہیں گنا بڑھا دیتا ہے۔“
 حکماء قدیم کے نزدیک یہ دل و جگر کی بیماریوں
 اور قوت خاص کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ حکیم
 سیف اللہ لکھنوی اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔
 ”سفر جل میں قدرت مطلق نے وہ تاثیر رکھی
 ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔“
 زمانہ قدیم کے نامور حکماء لکھتے ہیں کہ۔

”یہ پھل بے حد مقوی باہ اور قوت خاص میں
 اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔“
 حکیم محمد امین سفر جل کے بارے میں لکھتے ہیں
 کہ۔

”اس پھل میں قدرت نے وہ قوت رکھی ہے
 کہ شائد ہی کسی اور پھل میں ہو۔ کیونکہ یہ پھل قوت
 خاص کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ جانے اس پھل
 میں اور کیا کیا قوتیں موجود ہیں جو کہ انسان کے لیے
 یقینی طور پر مفید ہو سکتی ہیں۔ سفر جل کے فوائد تو اس
 قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن
 میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کر کے آپ
 کے سامنے وہ قیمتی راز لکھ رہا ہوں جو کہ استاد محترم نے
 کئی سال خدمت کرانے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ
 باہ کو قوت دینے سرعت انزال کو دور کرنے اور وقت
 خاص میں تحریک پیدا کرنے کے لیے باکمال چیز ہے۔
 جس کی صرف ایک ہی خوراک کھانے سے مرد میں اتنا
 کرنٹ آ جاتا ہے کہ مرد چاؤ شادیاں کرنے پر مجبور ہو
 جاتا ہے جس کا نام ”احسن مہی خاص“ ہے گو بیوں کی
 شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ہر قسم کے مفت
 طبی مشورے اور گھر منگوانے کے لیے اس نمبر پر رابطہ

(کم مقدار) ٹینڈے، کوکنگ آئل، حلیم، خربوزہ، کالی
 مرچ (ہلکی)، مولیٰ، مسمیٰ، کھیرا، میتھی، سرسوں کا ساگ
 لکڑی، کرلیہ، لوبیا، گریب فروٹ اور پالک ہے۔
 دی کلر پیپائٹس کو رس
 موبائل نمبر 0345-7000088



شادی شدہ کمزور مرد
 ”احسن مہی“ خاص استعمال کریں
 20 سال سے آزمودہ
 مضرا اثرات سے قطعی پاک

سفر جل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں
 طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس پھل کے باغات
 اپہین، لبنان اور عرب ممالک کے اکثر علاقوں میں پائے
 جاتے ہیں۔ یہ پھل بہت لذیذ اور لطیف ہوتا ہے۔
 قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کر دی
 ہے۔ جس سے بوڑھے مرد بھی جوان ہو جاتے ہیں اور
 کمزور مردوں کے لیے ایک ٹانک ہے۔ سفر جل ایک
 ایسا نایاب پھل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا
 ارشاد گرامی ہے کہ۔

”سفر جل کھاؤ یہ دل کو طاقت دیتا ہے دل کے
 دورے کو روکتا ہے دل کو مضبوط کرتا ہے دل کی
 بیماریوں کو ٹھیک کرتا ہے سانس کو خوشبودار بناتا ہے اور
 سینے کا بوجھ اتارتا ہے۔“ پھر آپ سرکار ﷺ نے سفر
 جل کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ۔
 ”سفر جل کھاؤ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں
 مامور فرمایا جسے جنت کا یہ پھل سفر جل نہ کھلایا ہو کیونکہ

کریں۔ 0345-7000088۔ احسن مہی خاص
پورے پاکستان میں ہر اچھے دواخانہ، ہومیو پیتھک
سٹور پر دستیاب ہے نام لے کر طلب کریں۔
ہمارے ڈیلر حضرات

☆ خواجہ سٹور بالقابل ایمپریس مارکیٹ، صدر کراچی
☆ صدر میڈیکل سٹور صدر کراچی
☆ سپر ہومیو سٹور میر کرم علی تالپور روڈ، صدر کراچی
☆ محمد علی میڈیکل سٹور آرام باغ، کراچی
☆ طلحہ ٹریڈرز وائرپمپ چورنگی، کراچی
☆ عرفان قادری جڑی بوٹی لاندھی، کراچی
☆ بسم اللہ ہومیو بلدیہ ٹاؤن، کراچی
☆ مصطفیٰ دواخانہ رسالہ روڈ راحت سینما، حیدر آباد
☆ ماریہ دواخانہ پولیس لائن، حیدر آباد
☆ محمد علی دواخانہ لبرٹی پلازہ آپارہ اسلام آباد
☆ مسلم ہومیو، نعمان ہومیو لچت روڈ، حیدر آباد
☆ جرمن ہومیو لچت روڈ، حیدر آباد
☆ عدنان میڈیکل سٹور گلشن مارکیٹ کورنگی، کراچی
☆ طارق ہومیو ڈہرگی

☆ اشار شاپ تھلہ

☆ عاشی ہومیو ایم اے جناح روڈ ٹنڈو آدم

☆ کڑوہل پنسار سٹور شاہی بازار لاڑکانہ

☆ خالد برادر مدنی سڑیٹ، سکھر

☆ مدینہ میڈیکل ورکشاپ، ٹنڈو آدم

☆ پاپولر میڈیکل سٹور شاہی بازار، جیکب آباد

☆ ضیاء ہومیو سکندر پورہ، پشاور

☆ عارف میڈیکل سنڈھی ہوٹل نیو کراچی، کراچی

☆ شانی دواخانہ شہزاد دواخانہ شاہی بازار بہاولپور

☆ علی ہومیو سٹور گھنٹہ گھر ملتان
☆ ابن سینا دواخانہ بلاک سی گھنٹہ گھر ڈی جی خان
☆ ارشد برادر زگھاس منڈی ملتان
☆ حافظ دواخانہ کلاں بازار ڈی آئی خان
☆ مشہود دواخانہ مسلم بازار پشاور
☆ الصحت، عابد سینڈ روڈ دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
☆ رحمانی، ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
☆ نوید صحت، ناصر دواخانہ پشاور صدر
☆ حافظ دواخانہ شکر درہ کوہاٹ
☆ حکیم جمیل مینا بازار، بیگنورہ
☆ مدینہ پنسار گنجو خان روڈ مردان
☆ سعید میڈیکل، نوشہرہ
☆ المدرہ پنسار، ایبٹ آباد
☆ البحت پنسار، ایبٹ آباد
☆ مشتاق پنساری، غازی گھاٹ
☆ بادشاہ دہی، ہٹی بوہڑ بازار راولپنڈی
☆ حکیم صوفی نور محمد ایبٹ چوک، جہلم
☆ زمان دواخانہ روہتاس روڈ، جہلم
☆ ہمدرد دواخانہ، جہلم
☆ ہمدرد دواخانہ، دینہ
☆ ہمدرد دواخانہ، لالہ موسیٰ
☆ ہمدرد دواخانہ، میرپور
☆ ہمدرد دواخانہ، مظفر آباد
☆ ہمدرد دواخانہ، گلگت
☆ ہمدرد دواخانہ، چلاس
☆ الحسن پنسار سٹور، لکی مروت
☆ امجد برادر زکی گیٹ، بنوں

قلمی دوستی

کوین ماہ اکتوبر 2014ء

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن ارسال نہ کرنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ خواتین اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ اپنے تعارف کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

کچھ انچارج قلمی دوستی..... ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور



نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل. ایل. بی

مشغلہ: مطالعہ کرنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ، پوسٹ بکس نمبر 217

جی پی او صدر راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@786yahoo.com



نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، سکواش کھیلنا اور خالص دوستوں

سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasooelzia@yahoo.com



نام: اے رشید

عمر: 33 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن



نام: عبدالغفور

عمر: 45 سال

تعلیم: ایف اے (فاضل عربی) پیچنگ

مشغلہ: مذہبی تاربیخی روحانی اور ہر قسم کی کتب کا مطالعہ
کرتا، سیر و سیاحت کرتا، روحانی علاج کرتا، خط و کتابت
کرتا، ٹیلی فونک دوستی کرتا، اچھے اور با وفا لوگوں سے
قلمی دوستی کرتا اور نبھاتا۔

پتہ: عبدالغفور، موبائل نمبر 0305-543504

0307-3826139 حافظ آباد



نام: عاصم بشیر

عمر: 31 سال

مشغلہ: لڑکے، لڑکیوں سے قلمی دوستی کرتا، چیٹ کرتا اور
تھنہ و تحائف کرتا دلہ کرتا۔

پتہ: موبائل نمبر 0308-4747401 لاہور



نام: اکرم سہیل

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: دوستوں کی مدد کرتا، غریبوں کی مدد کرتا، لڑکے
اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرتا، صرف مخلص لوگ رابطہ
کریں۔

پتہ: اکرم سہیل موبائل نمبر 0302-4050946 لاہور



نام: عبدالستار

عمر: 25 سال

مشغلہ: لڑکے، لڑکیوں سے قلمی دوستی کرتا، مخلص لوگ
رابطہ کریں۔

پتہ: عبدالستار، موبائل نمبر 0315-7796853 لاہور



نام: ذیشان ریاض

تعلیم: بی اے

مشغلہ: فون پر SMS کرتا، دوستی کر کے نبھاتا،
قلمیں دیکھتا اور سچی کہانی پڑھتا۔

پتہ: ذیشان ریاض، P-62 کینال روڈ نزد دو حہ ہونل
فیصل آباد۔ موبائل نمبر 0300-6602417



نام: فیض محمد بخش لنگا

تعلیم: ایم اے

مشغلہ: کہانیاں لکھتا، قلمی دوستی کرتا اور تحائف کا
تبادلہ خیال کرتا۔

پتہ: فیض محمد بخش لنگا، لاہور موڑ پر انا خانوال، پوسٹ
کوڈ 58160 موبائل نمبر 0300-6887586

0333-6238528



نام: علی رضا

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: قلمی دوستی کرتا، ہر خط کا جواب دیتا، SMS
کرتا۔

پتہ: علی رضا، P-1590 سٹارکالونی، فیصل آباد

موبائل نمبر 0300-8664070



نام: نوید احمد

تعلیم: بی اے

مشغلہ: کتابیں پڑھتا، فون پر دوستی کرتا۔

پتہ: نوید احمد معرفت کراچی ملتان ٹریڈرز دکان
نمبر 34 دو سونو حال کراچی

موبائل نمبر 0321-386695





قارئین خبردار ہوشیار ہو جائیں

یہ شخص جس کا نام ناصر علی ولد محمد بشیر ہے جو چک نمبر 99.9L بھولے دی جھوک تحصیل ضلع ساہیوال کا رہنے والا ہے۔ جو اپنے آپ کو واپڈا کا ملازم کہتا ہے۔ حقیقت میں یہ واپڈا ملازم نہیں ہے۔ یہ شخص مختلف رسائل و ڈائجسٹ میں اپنی تحریریں شائع کرواتا ہے۔ ان ہی رسائل و ڈائجسٹ سے لوگوں کے موبائل لے کر ان سے دوستی کرتا ہے۔ پھر

ان سے دوستی بڑھا کر مختلف جیلوں بہانوں سے پیسے مانگتا ہے۔ سننے میں یہ بھی آیا ہے یہ شخص لوگوں کو واپڈا میں نوکری دلوانے کا کہہ کر ان سے پیسے لیتا ہے مگر نوکری ان کو نہیں ملتی..... اور پھر بعد میں وہ لوگ جنہوں نے اسے نوکری کے لیے پیسے دیے ہوتے ہیں اس شخص سے جب رابطہ کرتے ہیں تو یہ شخص اپنا موبائل نمبر تبدیل کر لیتا ہے۔ یہی اس شخص کا کاروبار ہے۔

اس شخص نے ”ماہنامہ گچی کہانی لاہور“ کے بھی پیسے دیئے ہیں۔ جس وجہ سے ”ماہنامہ گچی کہانی لاہور“ نے اس کی تحریریں شائع کرنی بند کر دی ہیں۔ ہماری قارئین سے درخواست ہے خدا راہ اس فراڈیے شخص سے بچیں اور اپنے دوستوں کو بھی اس شخص سے دوستی کرنے سے خبردار کریں۔ اگر ہو سکے تو اس اشتہار کی فوٹو کا پی کروا کر اپنے دوستوں کو بھیجیں تاکہ لوگوں کو اس شخص کی اصلیت کا پتہ چل جائے اور وہ اپنے قیمتی وقت اور پیسوں کے ضائع سے بچ جائیں۔

(ادارہ ماہنامہ گچی کہانی لاہور)

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: محبت کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتہ: پاک جرمن ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر حب ضلع سیلہ



نام: فرحان نواز مبین

عمر: 20 سال

تعلیم: بی. اے

نام: جمشید خان خٹک

عمر: 28 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا

پتہ: ڈاک خانہ صورتی کلاہ خاص سائی کوٹ زنگا۔

تحصیل و ضلع کرک۔ پاس جمشید خان کوٹلے۔



نام: آچار خان بلوچ

مشغلہ: غریبوں کا ساتھ دینا، ہر قسم کا مشورہ مفت
پتہ: ڈاکٹر محمد رفیق شاہد، مریم پولی کلینک، محلہ
رسول پورہ، گلی نمبر 7 ڈگر انواں روڈ، فیصل آباد
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نام: طاہر حسین صدیقی

عمر: 28 سال

تعلیم: بی. اے

مشغلہ: ہر مذہب ہر طبقہ کے لڑکے، لڑکیاں دنیا
کے کسی بھی کونے سے ہوں قلمی دوستی کے لیے
لکھیں۔

پتہ: طاہر حسین صدیقی، پوسٹ بکس نمبر - 10048
پوسٹ کوڈ نمبر - 54600 لاہور
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نام: علی عمران

عمر: 32 سال

تعلیم: ڈی. ایچ. ایم. ایس

مشغلہ: قلمی دوستی رسالے پڑھنا، خدمت خلق
پتہ: علی عمران جرمن ہو میونسٹور بازار توپاں والا
ڈیرہ اسماعیل خان
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نام: سہیل بیگ

تعلیم: ایف. اے

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا

پتہ: سہیل بیگ CIO بھٹو پلاسٹک ٹریڈرز اندرون
موچی گیٹ لاہور
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، ہر طبقہ کے باوفا، ہر کسی کو
کھلے عام دعوت ہے شاعری کرنا۔

پتہ: فرمان نواز مین شاہی بازار، پوسٹ آفس
نصر پور، پی او بکس نمبر - 70040 تحصیل شندولہ بہار
ضلع حید آباد
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نام: محمد طاہر

عمر: 20 سال

تعلیم: ایم. ایس. سی

مشغلہ: ہر عمر کے مرد حضرات رابطہ کریں

پتہ: P.O. BOX. NO. 11098 لاہور کینٹ
فون نمبر - 0303-6414083
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نام: فاروق خان سواتی

عمر: 21 سال

تعلیم: B.A. (جاری) ٹیکنیکل ایجوکیشن (R.A.C)

مشغلہ: راز داری، شعر و شاعری، مطالعہ
خیال کرنا، کرکٹ، میوزک، فلمیں دیکھنا،
قلمی دوستی وفاداروں سے۔

پتہ: کتاب مرکز - نزد عنائیت ولی دربار اپراڈ اید
گاہ روز مظفر آباد (AK) فاروق خان سواتی کوٹلے
﴿﴾﴿﴾﴿﴾

نام: ڈاکٹر محمد رفیق شاہد

عمر: 24 سال

تعلیم: ڈی. ایچ. ایم. ایس۔ سائی کالوجسٹ

پتہ: مکان نمبر E/283 سیکٹر 12 اعوان مارکیٹ خیابان

سر سید راولپنڈی۔ فون نمبر -03335131974



نام: ملک محمد اعظم اعوان

عمر: 26 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: میوزک سنٹر، قلمی دوستی کرتا

پتہ: ملک محمد اعوان بیکو بزنس انٹرسٹ پرائیویٹ

لمیٹڈ 65 مین کمرشل ایریا تھرڈ کیلوری گراؤنڈ

لاہور کینٹ۔ فون نمبر- 6673713



نام: سرور رحمانی

عمر: 19 سال

تعلیم: عام تعلیم

مشغلہ: شاعری کرتا، اچھے اور باوفا لڑکوں اور

لڑکیوں سے قلمی دوستی کرتا لاہور، فیصل آباد سے

رابطہ کریں بے دفا اور فراڈیئے لوگ زحمت نہ

کریں۔

پتہ: محمد سرور رحمانی، مکان نمبر 197 ڈی بلاک

علامہ اقبال ٹاؤن کالونی فیصل آباد



نام: زاہد صدیقی

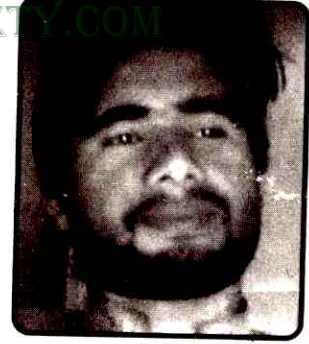
عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی لڑکے اور لڑکیوں سے

پتہ: وارنر میل رحمت کالونی گلی نمبر 2 کاغان روڈ

پتہ: لاہور، 175 اکتوبر 2014ء



نام: محمد ابراہیم

عمر: 17 سال

تعلیم: (جاری ہے)

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا، قلمی دوستی کرتا، مخلص دوست

کی تلاش ہے۔

پتہ: محمد ابراہیم، موبائل نمبر 0342-6267179



نام: مظہر نواز ملتانی سہرا

عمر: 19 سال

تعلیم: ایف۔ اے

مشغلہ: صرف قلمی دوستی خط لکھ کر آزمائیں ریڈیو

پاکستان ملتان کے علاوہ اسلام آباد اور بہاولپور

لاہور کے بہت سے پروگراموں میں حصہ لینا

پتہ: مظہر نواز ملتانی سہرا CIOI سراجزل سٹور اڈا

متی تل P.O جال والا تحصیل ضلع ملتان



نام: خیال اقدس

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرتا

پتہ: الانصاف ڈیزل لیبارٹری نزد واپڈ دفتر ٹل
روڈ: ٹنگو (سرحد)



نام: اشتیاق احمد کنول

عمر: 24 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: شاعر، لکھنا R.K سے پیار کرنا۔

پتہ: نیاز ٹیلرنگ اینڈ ڈرائی کلینرز سیالکوٹ روڈ

نظام پورہ گوجرانوالہ



نام: ریاض آفریدی

عمر: 26 سال

تعلیم: ایم اے

مشغلہ: محبت کرنا پر خلوص لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: ریاض آفریدی سکنہ بازی خیل درہ آدم درہ

بازار کوہاٹ



نام: محمد اقبال شہزاد

عمر: 19 سال

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: کمپیوٹر کی معلومات۔

پتہ: محمد اقبال شہزاد ریڈ ٹیلی کمونیکیشن (PVT)

نمبر 8 بشارت پلازہ 9-L مرکز اسلام آباد



کوہنہ فیکری تحصیل ضلع رحیم یار خان۔ ذوالفقار
ورکشاپ والے لکول کرزاہد صدیقی کوٹے



نام: شیر دل

مشغلہ: اچھے رسالے پڑھنا

پتہ: شیر دل اینڈ برادرز انجینئرنگ ورکس شکار پور

روڈ کنڈھ کوٹ ضلع جیکب آباد



نام: ذوالقرنین حیدر

عمر: 16 سال

تعلیم: میٹرک (جاری)

مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا

پتہ: ذوالقرنین حیدر معرفت رضا جنرل اسٹور اینڈ

P.C.O نزد پوسٹ آفس منڈی شاہ جیونہ سٹی

تحصیل ضلع جھنگ



نام: محمد ریاض سماں

عمر: 22 سال

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: کمپیوٹر پر ڈیزائننگ کرنا اور زندگی انجوائے

کرنا یعنی سیر و تفریح کرنا۔

پتہ: محمد ریاض سماں، عمر بلاک نمبر 31 معراج

پارک بیگم کوٹ، شاہدہ لاہور



نام: رانا وسیم

عمر: 21 سال

مشغلہ: باہر کے ممالک کی سیر و تفریح کرنا

ناقابل فراموش واقعات کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

اس کالم میں آپ مختصر سبق آموز معلوماتی حیرت انگیز ناقابل فراموش خوفناک و ہشت ناک واقعات اور اسلامی معلومات ارسال کر سکتے ہیں۔ جس کے ہمراہ آپ کو اس ماہ کوپن کاٹ کر ارسال کرنا ہوگا۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اپنی تحریر کے ساتھ اپنی تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کا پی ہمراہ ارسال کریں۔ اپنی تحریریں صاف صاف اور خوشخط لکھیں۔

کچھ انچارج ناقابل فراموش واقعات..... ماہنامہ کچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

نوسرباز

سوار کیا وہ میرے پیچھے کی طرف بیٹھ گیا لاری آؤں کے نزدیک آئے تو اس نے کہا بیٹا پہلے یہاں سے چائے پی لیں پھر چلتے ہیں۔ ہم رک گئے۔ اس نے ہوٹل والے کو آرڈر دیا کہ دو اچھی سی چائے بنوا کر لے آؤ۔ تھوڑی دیر بعد ملازم چائے لے آیا۔ میں اس کی شفقت اور رحمتی سے بڑا متاثر ہوا اور اس ملازم کو چائے کے پیسے ادا کرنے چاہے مگر اس آدمی نے میری ایک نہ چلنے دی۔ کہنے لگا نہیں پیسے میں ادا کروں گا۔ تم میرے بیٹوں کی طرح ہو کوئی بات نہیں کہتے ہیں کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے پھر اس نے مجھے کہا اب جلدی گھر جاؤ اور کانڈات لے کر یہاں پر ہی آ جاؤ وہاں سے ہمارا گھر دور نہ تھا۔ لہذا تھوڑی دیر میں میں خوش خوشی اپنے تمام کانڈات اور کچھ رقم گھر سے لے کر آ گیا۔ وہ آدمی مجھے سیدھا کمینے باغ میں لے گیا وہاں بیٹھ کر اس نے ایک درخواست ریلوے ڈائریکٹر کے نام لکھی اور ایک محکمہ انمار والوں کو۔ اس نے کہا کہ جاؤ تم میرا بازار سے تھوڑا سا سودا لے آؤ۔ میں اتنی دیر میں یہاں ایک دفتر سے ہو کر آتا ہوں۔ میں بازار چلا گیا اور وہ آدمی تھوڑی دیر بعد وہاں پر ہی آ گیا۔ اور آتے ہی

یہ ان دنوں کی بات ہے میں نوکری کی تلاش میں تھا ہر جگہ ایلانی کیا مگر کہیں بھی شنوائی نہ ہوئی ایک دن اتفاق سے میں بکر منڈی چلا گیا وہاں میرا ایک لڑکے سے جھگڑا ہو گیا۔ ہم جھگڑتے ہوئے گئے۔ بہت سے لوگ ہم کو چھڑانے لگے۔ قریب ہی ایک شریف آدمی چائے پی رہا تھا۔ وہ بھی اٹھا اور مجھ کو پکڑ لیا۔ جب میں گالی دینے لگا تو وہ بڑے پیار سے کہتا نہیں نہیں بیٹا گالیاں نہیں نکالتے۔ تم تو مجھے پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ پھر بھی گالیاں نکالتے ہو۔ ادھر آؤ۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں اس کی شفقت اور پیار دیکھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا آہستہ آہستہ اس نے میرا انٹرویو لینا شروع کر دیا بڑے اخلاق اور پیار سے پوچھا۔ بیٹا تم کہاں تک پڑھے ہو بتاؤ میں تمہیں کسی اچھی سی ملازمت پر لگوا دوں گا۔ میرا بھانجا لاہور سیکرٹریٹ لگا ہوا ہے میں اس کی سفارش دلوا دوں گا۔ اور انشا اللہ تم ملازمت پہ لگ جاؤ گے۔ ایسا کرو گھر جاؤ اور اپنے تمام کانڈات لے آؤ اور ساتھ ہی ہزار دو ہزار روپے بھی لے آنا کیونکہ درخواست رجسٹری کروانی ہے۔ اسی آدمی نے مجھے سائیکل پر

مجھے کہانی سنانی شروع کر دی یا رکھتا اچھا ہوتا اگر تم بھی میرے ساتھ چلے جاتے۔ وہاں پہ ہمارے موجودہ ایم پی اے صاحب ملے بڑی خوشی سے اور مجھے کہنے لگے کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ میں نے ان کے سامنے درخواست کر دی اور انہوں نے کہا بس اتنا ہی کام ہے یہ تو معمولی کام ہے اور انہوں نے دستخط کر دیئے میں سوچنے لگا کہ یہاں پر ایم پی اے صاحب کا کیا کام۔ میں کچھ کچھ اس کی چالاکی سمجھ گیا مگر پھر میں نے یقین کر لیا کہ شاید ایسا ہی ہوا ہو اور میری قسمت میرا ساتھ دے رہی ہو۔ پھر اس نے حکم دیا کہ جلدی جاؤ اور اپنی ارجنٹ تصویر بنوا کر لاؤ۔ میں جلدی جلدی سائیکل پر سوار ہوا اور فونو گرافر کے پاس چلا گیا انہوں نے مجھ سے سو روپے وصول کئے آٹھ گھنٹہ ارجنٹ تصاویر تیار کر دیں۔ جب میں واپس پہنچا تو وہاں آدمی دو رسیدیں ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ جاتے ہی وہ میرے ہاتھ میں تھما دیں کہ یہ لو میں نے تمہاری درخواست لاہور رجسٹری کروادی ہے اور یہ ان کی رسیدیں ہیں۔ مجھے ان دنوں رجسٹری وغیرہ کروانے کا بالکل معلوم نہیں تھا۔ بقول اس کے ان درخواستوں کو رجسٹری کروانے میں تقریباً آٹھ سو روپے لگ گئے تھے۔ اس نو سرباز نے ایک رسید پر لکھ دیا 540 اور دوسری پر 640 روپے کہنے لگا تصویروں کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ یہ میں بعد میں سمجھا دوں گا۔ تم میرے ساتھ آؤ بازار تک کچھ سامان لے لیں راستے میں وہ مجھے کہنے لگا میں ڈھیاں میں رہتا ہوں کسی دن میرے پاس آنا میں اس کی شفقت پر حیران تھا کہ اس نے میرا کام بالکل فری کر دیا ہے۔ جب میں نے ان سے اجازت لینی چاہی تو اس نے کہا بھئی وہ رجسٹری کے پیسے تو دیتے جاؤ جن

تی میں نے رسیدیں تم کو دی ہیں۔ میرے تو اسان خطا ہو گئے۔ اتنی بڑی رقم میں کہاں سے دوں گا۔ پھر اپنا جال بھینکنے کے لئے کہنے لگا۔ منہو میں ذرا اپنے بھانجے کو ٹیلی فون کر لوں تاکہ وہ ان درخواستوں کو احتیاط سے رکھے میں نے ان رسیدوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ میں یہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس نے ایک جگہ زیر و اور چھ خود لکھے تھے اور دوسری رسید پر بانچ اور زیر و میری سمجھ میں آ گیا تو یہ نے عقل سے کام لیا اور اسے کہا کہ جناب آپ یہاں ٹھہریئے مجھے بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ وہ مجھے ذرا بھی کہیں ادھر ادھر نہیں جانے دیتا تھا۔ مگر میں نے ضد کر کے اس سے اجازت لے لی اور سیدھا ڈاک خانے چلا گیا۔ متعلقہ کلرک سے پوچھا کہ کیا یہ رسیدیں آپ نے بنائی ہیں؟ اس نے کہا جی مگر یہ تو ایک واڑھی والا آدمی رجسٹری کروا کے گیا ہے۔ میں نے پوچھا آپ نے کتنی رقم لی ہے۔ صرف آٹھ روپے۔ میں حیران رہ گیا اور ان کو سارا ماجر ا سنا دیا۔ انہوں نے کہا اس کو فوراً پولیس کے حوالے کر دو۔ میں جلدی سے اس جگہ پہنچا جس جگہ اس آدمی کو کھڑا کر کے گیا تھا مگر وہاں پر وہ موجود نہ تھا۔ شاید اس کو شک ہو گیا تھا یا اس نے میرا پیچھا کیا ہو گا یہ میں نہیں جانتا مگر کافی دیر میں نے اس کا انتظار کیا کہ وہ آدمی آجائے اور میں اس کو پولیس کے حوالے کر دوں۔ مگر وہ آدمی وہاں سے رونچہ ہو گیا۔ اس طرح میں اس کے چکر سے بچ گیا ورنہ وہ میری ساری رقم لے جاتا۔ سوچتا ہوں کہ ایسے کتنے نوجوان ہوں گے جو روز گار کی خاطر لٹ چکے ہوں ان نو سربازوں کے ہاتھوں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے۔ (آمین)

○ عبدالمجید ویکی، جڑانوالہ

قتل جو ہوا ہی نہیں

یہ واقعہ رامپور کا ہے اور اس کا تعلق کسی ماورائی یا جادوئی حالات سے نہیں ہے بلکہ ہوا یوں کہ رامپور کے قصبہ کیمبر مقصود نامی ایک شخص 13 اپریل کو اچانک غائب ہو گیا۔ اس کی معدوم موجودگی میں مقصود کے گھر والوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ گھر والوں کو شبہ تھا کہ مقصود کو اغوا کیا گیا ہے۔ اس معاملے کو پولیس نے اغواء کے حساب سے پرکھنا اور تفتیش کرنا شروع کیا۔

تھانہ شنوار نگر پولیس نے 19 اور 20 مئی کی رات سینمبر پور گاؤں کے ایک کھیت میں ایک نامعلوم شخص کی لاش برآمد کی جس کا حلیہ حوالہ مقصود سے مشابہ تھا۔ پولیس نے اس لاش کو مقصود کی لاش قرار دیتے ہوئے بعد از ضابطہ کار روپی لاش کو مقصود کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ غرضیکہ مقصود مردہ قرار دے دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں، جن لوگوں پر مقصود کے اغواء کا شبہ تھا انہیں گرفتار کر کے مقصود کے قتل کا اعتراف بھی کرایا اور انہیں رخصت جیل کیا۔

لیکن اچانک 7 جوان کو مقصود اپنے گھر آ گیا۔ وہ کسی کام سے جو پور گیا ہوا تھا۔ جلد بازی میں وہ اپنے گھر والوں کو مطلع کرنا بھول گیا تھا۔ مقصود کے گھر والے تو اس کی واپسی پر بے حد خوش ہوئے لیکن حکام پولیس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کیونکہ پولیس تو مقصود کے قتل کے ملزموں کو جیل بھی بھیج چکی تھی۔

خواجہ گلغام شہزادہ

☆☆☆☆

تحفہ

آخر بڑی منتوں، مرادوں کے بعد شادی ۲۰۰۰
ساتویں سال کے اختتام پر ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے لگا۔

کے آثار ہوئے۔ خاندان بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی دعاؤں کا موضوع یہ تھا کہ اللہ نے دعائیں سن لی ہیں تو اب اپنی رحمت سے ہمیں بیٹا عطا کرے تاکہ خاندان کا نام چلن رہے۔

گو جراثوالہ کے اس جوڑے کی شادی باہمی محبت کے نتیجے میں ہوئی تھی اور یہ میاں بیوی کی محبت ہی تھی کہ سات سال تک بچہ نہ ہونے کے باوجود دوسری شادی کا کوئی سوال پیدا نہ ہوا۔ وہ راضی برضا تھے۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کو منظور ہے تو کبھی ہم صاحب اولاد ہو ہی جائیں گے اور اگر خدا کو ایسا منظور نہیں تو ہمیں اس کی مرضی میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ اور اب جب اللہ کی مہربانی سے بچہ ہونے کے آثار ہوئے تو ہر شخص خوش تھا اور بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی ہر طرف مبارک سلامت کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

ایک لیڈی ڈاکٹر پورے نو ماہ تک بڑی باقاعدگی اور توجہ سے ماں بننے والی خاتون کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ وہ مطمئن تھی کہ بچہ قدرتی انداز میں نشوونما پا رہا ہے اور ولادت بخیر و خوبی کسی دشواری کے بغیر ہوگی لیکن نو ماہ گزر جانے کے باوجود ولادت کے آثار پیدا نہ ہوئے۔ سب کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر بھی پریشان تھی لیکن اس کا کوئی سبب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پھر دسواں اور گیارہواں مہینہ بھی گزر گیا۔ حتیٰ کہ پندرہ ماہ اسی عالم میں گزر گئے۔ لیکن بچہ پیدا نہ ہوا۔ اب تو سب کامارے تشویش کے برا حال تھا۔ تاہم ماں بننے والی خاتون کی اطمینان بخش حالت کی بنا پر ڈاکٹر کچھ مطمئن سی تھی۔ البتہ کبھی کبھی یہ مشورہ ضرور دیتی تھی کہ آپریشن کے ذریعے ولادت کرا لی جائے۔

اس مشورے کو خاندان کے کسی فرد نے منظور نہ کیا اور فیصلہ ہو گیا کہ انتظار کیا جائے معلوم نہیں خدا کو کیا

منظور ہے۔

آخر سولہویں مہینے کے اختتام پر ولادت کے آثار پیدا ہوئے اور جو بچہ استقرار حمل کے 9 ماہ بعد پیدا ہونا چاہئے تھا۔ وہ پورے سات ماہ کی تاخیر سے پیدا ہوا۔ ولادت بالکل فطری انداز میں ہوئی۔ یہ ایک صحت مند اور خوب صورت لڑکی تھی۔ لیکن لڑکی کی ولادت کے ساتھ ہی ایک جاندار بھی ماں کے پیٹ سے برآمد ہوا۔ یہ ایک چھوٹا سا سانپ تھا۔ جسے دیکھ کر ڈاکٹر اور اس کی ساتھی نرسوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سانپ بڑے اطمینان سے بچی کے قریب لیٹا ہوا تھا اور قطعی بے ضرر دکھائی دے رہا تھا اہل خاندان کو خبر ہوئی تو بڑے پریشان ہوئے سب نے فیصلہ صادر کر دیا کہ سانپ کو بلا تاخیر ختم کر دیا جائے۔ لیکن بچی کی ماں نے مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ یہ سانپ میری بچی کے ہمراہ میرے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ یہ میرا بچہ ہے۔ میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔ اسے زندہ رہنے دیا جائے۔

یہ ایک انہونی بات تھی کہ عورت کے پیٹ سے سانپ نے جنم لیا۔ دور دور تک یہ خبر پھیل گئی۔ اخبارات میں بھی خبریں چھپیں اور پورے علاقے میں عجیب سی سنسنی پھیل گئی۔ لوگ اس سانپ اور بچی کو دیکھنے کے لئے آتے تھے اور حیران و ششدر واپس جاتے تھے۔ یہ سانپ بچی کے ساتھ ہی پرورش پانے لگا ماں نے جہاں بچی کا نام سلیہ تجویز کیا۔ وہیں اس سانپ کو بھی ایک نام دے دیا ”خیر دین“ گھر کے سب افراد اسے خیر دین کے نام سے پکارنے لگے اور اس بات پر حیران تھے کہ وہ اپنا نام پچانتا تھا اور پکارنے پر سراٹھا کر آواز کی سمت دیکھ کر یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس نے آواز سن لی۔

سانپ اور بچی کی پرورش جاری رہی۔ اس دوران میں کوئی دوسرا بچہ پیدا نہ ہوا۔ پانچ سال گزر گئے۔ خیر دین گھر بھر میں بھاگا دوڑا پھرتا تھا۔ خاندان کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں بھی شریک ہوتا تھا۔ اور بالکل بچوں کے انداز میں بڑوں سے ڈرتا اور ان کا احترام بھی کرتا تھا۔ اب اس کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اور لوگوں نے اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر کے یہ فرض کر لیا تھا کہ یہ ایک عام بچہ تھا لیکن قدرت کی کسی مصلحت کی بناء پر سانپ کی شکل اختیار کر گیا۔ اب وہ کئی فٹ لمبا خونخوار سانپ بن چکا تھا لیکن تمام بچے اور گلی محلے کے لوگ اس سے واقف تھے۔ اس لئے کوئی اس سے ڈرتا نہ تھا۔ اس نے بھی ابھی تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ کوئی بچہ اسے پریشان کرتا تو وہ اسے ڈراتا ضرور تھا لیکن کافی ہرگز نہیں تھا۔

اس زمانے میں کچھ سپیرے گوجراں والا پنچے وہ گلی گلی گھوم کر بین بجاتے تھے اور اپنے سانپوں کا ناچ دکھاتے تھے۔ ایک روز وہ خیر دین کے محلے میں بھی آ گئے اور باہر کھلی جگہ پر بیٹھ کر بین بجاتی شروع کر دی تمام بچے بین کی آواز سن کر وہاں جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ ہی خیر دین بھی پہنچا اور بچوں کے ہجوم میں سے گزرتا ہوا سب سے آگے جا کر بیٹھ گیا۔ سپیروں کی اس پر نظر پڑی تو وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ انہوں نے اپنے سانپوں کو پتھاریوں میں بند کر دیا۔ اور اس نئے سانپ کو پکڑنے کے جتن کرنے لگے۔ خیر دین بے تعلق بنا ان کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا لیکن نہ اس پر بین کا کوئی اثر ہوا نہ وہ سپیروں کے ہاتھ آیا۔ سپیرے حیران تھے کہ آخر چکر کیا ہے۔

ایک سپیرے نے بتایا کہ یہ بے حد خطرناک قسم کا سانپ ہے۔ اسے یوں آزادی کے ساتھ بچوں کے

رشتہ دار شادی کے تحفے لے کر آئے ہوئے تھے کسی نے مذاقاً ”سانپ سے پوچھا“ خیر دین! بہن کی شادی میں تم کیا تحفہ دے رہے ہو؟“

شام کو بارات آئی تو خیر دین لاپتہ تھا۔ کسی کو اس کی طرف دھیان دینے کی فرصت بھی نہ تھی شادی دھوم دھام سے ہوئی اور سلیمہ سرال روانہ ہو گئی اس کے کچھ دیر بعد لوگوں کو خیر دین کا خیال آیا تو اسے تلاش کیا گیا۔ اس کے ہم دوستوں نے چاروں طرف پھیل کر اسے آوازیں دیں۔ گھر میں بھی ادھر ادھر دیکھا گیا اور آخر وہ مل گیا لیکن ایسی حالت میں کہ اسے دیکھ کر سب بے اختیار رونے لگے۔ وہ ایک پختہ نالی میں پڑا ہوا تھا۔ اس کا پورا بدن جل چکا تھا۔ اور اس کی روح بدن کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اور اس کے منہ میں بہن کو دینے کے لئے ایک قیمتی ہیرا دیا ہوا تھا۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ وہ باہر سے گھر آتے ہوئے دروازے پہ پہنچا تو وہاں اجنبی عورتوں اور مردوں کا ہجوم تھا اس لئے اس نے نالی کا راستہ منتخب کیا لیکن جوئی وہ نالی میں داخل ہوا اندر سے کھانا پکانے والوں نے چاولوں کی ابلتی ہوئی تیج نالی میں الٹ دی۔ اندھیرے کی وجہ سے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کچھ فاصلے پر خیر دین بھی نالی میں آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ بے چارہ کھولتی ہوئی تیج کی لپیٹ میں آکر مر گیا۔

اس کی ماں جو بیٹی کی شاندار شادی پر بے حد خوش تھی، خیر دین کی موت کی خبر سن کر روتے روتے بے حال ہو گئی۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے اسے دلایا دیا۔ دوسرے روز خیر دین کا جنازہ انسانوں کی طرح اٹھایا گیا اور اسے قبرستان میں دفن کر کے وہیں پر چھوٹی سی پختہ قبر بنادی گئی۔ خیر دین کے رشتہ دار اب بھی کبھی اس کی قبر پر فاتحہ پڑھتے دکھائی دے جاتے ہیں۔

بمراہ چھوڑ دینا خطرناک ہے۔ ہم اسے پکڑ کر لے جائیں گے۔ لیکن بچوں نے شور مچادیا اور آخر محلے کے لوگوں نے سپیروں کو وہاں سے چلتا کر دیا۔ خیر دین ان کی چاریوں میں جانے سے بچ گیا۔

دس بارہ سال کی عمر میں خیر دین گھر کے کام کاج میں بھی ہاتھ بٹانے لگا۔ وہ اپنی بہن سلیمہ کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ وہ اکیلی ہوتی تو اس کے ساتھ لگا رہتا۔ اچھل کود کر اس کا دل بھلاتا اور کسی غیر کو اس کے نزدیک نہ آنے دیتا۔ گھر میں کوئی اور نہ ہوتا تو اس کی ماں محلے کی دکان سے منگوائے جانے والے سامان کی فہرست بنا کر کانڈر اس کے سامنے ڈال دیتی۔ وہ اسے منہ میں پکڑ کر دکان پر لے جاتا اور فہرست دکاندار کو دے آتا۔ وہاں سے دکان پر کام کرنے والا کوئی لڑکا مطلوبہ سامان اس کے گھر میں پہنچا دیتا اور قیمت لے جاتا۔ دکان پر ابتدا میں تو لوگ اسے دیکھ کر ڈرتے گھبراتے تھے لیکن جب اس کی حقیقت سے واقف ہوئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ سانپ بے ضرر ہے تو وہ اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اب کبھی وہ دکان پر پہنچتا تو باقی گاہک ادھر ادھر ہو کر اسے راستہ دے دیتے اور ہستے ہوئے دکاندار سے کہتے کہ بھائی پہلے خیر دین کا کام کر دو۔ ہم بعد میں سودا لیں گے۔ دکاندار بھی سب کو چھوڑ کر پہلے اس کی پرچی لیتا اور سامان لڑکے کے کندھے پر لٹوا کر خیر دین کے ہمراہ بھیج دیتا۔

اسی صورت سے پرورش پاتے پاتے خیر دین اور سلیمہ 17 سال کے ہو گئے۔ سلیمہ ابتدائی ہی سے صحت مند اور خوب صورت لڑکی تھی۔ جوانی میں اس کا روپ اور بھی نکھر گیا۔ چنانچہ خاندان بھر میں اسے اپنی بہو بنانے کی خواہش موجود تھی۔ آخر ایک جگہ اس کا رشتہ طے ہو گیا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

شادی کے آخری مرحلے پر جب کہ سلیمہ کے تمام

﴿محمد جمیل-----حیدر آباد﴾

☆☆☆☆

پتھر کی گیند

پتھر کی یہ خوبصورت اور بڑی گیند بجائے خود ایک عجوبہ ہے کوسٹاریکا میں پائی جانے والی یہ گیند ماہرین آثار قدیمہ کے لئے الجھن کا باعث بنی ہوئی ہے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ عظیم و عجیب گیند چالیس لاکھ سال پہلے تیار کی گئی تھی۔

یہ گیند اتنی پرانی ہے اس پر تو ماہرین کو کوئی حیرت نہیں ہے۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ اس گیند کو بنانے والے نے کیسے بنایا ہو گا؟ کس غرض سے بنایا؟ اور بنانے والا کون تھا؟ میرا اندازہ یہ بھی ہے کہ یہ گیند قدرتی پتھر کے نتیجے میں خود ہی بن گئی ہوگی۔ ماہرین ماحولیات کا خیال ہے کہ یہ گیند کسی اور دنیا کے باسیوں کے ہاتھ کا کمال ہے۔

بہت سردی کے بعد نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ لاکھوں سال پہلے انسانی ہاتھوں نے اوزاروں کی مدد سے یہ عظیم الجثہ گیند تیار کی تھی۔ لیکن گیند تیار کرنے کا مقصد عقل کی گرفت میں نہیں آسکا ہے۔ بہر حال اتنا واضح ہے کہ یہ گیند کھیلنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہو گی۔ اگر کھیلنے کے لئے بنائی گئی ہوگی تو کھیلنے والے بھی پہاڑ جیسے ہوں گے۔ بہترین ڈھنگ سے تراشی ہوئی اس گیند کا چکنا چن بھی حیرت انگیز ہے۔

سینگ اور دم والا بچہ

پولانڈ نے پتھر کی بدم دعا دی تھی۔ پتھر کے کانوں میں پولانڈ کے الفاظ گونجتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے پتھر بہت پریشان رہتی تھی۔

پتھر کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے تو وہ اور بھی

پریشان ہو گئی۔ پولانڈ نے اولاد کے بارے میں ہی تو بد دعا دی تھی۔ وہ بہت گھبرا کر ڈاکٹر کے پاس پہنچی ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد پتھر سے کہا۔ سب ٹھیک ہے حمل طبی اصول کے مطابق ٹھیک طریقے سے نشوونما پا رہا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ پتھر مطمئن ہو گئی اور اس کے ذہن سے وہم کی گرد صاف ہو گئی۔

جب پتھر نے بچے کو جنم دیا تو وہ اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ بچے کے سر پر دو سینگ تھے۔ اور پیچھے ایک چھوٹی سی اوپر کو اٹھی ہوئی دم لگی ہوئی تھی۔

پتھر اس بچے سے اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ اس نے اسے دوبار دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ پتھر کا کہنا ہے کہ میں بھی ماں ہوں۔ ماما میرے اندر بھی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری اولاد مار ڈالی جائے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ میرے بطن سے پیدا ہوا یہ بچہ انسان کا بچہ نہیں لگتا۔ پھر میں اسے پال کر کیا کروں گی۔ بڑا ہو کر یہ انسانوں پر ہی قہر ڈھائے گا۔ اس لئے اسے زندہ رکھنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹروں نے اسے زندہ رکھنے کے لئے یتیم خانے میں بھیج دیا ہے۔ بچہ زندہ سلامت ہے اور عام بچوں کی طرح بڑا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ ایک عجیب سی آواز نکالتا ہے۔

پتھر کے ساتھ دوسرا حادثہ یہ ہوا کہ اس عجیب المخلقت بچے کی پیدائش کے بعد اس کے شوہر سیول نے اس سے ناٹھ توڑ لیا ہے۔ حالانکہ سیول کا کہنا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ یہ پولانڈ کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ پولانڈ سیول کی پہلی بیوی کا نام ہے۔

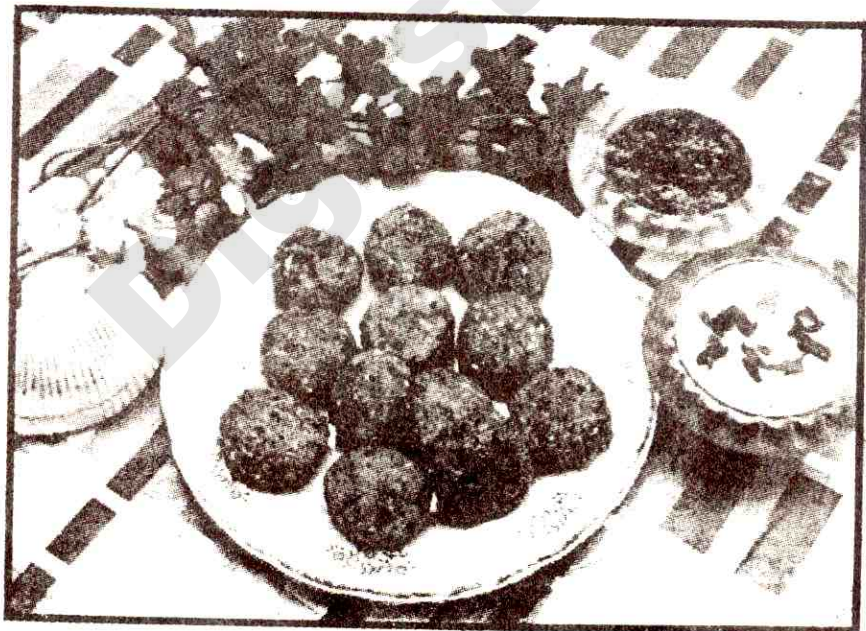
﴿عبدالستار-----بہاولنگر﴾



شاہدہ کا دستر خوان انچارج۔ شاہدہ پروین

کھانے پکانے کی تراکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف صاف اور خوشخط لکھی ہونے چاہئے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کر دیں گے۔

کھجور کے شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 صیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



منگو لین گوشت

لہسن	ایک چائے کا چمچ
ذیل روٹی	دو سلاکس
نمک	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	4 عدد (کاٹ لیں)
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
انڈا	اوپر لگانے کے لیے
ترکیب -	

سب سے پہلے ذیل روٹی کے سلاکس دودھ میں بھگو کر نچوڑ لیں۔ ماسوائے رس کا چورا اور انڈے کے سب تمام چیزوں کو قیتے میں کس کر کے ایک گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد قیتے کی چھوٹی چھوٹی نکلیں بنالیں۔ اوپر سے انڈا اور رس کا چورا لگا کر فرائی کر لیں۔ پودینے کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمائیں۔ لذیذ بوری کباب تیار ہیں۔

☆ نسرین اختر - لاہور

بھنا گوشت

جزاء -	گوشت	آدھا کلو
تیل اگھی	آدھی پیالی	
پیاز	ایک عدد (چوپ کر لیں)	
مومگ پھلی	دو کھانے کے چمچ (تلی ہوئی)	
دہی	ایک پیالی	
ہری مرچ	ایک چائے کا چمچ (پیٹ)	
نمک	حسب ذائقہ	
اورک	ڈیڑھ کھانے کا چمچ (پیٹ)	
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ (پاؤڈر)	

ثابت لال مرچ کے دو کلوے کر لیں۔ آئل یا گھی میں گوشت براؤن ہونے تک تل لیں۔ اسی میں ادراک، لہسن اور ہری پیاز ڈال کر دو منٹ تلیں پھر چولہے سے ہٹا کر تیل کے علاوہ تمام اشیاء ڈالیں اور کچھ دیر پکائیں۔ جب مصالحہ گاڑھا ہونے لگے تو گوشت شامل کر دیں اور مکمل طور پر پکالیں۔ اوپر سفید تل ڈالیں اور پیش کریں۔

☆ سیما ملک - اسلام آباد

بوری کباب

جزاء -	قیمہ	آدھا کلو
آئل اگھی	آدھا کپ	
ادراک	ایک چائے کا چمچ (پیٹ)	
رس	آدھا کپ (چورا)	

لہسن ڈیڑھ کھانے کا چمچ (پیسٹ) تک پکائیں۔ پھر دھلی ہوئی سالم شروم ڈال دیں۔ گلنے
کالی مرچ ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر) تک پکائیں۔ توڑے پر سجا دیں۔
سرکہ تین کھانے کے چمچ ☆ مختلف پروین۔ کراچی
ترکیب۔ سنگا پوری چاول

انٹل یا گھی گرم کر کے پیاز کو نرم کریں پھر دہی اور سرکہ کے علاوہ تمام اشیاء ڈال دیں۔ گلنے کے لیے
چھوڑ دیں۔ جب گوشت تقریباً گل جائے تو دہی اور سرکہ ڈالیں۔ پھر اچھی طرح بھون کر اتار لیں۔ اوپر سے تلی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر پیش کریں۔
☆ نجمدارم۔ ملتان

مشروم مصالحہ

اجزاء۔ دو پیکٹ مشروم کھیں
چاول ایک گلاس ابلے ہوئے تیل ۱ گھی
آدھا کپ آدھا پیٹھ (باریک توڑ کر ابال لیں) پیاز بڑی
ایک کھانے کا چمچ (پاؤڈر) دو کھانے کے چمچ
ہری مرچ ایک پاؤ (باریک کاٹ لیں) دو کھانے کے چمچ
سویا سوس اجینو موتو نمک حسب ذائقہ
ترکیب۔ ایک پیتلی میں تیل یا گھی گرم کر کے اس کے اندر
ہری پیاز فرانی کر لیں۔ اس میں تمام اشیاء ڈال کر اس کے بعد چاول اور آدھا پیٹھ بھی اس میں ڈال دیں۔
دس منٹ دم پر رہنے دیں۔ لذیذ سنگار پوری چاول تیار ہیں۔ ٹماٹو پچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔
☆ مدیحہ شاہ۔ راولپنڈی

Honey Glazed Beef

اجزاء۔ گوشت نمک شہد کالی مرچ
ایک کلو (سینے کا) حسب ضرورت
آدھا کپ ڈیڑھ چائے کا چمچ (پاؤڈر)

دو پیکٹ دو کھانے کے چمچ دو عدد (کاٹ لیں) ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
دو عدد (جوتے پیس لیں) دو عدد (پیس لیں) ایک چائے کا چمچ (پاؤڈر)
3/4 چائے کا چمچ (پاؤڈر) ایک ٹکڑا (پیس لیں)
ترکیب۔ تیل یا گھی گرم کریں۔ اس میں پیاز، ادراک اور لہسن کو رنگت گولڈن براؤن ہونے تک فرانی کر لیں۔
تمام مصالحے اور ٹماٹو شامل کر دیں۔ 3 سے 4 منٹ

سویا ساس	ایک کھانے کا چج	پیاز	ایک عدد
ادرک	آدھا کھانے کا چج (پیٹ)	گرم مصالحہ	ایک چائے کا چج (پاؤڈر)
سویٹ چلی سوس	ایک کھانے کا چج	اجینو موتو	ایک چائے کا چج
لہسن	آدھا کھانے کا چج (پیٹ)	ٹماٹر	حسب ضرورت (باریک کاٹ لیں)
ترکیب -		ترکیب -	

گوشت میں ادرک، لہسن کا پیٹ، نمک اور کالی مرچ ڈال کر اُبال لیں۔ جب گوشت تھوڑا گل جائے اور پانی سوکھ جائے تو نکال کر ایک بیکنگ ٹرے پر رکھیں۔ اوون کو 210 سینٹی گریڈ پر گرم کر لیں۔ اب ایک پیالے میں شہد، سویا ساس اور سویٹ چلی سوس کو مکس کریں۔ گوشت کے اوپر ڈال دیں (تھوڑا سا بچا لیں) گوشت کے گلنے اور براؤن ہونے تک بیک کریں۔ اس درمیان تھوڑے تھوڑے وقتے سے برش کی مدد سے شہد کا آمیزہ گوشت پر لگاتی رہیں۔ مکمل پکنے پر نکال لیں اور گرم ماگرم سرور کریں۔

☆ یاسمین گل - پشاور

دبئی ٹیل سوپ

اجزاء -

پالک	آدھی گڈی
پانی	آدھا کپ
کرم کلا	آدھا
آئل اگھی	ایک کھانے کا چج
ہری پیاز	دو گڈیاں
ہر ادھیا	آدھی گٹھی
نمک	آدھا چائے کا چج
سلاد	ایک گٹھی
چکن پنجنی	تھوڑی سی
سویا ساس	ایک کھانے کا چج
ترکیب -	

تمام سبز یوں کو ان کے تمام سبز حصوں کے ساتھ

☆ نبیلہ - لاہور

شاہی دال

اجزاء -

دال مونگ	ایک کپ
آئل اگھی	تین کھانے کے چج
دال مسور	ایک کپ
ادرک	ایک کھانے کا چج (پیٹ)
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	ایک کھانے کا چج (پیٹ)
لال مرچ	دو چائے کے چج
کڑی پتہ	تھوڑا سا
بلدی	آدھا چائے کا چج

انچارج
کوپن ماہ اکتوبر 2014ء
نور فاطمہ

میری پسند

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنا شعر یا قطعہ یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کو پینہ نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اسے شناختی کارڈ کی فوٹو کافی لازمی روانہ کریں۔

میری پسند..... ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

نہ ملا کر اداس لوگوں سے
حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں
مرزا محمد یونس - کرمانہ

جذبات محبت چھپ نہ سکے پھر ضبط سے کام لیا
آنکھوں میں آنسو آئے جب تیرا کسی نے نام لیا

شہیدینہ بیگم ————— لاہور

اٹھا جو درد سینے میں اس درد کی دوا تم ہو
قیامت کا نہ ڈر ہوتا تو کہتا میں خدا تم ہو

﴿ثمر عباس﴾ ﴿جہلم﴾

دنیا کے دستور نرالے کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
 نوکھی دولت ہے محبت کوئی پاتا ہے کوئی کھوتا ہے

﴿منظور احمد۔۔ ناروے (حال پاکستان)﴾

ان کی گلی سے گزرا جس دم میرا جنازہ
حسرت سے دیکھتے تھے پردہ اٹھا اٹھا کے

میں ایک ہی منزل کا پرستار ہوں فوزیہ

شہادتہ کنول۔ ملتان

اپنی آواز کی لغزش پہ تو قابو پالو
بیار کے بول تو ہونٹوں سے نکل جاتے ہیں

عبدالکریم کھاریاں

وہ اتنا بھی ساتھ نہیں کہ شامل کیے اس کی

ہر خوبی دنیا والو اس میں ہی ملے گی
وہ اتنا بھی مکمل نہیں کہ کامل کہیں اسے

پیار کی آگ کا سراک شعلہ بتا دیتا ہے
چپکے چپکے کوئی دامن سے ہوا دیتا ہے
سندھ سے ایم ابراہیم مٹھانی

ہم نے مانگی سزا جدائی کی
بس یہی ہم نے ایک برائی کی
تم سناؤ کوئی وفا کی بات
ہم نے تو خیر بے وفا کی
﴿محمد یوسف-----کراچی﴾

خدا کی رو رہی ہے تم خدا کا نام مت لینا
ہماری جان لے لو تم وفا کا نام مت لینا
احمد مندرانی شارچہ

روتا رہوں گا عمر بھر تیری یاد میں اے K
بہتے ہوؤں کو تو جو رونا سکھا گئی ہو

﴿بہادر علی ارشد-----لیہ﴾
یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں ساغر
ہم کالج کے ٹکڑوں میں زخموں کو پروتے ہیں
معراج علی درد، محلہ سیداں گلگت۔
آنکھوں پر غموں کے پہرے ہیں زخم جگر کے گرے

ہیں
فریاد کریں تو کس سے کریں سب دنیا والے بہرے
ہیں

﴿کا مران محمود-----ڈی. جی. خان﴾
مصاب لاکھ بڑھ جائیں عزائم کم نہیں ہوتے
یہ وہ سر ہیں جو کٹ جاتے ہیں لیکن خم نہیں
ہوتے۔

﴿محمد افضل-----شاہ کوٹ﴾

ہر کسی کے سہارے چھپنے سے شناخت کھو بیٹھو گے
دنیا میں دشمن ہزار ہیں اشرف دوست کوئی ہوتا
ہے

اچھو گجر کراچی، نو مظفر آباد
خود پیاس کا صحرا ہوں مگر دل کی یہ ضد ہے
ہر دشت پہ ساون کی طرح ٹوٹ کے برسوں
کچھ دیر ٹھہر ساتھ چلے ساتھ بچھیں گے
اے شمع سحر ہم بھی چراغ سحری ہیں

﴿مبارک علی-----اسلام آباد﴾
رسوائیوں کا دور ہے رہنا سنبھل کے تم
دستک بھی کوئی دیں تو در دل نہ کھولنا
ولی اللہ صادق، کھلاہٹ صوابی

خوشبو کو سب صدا لگاتے پھول سمجھ کر
اک پھول ایسا بھی تھا جو ہمارا دل لے گیا
﴿محمد ایوب-----ضلع راولپنڈی﴾

دل ہی کیا لے گیا بہت اداس کر گیا
جاتے جاتے مجھے خوشبو دے کر پریشان کر گیا
ایم شفیق احمد شفیقی۔ کرناہ گجرات

اس شر بے چراغ میں جائے گی تو کہاں
آ اے شب فراق تجھے گھر ہی لے چلیں
یوں کس طرح کسے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیال یاد کی چادر ہی لے چلیں
ملک امجد علی اعوان، آزاد کشمیر

پلٹ کر دیکھو ظالم تمنا ہم بھی رکھتے ہیں
اگر خوبصورت تم ہو تو پتھر دل ہم بھی رکھتے ہیں
﴿مرزا غلام حسین-----سرائے عالمگیر﴾

میں کس کس کو یاد کروں کس کو بھول جاؤں
ہر کوئی ہے میرے اندر دوڑتے لہو کی طرح
عشرت جہاں

میں آج صرف محبت کے غم کو کروں گا یاد
یہ اور بات ہے کہ تیری یاد آجائے
﴿خورشید عالم-----لالہ موسیٰ﴾

تھا انتظار مجھے جس کا ایک مدت سے
گزر گیا وہ اچانک نظر چرائے ہوئے
﴿غلام مصطفیٰ-----سرگودھا﴾

چاندنی راتوں میں معلوم نہیں مجھ کو
بھولے برے ہوئے غم کیوں یاد آتے ہیں
﴿شازیہ بتول-----ساہیوال﴾

صرف اتنا یاد ہے دستک ہونی بھی ایک بار
زندگی بھر دل کا دروازہ کھلا رہنے دیا
﴿محمد اختر-----رحیم یار خان﴾

اے بلا صاحب تو رخسار یار پھونے لگے تو
پیغام محبت میرا بھی سنا دینا چپکے سے تم
﴿محمد یعقوب-----حیدر آباد﴾

ارشاد کبھی لبوں کا تصلوم کیا نہ کرو
یہ آتش فشاں ہے کرے گا تباہی بہت
ارشاد علی ارشد۔ ضلع انک

دیکھ مت نفرت سے مجھے اک بھکاری جان کر
تو اگر اہل نظر ہے تو میری پہچان کر
﴿سخاوت علی-----جھنگ﴾

میرے پاس سے گزر کر میرا حال تک نہ پوچھا
میں یہ کیسے مان جاؤں کہ وہ دور جا کے روئے
حافظ رانا محمد ادریس۔ سمندری

دیکھ آکر کبھی اجڑے ہوئے دل کی رونق ناز
کیسی بستی تیری یادوں کی بسا دی ہم نے
﴿نجم الحسن بخاری-----راولپنڈی﴾

یہ کارواں لٹنے کا کس کافر کو غم ہے
الم تو یہ ہے کہ ٹوٹے والوں میں ناز تیرا نام آیا
ہے

﴿محمد شہباز-----ملتان﴾
خوشیوں کے رنگ درد کے دھارے بھی دے گیا
وہ فائدوں کے ساتھ خسارے بھی دے گیا

نیلے سمندروں کے حوالے کیا مجھے
اور دیکھنے کو کتنے کنارے بھی دے گیا
﴿سارہ بی بی-----قصور﴾

روٹی کے ایک ٹکڑے کی چاہت عجیب تھی
ہم آگئے ناز بہت دور گھر سے دور
﴿خالد محمود-----خانپور﴾

کوئی رنگ نہیں روپ نہیں جمال نہیں احمر
کرتے ہیں شمار خود کو حسینوں میں مگر
﴿شرافت بھٹی-----گجرات﴾

رنگین تتلیوں کو کر دو خبر یہ جا کے
آرہے ہیں احمر جزیرے میں تمہارے
احمد ندیم کراچی

ستم کرنے والا اتنا تو ستم نہ کرو
ہم ملنے کی دعا کریں اور تم بچھڑنے کی دعا کرو
﴿کرامت حسین-----چنیوٹ﴾

ہم زیست کی راہوں میں دیے غم کے جلا کر
بیٹے ہوئے لمحوں کے نشان دیکھ رہے ہیں

﴿محمد ارشد﴾ فیصل آباد ﴿﴾

لکھ تو چکا ہوں کئی تیرے نام کی غزلیں
راحت قلم کی روانی ختم نہیں ہوتی
(افتخار حسین) ----- سکھر

مجھ کو تو میری قوم کی تقدیر چاہیے
تا اب پیارے دہس کی تصویر چاہیے
اس قوم کو تمہید نہ تدبیر چاہیے
اک فرد با وقار ضمیر چاہیے

اعجاز احمد ندیم۔ لاہور

اوروں کے جس پہ رکھ دیا پھیلا خلوص کا
وہ گہرا زخم مجھ کو میرا دوست دے گیا
معراج علی - گلگت

چاہیں تو گنوا دیں اس کو چاہیں تو پالیں ہم
وہ اتنا بھی مسئلہ نہیں کہ مشکل کہیں اسے
ادھر یاد کریں ہم ادھر محسوس ہو اس کو
وہ اتنا بھی عالم نہیں کہ قتل کہیں اسے
ثمنہ اقل - گورنوالہ

سنا تھا ہم نے غیروں سے بڑا مشکل گزرتا ہے
جو ساتھی دور ہو اپنا تو وقت بڑا مشکل گزرتا ہے

﴿عبدالرحمان خان۔۔۔۔۔ سوات﴾
ہر اک دھڑکن میرے دل کی صرف تم کو بلاتی ہے
نہیں آتے صداؤں پر تم تو پھر ڈوب جاتی۔

گزرتی ہے جو اب ہم پر وہی تم کو سناتے ہیں
گزارے تھے جو مجھے سنگ تمہارے یاد آتے ہیں
چودری محمد نصیب خان - گجراتی

جو تم بدلے بدلے نظر بدل زمانے کی
یہ آنسو چار بقی ہیں نشانی دل لگانے کی
﴿کَلْثُومِ پَاسِمِینِ-----کھاریاں﴾

جدائی کا یہ عالم تھا کہ ہم الوداع بھی نہ کہہ سکے
محبت کا یہ بھرم تھا کہ ہم بے وفا بھی نہ کہہ سکے
خالدہ رضاراجپوت۔ ضلع فیصل آباد

کبھی کبھی تو ستاروں کی چھلوس میں وہ بھی
میرے خیال میں کچھ دیر جاگتا ہو گا
ملک ایم احمد نعیم، جھنجھوڑی - لاہور
چمک اٹھا تھا وہ دل دھڑک اٹھا تھا وہ دل
نہ وہ بھی گھر گئے نہ ہم نے راستہ بدلا

﴿ حاجی محمد عنایت ----- میانوالی ﴾
خدا کرے زندگی میں سدا ٹھوکریں کھائیں
اشرف میرے ہاتھ سے ہاتھ تیرا چھڑانے والے
اشرف جی خیالی کلن منجھ۔ مظفر آباد

آدھی رات کو یہ دنیا
والے جب خوابوں میں سو جاتے ہیں
ایسے میں محبت کے روگی ناز
یادوں کے چراغ جلاتے ہیں

﴿کاشف محمود۔۔۔۔۔ سلوانالی سرگودھا﴾

دلہ لینا میرا جنازہ تم
تیری بارات سے اچھا ہو گا
ایم ابراہیم مٹھانی۔ مسو بوندوار

میری زندگی میں ہوا کے جھونکے کی طرح آنے والے
میرے دل پر لکھا نام چاندنی نہ مٹا سکے زمانے والی
نوازش روز ----- ضلع لاہور

[illegible]

ماہنامہ سخی کہانی ۱۱ ہور ۱۹۰ اکتوبر ۲۰۱۴ء

گلہ کریں تو کس سے بچنے کا
ہم اس قتل ہی نہیں کہ کوئی ساتن سے وفا کریں
﴿منشی فتح محمد-----شد و محمد خان﴾

پیار کی طرح اے صنم میں تو جان دوں گا
وقت نے خون مانگا تو خون جگر دوں گا
افتاز ساجن۔ نوشہہ ورکل

چراغ شب کو جیسے آندھیاں اچھی نہیں لگتیں
کچھ ایسے ہی ہمیں خوش نہیں اچھی نہیں لگتیں
جنہیں سونے کے پنجرے میں غدا مل جائے چاندی کی
انہیں پھر عمر بھر آزادیاں اچھی نہیں لگتیں

﴿نسیم احمد-----راولپنڈی﴾

اے صنم جس نے تجھے چاندی صورت دی ہے
اُسی اللہ نے مجھ کو بھی محبت دی ہے

﴿احمد علی-----نواب شاہ (سندھ)﴾

تمہیں گزرے ہوئے لمحوں کا واسطہ
میری زندگی میں تو لوٹ آ

﴿زبیر حسین-----صادق آباد﴾

میری زندگی تیرے دم سے تھی
اے صنم تو میرے دل کا قرار تھا

نعیم بھنگوی۔ لاہور

توجہ دے تعلیم پر نہ پڑھ عشق کے غداہوں میں
ہمیشہ برباد ہوئے ہیں جو پھول رکھتے ہیں کتابوں میں

﴿سجاد حسین-----ٹوبہ ٹیک سنگھ﴾

روتا رہوں گا عمر بھر تیری یاد میں اے ایس
ہنتے ہوؤں کو تو نے جو رونا سکھا گئی ہوا

شفیق حسین شاہ۔ ملتان

زخمی ہوئے جو ہونٹ تو محسوس یہ ہوا
چوما تھا کسی پھول کو دیوانگی کے ساتھ

محمد ادریس۔ سمندری ضلع فیصل آباد

ماہنامہ۔ سچی کہانی لاہور 191 اکتوبر 2014ء

سب کچھ اسے لوٹا دیا انعام سفر میں
حتیٰ کہ کہیں یاد کا گوشہ بھی نہ رکھا
دل یاد بھی کرتا تو کہل ڈھونڈنے جاتے
آنکھوں نے تو محفوظ وہ راستہ بھی نہ رکھا

﴿محمد آفتاب-----سکھر﴾

دن کو مسمار ہوئے رات کو تعمیر ہوئے
خواب ہی خواب فقط روح میں جاگیر ہوئے
عمر بھر لکھتے رہے پھر بھی ورق سدا رہا
جانے کیا لفظ تھے جو ہم سے نہ تحریر ہوئے

﴿حاجی محمد یوسف-----مردان﴾

آنکھیں ہیں فرش راہ اور دل محو انتظار ہیں
کبھی تو آؤ چاہنے والوں کے شہر میں

﴿جاوید اقبال-----میرپور خاص﴾

ہو کے انسان تو محبت سے بچے گا کیسے
اس جرم میں تو فرشتوں نے بھی سزا پائی ہے

محمد قرب کرمانہ

صورت دکھا کر پھر بے تاب کر دیا مجھے
اک لطف آچلا تھا نجم انتظار میں

مرزا محمد یونس۔ کرمانہ

جب سے بی ہے اس دل میں تصویر تیری
خدا کی قسم بدل گئی ہے تقدیر میری

راشد انجم سحر۔ دہریہ

ہر وقت بے چین سا رہتا ہوں
مجھے کہیں بھی سکون نہیں ملتا

بھٹکتا رہا ہوں اندھیروں میں عاصم
اب تو کوئی کنارہ سحر نہیں ملتا

بابو محمد رفیق عاصم۔ ضلع گجرات

زندگی جس کے تصور میں بنا لیتے ہیں
وہی وعدہ محبت میں دفا دیتے ہیں

ہم نے ان آنکھوں میں دیکھا تھا تصور اپنا
لوگ کہتے ہیں افسانہ خالد بنا لیتے ہیں

خالد جلید عامر۔ بھاگاولا

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے
اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے
محسوس یہ ہوتا ہے یہ دور تباہی ہے
شیشے کی عدالت ہے پتھر کی گواہی ہے

﴿منظور احمد-----میرپور (AK)﴾

اتحادیہ سواروں زلفیں اپنی گھاؤں سے ڈر گتا ہے
کوئی تو بات کر تیری خاموشی سے ڈر گتا ہے
تو ہنسنے تو رقص کرتی ہیں چمن میں بہادریں
اہل گلشن کو بھی ساحل تیری خاموشی سے ڈر گتا ہے
غالد ابا ز ساحل حافظ آباد

ہوئی بات پرانی مگر اب سوچتی ہوں
عام سا شخص تھا اس پر دل آیا کیسے
﴿طاہر حسین۔۔۔۔۔احمد پور شرقیہ﴾
سوچتے ہیں حسرتوں کے موڑ پر شام و سحر
جائیں گے ساغر کماں ان کی گلی سے روٹھ کر

علی مراد کراچی
روٹنای رہے مجھے منظور ہے لیکن
یارو اسے سمجھاؤ میرا شہر نہ چھوڑے
(ایم ایوب)۔۔۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

دو دن کی محبت کا یہ صلہ ملا ہے عزت
 زخموں کی کائنات کوئی دے گیا مجھے
 عزت یا سب سے نازو فیصل آباد
 اسی نے زخم سینے پہ لگائے ہیں جدائی کے
 اک عمر جس کو ٹوٹ کر چاہا تھا رات دن
 مانا کہ سو عیب ہیں اپنی ذات میں مگر
 بکتے نہیں ہیں خدا کی قسم ہم باضمیر لوگ
 نسیم چوہدری فیصل آباد

وہ دل کے پھول پر نکھار دیکھ نہ سکا
وہ اطمینان کی بہار دیکھ نہ سکا
وہ اس قدر اچھا رہا اپنے سماں میں
وہ زندگی سے کر کے پیار دیکھ نہ سکا
(سید مختار حسین) ----- کراچی

یہ کلچ کے غلوں کو اٹھانے کی سزا ہے

بہار کے نلکوں کو بگل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ تو علاج ان کا اے چارہ گر ہے کہ نہیں

✽ ممدالستار ----- خانپور ✽

ہر ست سے نفرت کے ہیں پتھر میری جانب
اب تک کی وفاؤں کا بس اتنا ہی صلہ ہے
آندھی ہے کوئی سرخ نہ طوفان ہے بربا
ہر روز نیا شخص میل قتل ہوا سے

﴿محمد رمضان۔۔۔۔۔۔ لالہ موسیٰ﴾

تو چاہے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا تیری زلف کے پر ہونے تک
شقی صبر طالب ہو تو تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
طالب شاہن - اے بی دی

فرہم کے خود تجلی کے سلسل
غم کے ہل تو خوشی سچ ڈلی
جلت کے بازار میں لٹ گئے ہم
آنسو خریدے اور ہنسی سچ ڈلی
چوہدری محمد نصیب اللہ خان، دہوریہ سعودی عرب
کلمہ پر دلیں قسمت میں وطن کو یاد کیا کرتا
مناں بے درد لوگ وہاں فریاد کیا کرتا
کثر طارق جاوید ساحر فورٹ عباس

کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

انچارج..... معیزہ کھر

غزل لید نظمید

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اپنی غزل، نعت، نظم یا پھر اپنے پسندیدہ شاعر کا کلام ارسال کر سکتے ہیں۔ اس کے ہمراہ آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کا پی لازمی روانہ کریں۔

کچھ غزلیں، نظمیں..... ماہنامہ بچی کہانی، 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

آزاد نظم
 زخم کھا کے بھی ہم مسکراتے رہے
 قہقہوں میں غموں کو چھپاتے رہے
 فانی دنیا سے دل کو لگاتے رہے
 عاقبت لوگ اپنی گنوا تے رہے
 اور بھی ظلم ہم پر وہ ڈھاتے رہے
 داستان جن کو غم کی سناتے رہے
 گو بظاہر وہ مجھ سے خفا سے رہے
 گیت، غزلیں مری سگناتے رہے
 آج امتیاز نہایت وہ دلگیر ہیں
 دل ہمارا کبھی جو دکھاتے رہے
 ☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

غزل

جو ابابیل کی کہانی ہے
 مجھ کو وہ داستاں سناتی ہے
 بات ہے مستند حوالوں کی
 بات گو کہ بڑی پرائی ہے
 تیری تصویر میں ہے رکھا کیا
 ساری دنیا تری دیوانی ہے

چودھویں کا چاند دیکھا
 تو
 اس کی مسکراہٹ کا گمان ہوا
 جھیل کی گہرائی پر نظر پڑی
 تو
 اس کی آنکھیں یاد آ گئیں
 پھول کھلا ہوا دیکھا
 تو
 اس کے حسن کا دھوکا ہوا
 پھر میں سوچتا رہا
 کہ
 اس حسن کے شاہکار کو
 کس
 شے سے شبیہ دوں

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

غزل

ماہنامہ بچی کہانی لاہور 193 اکتوبر 2014ء

سبھی کو اچھائی دینے والے
مجھے نہ تو کچھ خراب دینا
زمانے بھر سے کہے ہے سندر
مجھے تو مال نیاب دینا
☆ ڈاکٹر سید نعیم احمد ایب جعفری سندر
موبائل نمبر 0322-3816602 کراچی

تنازعے

ماہین ہمارے سدا سے تھا

جو ایک سنگین تنازعہ

وہ تھا وقت کا

میری مصروفیت اور تمہارے درمیاں

تم ہمیشہ

میرا پہلا انتخاب رہے

تمہارے کام اور میرے بیچ

میں ہمیشہ

تمہاری آخری ترجیح تھی

☆ حمیرا فضا۔ رحیم یار خان

دُکھ بولتے ہیں.....!

جب سینے اندر سانس کے دریا ڈولتے ہیں

جب موسم سرد ہوا میں

چپ سی گھولتے ہیں

جب آنسو

پلکیں رولتے ہیں

جب سب آوازیں اپنے اندر

تب آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہیں

دکھ بولتے ہیں.....

اس نے بے ساختہ کہا مجھ سے

اچھا! تم پر ابھی جوانی ہے

جیسے دریا کوئی سبک رفتار

میری تحریر میں روانی ہے

معجزہ ہے کمال کا یہ مراد

دیکھا جائے تو صرف پانی ہے

☆ رحمان امجد مراد۔ سیالکوٹ

غزل

تیری غموشی سے دھک اٹھتے ہیں شرارے بھی

کاش! کوئی پھر دیکھے آج آنسو ہمارے بھی

غم اٹھائے تھے تیری وفا کے لیے ہم نے

مشکل لحاظ میں پھر کوئی یوں کسے پکارے بھی

تیری بے رخی کا برا نہیں مانتے ہم

تو لاکھ دل پہ کرے ستم ہمارے بھی

بلی تھیں دوریاں بھی قسمت میں

غم کے ماروں کو یوں ملتے نہیں جھنارے بھی

کچھ لوگ سزا کے منتظر ہیں یوں بھی جاوید

قسمت والوں کو پھر سے ملتے نہیں سہارے بھی

☆ محمد اسلم جاوید۔ فیصل آباد

غزل

کدورتوں کو بھلا کے اب تم

محبّتوں کا حساب دینا

کئی زمانے میں کھو چکا ہوں

ذرا سا اپنا شباب دینا

زمانے بھر کا جو غم بھلا دے

مجھے تم ایسی شراب دینا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ان جسوں سے دل نہ لگانا
جن میں نہیں ہے نام وفا
لونا تو ہے سب کی ضرورت
کرسی کی ہے شان جدا
تقیدوں سے کیا حاصل ہو گا
طے کریں ملکہ آپس کا جھگڑا
جس مذہب میں تفریق نہیں ہے
ایک نبی ہے ایک خدا ہے
جمہوری عمل کو قائم رکھو
وقت سنائے گا فیصلہ اپنا
﴿رابعہ گلزار﴾۔۔۔۔۔ اسلام آباد ﴿﴾

غزل

جب محبت کسی انسان کو بڑا دیتی ہے
نیند آنکھوں سے سکون دل سے مٹا دیتی ہے
شام ہوتے ہی تری یاد کی پاگل خوشبو
ایک فرزانے کو دیوانہ بنا دیتی ہے
نیند آنے کی طرح آتی ہے کب آنکھوں میں
یہ بھی کیا کم ہے کہ برسات میں اک پھول کی موت
شاخساروں پہ نئے پھول کھلا دیتی ہے
وقت سا کوئی بھی استاد نہیں ہو سکتا
زندگی جینے کے آداب سکھا دیتی ہے
دل کے بازار میں ہوتا ہے وفا کا سودا
کثرت حرص مگر مول گھٹا دیتی ہے
بعض اوقات تو شہرت کی تمنا ضیفم
سوکھے پتے کی طرح ہم کو گرا دیتی ہے

دکھ بولتے ہیں.....!

☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0300-6242575 گجرات

اک یاد گار ملاقات

میٹھی زبان میں وہ تیرا ہم سے ہم کلام ہونا
شادی میں نسیم کا بھی وہ تیرے ساتھ ہونا
ایک تو کم بخت تھا ظالم تیرا شباب
میں نے دیا شام کو تیرے ہر سوال کا جواب
بیچ جلدی اٹھ کر جب تو اپنے گھر جانے لگی
تیرے جانے کے بعد تیری یاد مجھے ستانے لگی
جاتے ہوئے تو نے کہا کہ ہمارے گھر آنا
پھر میں سوچنے لگا کوئی اچھا سا بھانہ
ایک دن میرا اور خالہ کا تمہارے گھر آنا
مجھے اب بھی یاد ہے وہ وقت سہانا
دے دیا شرا کر تو نے میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ
اور کہا بھانوں گی میں زندگی بھر تیرا ساتھ
میں نے اب بھی رکھی ہوئی ہے وہ چین سنبھال کر
اب تو بھی مجھے اپنا بنالے ان یادوں سے نکال کر
افتخار احمد سلطانی۔ کوٹ رادھا کشن

غزل

بجلی پانی ، گیس ، ہوا
ہے زیست سے رشتہ چاروں کا
ماہرین کی لاپرواہی سے
کوئی حاضر کوئی غائب رہنے لگا
پیداوار بڑھاؤ ورنہ
ہو جاؤ گے تم بھی رسوا

دنیا والوں کے لئے جملہ تنقید بنی
جب مرے لب سے کوئی بات نویلی نکلی
خطرناک سانپ تھا موجود ہر اک سو ضیغ
سیر گلشن کو یہ چمپا نہ چنبیلی نکلی
ضیغ حمیدی - ایم اے کراچی

غزل

تلاش کرنے سے دنیا میں کیا نہیں ملتا
مرا ندیم مرا دلربا نہیں ملتا
ہمارے آئے جن میں تو کس طرح آئے
گلوں سے رنگ مزاج صبا نہیں ملتا
فراق یار کے لمحات جان لیوا ہیں
کیس قرار مجھے اے خدا نہیں ملتا
اک ہو خواہش منزل ہزار ہا رستے
خدارا یہ نہ کو راستہ نہیں ملتا
دعا کے واسطے حرف دعا نہیں ملتا
وفا شعار کا شیوہ ہے بس وفا کرنا
یہ اور بات وفا کا صلہ نہیں ملتا
قدم قدم پر جھائے خزاں ملی ضیغ
کیس سراخ ہمار وفا نہیں ملتا
جہلم

غزل

ہم نے سچ کہنا چھوڑا نہیں
سب کچھ لٹا کر بھی قلم توڑا نہیں
سچ اور جھوٹ میں امتیاز رکھا ہے
حق کو بھی باطل سے جوڑا نہیں

﴿عظمت حسین-----سرگودھا﴾

نظم

کوئی جب ماہ پارایاد آیا
غم کا سہارا یاد آیا
بھلایا تھا جسے ہم نے
وہی ہم کو دوبارہ یاد آیا
کبھی جو ساتھ میرے جاگتا تھا
وہ اک روشن ستارا یاد آیا
امیروں کا غریبوں کے جہاں میں
محبت پر اجارا یاد آیا
لٹا تھا جو وفا کے بھولپن میں
غریب کا دل پھارا یاد آیا
گذاری تھیں جہاں شایں بہت سی
وہ دریا کا کنارہ یاد آیا
کبھی ہم تم تھے جس منظر کا حصہ

﴿غلام محمد-----پنڈی گھیب﴾

غزل

بوچھ پایا نہ جسے میں وہ پہلی نکلی
وہ کسی اور ہی ساجن کی سہیلی نکلی
تھے بہت اس کے تعاقب میں شکاری شاید
اس لئے گھر سے وہ نکلی نہ اکیلی نکلی
میں تھا مفلس سو منجم کو ہوئی مایوسی
اجڑی اجڑی مری قسمت کی ہتھیلی نکلی
جس کے عظمت کے تھے مشہور بہت تھے
میری کنیا سے بھی کمتر وہ حویلی نکلی

ماہنامہ سچی کہانی ستمبر 1964 اکتوبر 2014ء

خود تو ہو گیا وہ غیروں میں شلا
میریت منلوں کو سکتا چھوڑ گیا
دل بسل تو اب بھی اسی کو پکارتا ہے
ہجر کے صحرا میں جو جھٹکتا چھوڑ گیا
(کرامت حسین)۔۔۔۔۔ ضلع فیصل آباد

غزل

محبیتیں بے حساب دے کر
پھر گیا وہ عذاب دے کر
سوال سننے سے قبل ہی وہ
چلا گیا ہے جواب دے کر
سبھی ستارے وہ چھین لے گا
بجھا ہوا آفتاب دے کر
تمام گلشن سمیٹ لو تم
مجھے فقط اک کتاب دے کر
پھر گئے ہیں رفیق میرے
رافقوں کے عذاب دے کر
گھرے بھی کچے دیے ہیں اس نے
محبیوں کا چناب دے کر
نکھر گئیں ہیں مری بھی آنکھیں
زمین کو تھوڑا سا آب دے کر
بچے گا کیا میرے پاس آخر
محبیوں کا حسب دے کر
سکون دل کو عطا کیا ہے
نئے نئے اضطراب دے کر
تلاش ساحل میں مجھ کو رکھا
میری نظر کو سراب دے کر
ساحل ہاشمی۔ غازی آباد لاہور

پنجابی نظم

چنگے ٹر گئے بھدے رہ گئے
بندے ادھ وکھدے رہ گئے

فاتوں میں بھی ضمیر بچا نہیں
حرص اپنی موت آپ مر گیا
جو ملا ہے وہ تھوڑا نہیں
شاہد ہم لاکھ بڑے سہی پر یہ حقیقت ہے
ہم نے کبھی کسی کا دل توڑا نہیں
(محمد ابراہیم)۔۔۔۔۔ رحیم یار خان

غزل

میں نے جس سے پیار کیا وہ ہر حال نکلا
محبت کا جوازہ بہت دھوم دھام سے نکلا
زندگی اپنی گزری ہے تپتے صحرا میں
میرے گھر پر سورج سدا سر شام نکلا
بہت جنون تھا ہمیں ناموسی کا
نقدیر ہی ایسی تھی قسمت میں سکھ نہ آرام نکلا
کچھ نہیں وہ خون جگر کی بوندیں تھیں
لاکھ جھپٹا جس کو ہم نے وہ قاتل سر عام نکلا
اس کے آنے کی امید پہ کھلا در ہم نے چھوڑ دیا
کیا کرتے ہم وفا جب صنم ہی بے وفا نکلا
تنہا بہت تھی ان کو کچھ کر دکھانے کی
کیا کرتے ہم فوزیہ نصیل ہی جب لے نام نکلا
فوزیہ بشیر۔ لاہور

غزل

راہ وفا میں وہ مجھے تنہا چھوڑ
دے کے فریب محبت مجھے روتا چھوڑ گیا
اس سے بڑھ کے اور کیا ہو چارہ گری کا دکھ
درد کا سمیٹا زخموں کو رستا چھوڑ گیا
ترک کر کے وہ راہ رسم و دوستی
میری وفا کے چراغوں کو جلتا چھوڑ گیا
انکار جگر کو درد ہی درد دے کے
دل تباہ کو تڑپتا چھوڑ گیا

پیار کا پل صراط

اسے انجان رستوں سے گزر جانے کی خواہش تھی
محبت میں امر ہونے کی مرجانے کی خواہش تھی
وہ کہتا تھا یہ جیون تیرگی ہے
اور ہمیں اس تیرگی میں روشنی کے رنگ بھرنے ہیں
یہ ہم کو مختصر سے چند لمحے جو میسر ہیں
یہی لمحے محبت سے ہمیں میرا ب کرنے ہیں
کسی کو دور رہی سے دیکھنا ہے اور کسی سے بات کرنی تھی
جہاں یہ دن گزر جائے وہیں یہ رات کرنی تھی
وہ کہتا تھا محبت کا کوئی موسم نہیں ہوتا
یہ ہر موسم کا جذبہ ہے کبھی جو کم نہیں ہوتا
ادھوری سی محبت ہے ہمیں تکمیل کرنی ہے
حسین لوگوں کے ہر اک حکم کی تعمیل کرنی ہے
محبت کو سننے ڈھب سے بسر کرنے کی اک خواہش
اسے شب بھر جگاتی تھی.....
نجانے کون سی چاہت اسے شب بھر لاتی تھی
اسے ہر شخص کو حیران کر جانے کی خواہش تھی
محبت میں امر ہونے کی مرجانے کی خواہش تھی

(اک مہرباں کے نام)

غزل

اگر بیوفا بن کر زخم ہمیں لگائیں گے
ہم وہ زخم سینے پر ہی کھائیں گے
جہاں سے گزریں گے محبوب میرے
ہم وہ مٹی سینے سے لگائیں گے
بچھنے نہ دیں گے چراغ محبت
اسے اپنا خون دے کر جلا لیں گے

گھائے . دا کی آیا زمانہ
عمریں دے دن اوسے رہ گئے
گھوڑے لے گئے ٹانگیں والے
چوہدریاں لٹی گدھے رہ گئے
نکیں نکیں دے آج فتنے
دیکھن لٹی مکدے رہ گئے
دایک چٹ گواہنیاں لیلیں
گھر پڑنے سدے رہ گئے
سن کے حکم تلاش والا
بہتے حاجی جدے رہ گئے
سے بھج وڑے کھلوں
کتے ہتھ وچ بھندے رہ گئے
کھوتا کر گیا ڈھینچوں ڈھینچوں
مسکے کندھے لدے رہ گئے
جیرے بین جیوں خالی
اے انصافوں ولے رہ گئے
شاعراں جلا یا قبریں ڈیرا
خالی تکیے تے گدے رہ گئے
میاں منیر حسین۔ رحیم یار خان
زندگی

زندگی آتی ہے واپس چلے جانے کو
سوت جاتی ہے مگر یادیں زمانے کو
کسی ایک کے ساتھ بھی کرتی نہیں یہ وفا
پھر بھی لوگ بیٹھے اس کا دھوکا کھانے کو
چھین لیتی ہے یہ سب کی خوشیوں کو
چھوڑ دیتی ہے مگر آنکھیں آنسو بہانے کو
دے کر داغ جدائی کے رخ بدل لیتی ہے
یادیں رہ جاتی ہیں فقط دل بہلانے کو
شع کی مانند جل جل کر پکھل جاتی ہے
جلا دیتی ہے اکرم ساتھ اپنے ہر اک پردانے کو
محمد اکرم۔ تدریج

دی ہے قدم قدم پر رسوائی مجھے
اور کہاں تک وہ آزمائیں گے
دیکھیں گے جب زخمی دل میرا
پھر تو ترس بھی کھائیں گے
وہ چھوڑ دیں گے اوروں کے ساتھ سفر کرنا
انور وہ ایک دن تیرے ہم سفر ہو جائیں گے
ایم انور علی فیصل آباد

غزل

سنا جب تیرا حسن چہ عالم تیرے شر میں
تو کرنا پڑا کچھ دیر قیام تیرے شر میں
مجھے ملنے کی آرزو جب حد سے بڑھ گئی
تو مشکل ہو گئی گزرائی ہر شام تیرے شر میں
ڈھونڈا میں نے جب سگی سگی تجھ کو
دیوانہ کہنے لگے لوگ تمام تیرے شر میں
آنے لگا جب میرا نام تیرے نام کے ساتھ
خوب رسوا ہوا میرا نام تیرے شر میں
گلد کسی سے بھی نہیں کرے گا اب شاکر
کیونکہ رہتے ہیں بے وفا عالم تیرے شر میں
جلوید اختر شاکر فیصل آباد
بے چارہ شوہر

جب بھی اس شیر دل کی بیوی نے
اس پر یہ چٹا کبھی اٹھایا ہے
ایسے موقع جا کے جلدی سے
میں نے اکثر اسے پھیلایا ہے
ہے بہت فائدہ پڑوسی کا
بیوی جب پٹے پر آتی ہے
چچ سن کر بچارے شوہر کی
آپروں سے چھڑاتی ہے
ایف این ملک ملکن

نظم

جب سارا جگ سوتا ہے
یہ دل پیار میں تیرے روتا ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو
جب پت جھڑیت جاتا ہے
اور ہماریس لوٹ آتی ہیں
جب ساون نئے لٹاتا ہے
اور یون گیت سناتی ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو
جب مور پیسے گنگناتے ہیں
اور ملن رت پھر آتی ہے
جب گھنگھور گھنائیں چھا جاتی ہیں
اور پیار کی بارش ہوتی ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو
جب صبح سناں ہوتی ہے
اور سارا دن بیت جاتا ہے
جب سورج بام سے ڈھل جاتا ہے
اور چاند چاندنی بکھیرتا ہے
تب یاد تجھے میں کرتی ہوں
تم یاد مجھے کب کرتے ہو

﴿رسولان نبی نبی۔۔ منڈی بہاؤ الدین﴾

غزل

بیخانہ چھوڑ کے سوئے حرم چلا
وہ راہ میں ملے تو ارادہ بدل گیا
کہتے ہیں وہ بتائیں ہم اپنے دل کی بات
ان کو خبر نہیں کہ دل، دل سے نکل گیا
طوفانِ غم فراق میں اتنے اٹھے کہ جب
ہر اشک مرا یارودِ باراں میں ڈھل گیا
کہتے ہیں لوگ مجھ کو یہ دیوانہ ہے کوئی
خارو کسی کے عشق میں حیلہ بدل گیا
خاورِ سعید۔ لاہور

غزل

ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھاتیا
انہیں تو مل گیا سکون انہیں تو چین آگیا
چراغ کی لپیٹ میں تھا آشیاں
جلاری تھیں شاخِ گل کو جلیاں
خدا پہ چھوڑ کے باغباں چلا گیا
ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھاتیا
دل تباہ تو ہی خود بتا ہمیں
ملی ہے کس گناہ کی سزا ہمیں
چمن میں کیوں خزاں کا رنگ چھاتیا
ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھاتیا
جواب کون دے ہماری بات کا
وہ پیار تھا کہ خواب ایک رات کا
چراغ تھا جسے کوئی بجھا گیا
ہمارا کیا ہے دل اگر جفا کی چوٹ کھاتیا
عابد ندیم، جھنگ

غزل

دل والے ہی دل سے محبت کرتے ہیں
خونِ دل سے جہمِ محبت بھرتے ہیں
ان کی ہار میں جیت کا رنگ ہی ہوتا ہے
دنیا والے کہتے ہیں وہ ہرتے ہیں
پیار کا رستہ جنگلِ رستہ ہوتا ہے
جس پہ پاؤں خوشی سے اپنے دھرتے ہیں
ان کی شبنم سب سے زلی ہوتی ہے
جیتے ہیں وہ شبنم سے یا پھر مرتے ہیں
رستے میں جو لوگ پھرتے جلتے ہیں
تھا درو کا موسم دل پہ جھرتے ہیں
تو بھی کسی کو یاد کرتا ہو گا اب
اس موسم میں سب ہی ایسا کرتے ہیں
مجموعہ پوری۔ فیصل آباد

منگائی

آئی	منگائی	آئی	منگائی
آئی	منگائی	آئی	منگائی
میسویں	کو	بھی	ساتھ
مزدوروں	کی	بھی	خاک
آئی	منگائی	آئی	منگائی
ایسروں	کی	ہے	دولت
غریبوں	کو	نہ	ملے
آئی	منگائی	آئی	منگائی
دولت	والے	بھی	تھے
سب	کو	سودائی	بنایا
آئی	منگائی	آئی	منگائی

میناب۔ کراچی

غزل

گری سے میں تو آتشِ غم کی پکھل گیا
جیسے شمع کے حسن سے پروانہ جل گیا

میں جن راہوں سے گزرتے ہوئے ڈر جاتی تھی
آج کام کام پہ بیٹھے ہوئے، وہاں پاسہاں کیوں ہیں
میری بری، بھلی تفسیر میں ہاتھ آپ کا ہے
اپنے کلام سے پھر آپ اتنے گریزاں کیوں ہیں
ہے یہ تسلیم کہ چلا تھے ٹوٹ کر میں نے
میری ”جس“ پہ تھے پھر گلے کیوں ہے
ہے عزم اپنا کسی کو بھی نہ ہم سے دکھ پہنچے
نہ جانے آپ میری ذات سے پریشان کیوں ہیں
جو ناگوار گزرتا میرا کلام ہو تو قطع کیجئے دوستی
آگاہ آج فرخندہ سونا سونا تیرا جہاں کیوں ہے
فرخندہ، میگو

ہے یہ کہانیوں میں کہانی چچی کہانی
سین آپ بھی ہر اک کی یہ زبانی
خریدار ہے ہر کوئی اس کا
کیونکہ کہانیوں میں ہے کہانی چچی کہانی
خدا دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے
پڑھنے والے کے لب پر ہے نام چچی کہانی
میری یہ دعا ہے یہ کرے مزید ترقی
کیونکہ ہے یہ کہانیوں میں کہانی ”چچی کہانی“
پروفیسر غوری

غزل

بن تیرے یہ شر ہمارا اجڑا گتا ہے
گوکہ ہر اک چہرہ تیرا دکھڑا گتا ہے
کوئی نہ جانے مجھ پہ ایک قیامت گزری ہے
اس دنیا کو عام سا میرا دکھڑا گتا ہے
ان کی خوشبو اب تک مجھ کو خود سے آتی ہے
ہاتھ کا ان کے لمس کہیں پہ اٹکا گتا ہے

غچہ پھول اور جام تیرا چہرہ
رفتوں میں اعلیٰ مقام تیرا چہرہ
کتنی ہیں باہم پھول و کلیاں
قاف کی پروں کا نام تیرا چہرہ
ایک شوخ و چنچل تیرا وجود نازاں
ایک بے خودی کی شام تیرا چہرہ
نیم سحر میں تیری ذات سے تازگی
موسم بہار کا نظام تیرا چہرہ
پُر نور زباں میں گیت ریلے
خُن ور کا تکیہ کلام تیرا چہرہ
تسکین شوق کے لئے نکلے ستارے
ہوا جو کبھی لب باہم تیرا چہرہ
تلخی رات سے پہلے خیالوں میں
لکھا ہے سرشام تیرا چہرہ
حد شعور تک ترانہ روپ
رنگ حنا کا نظام تیرا چہرہ
ہر گھڑی لبوں پہ آہ سوزاں
سوئپ گیا یہ کام تیرا چہرہ
ہماروں کی اداؤں میں چھپا ہے
اے ماہ پاروں کے امام تیرا چہرہ
لے خار جو کی تمنا گل ارشد
لیتا رہا یہ انتقام تیرا چہرہ
ارشد علی ارشد-ترتپہ

غزل

نہیں معلوم، کہ حضور اتنے مہمان کیوں ہیں
میری خوشی کے لئے، رقص میں سارا جہاں کیوں ہے

پھر بھی ہم سے یہ کہتے ہیں اہل چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں
جانے کس کی لگن کس کی دھن میں لگن
جارے ہو کہ مڑ کے دیکھنا بھی گوارا نہیں
ہم نے آواز پر آواز تم کو دی
پھر بھی کہتے ہو ہم کو پکار نہیں
ایسے جینے سے بہتر کہ مر جائیں
ایسا جینا تو ہم کو گوارا نہیں
تم ابھی آئے ہو چلے جاؤ گے
میری اپنی طبیعت کو یہ گوارا نہیں
عمر بھر کا سہارا بنو تو بنو
چار دن کا سہارا سہارا نہیں
ظالم اپنی قسمت پہ نازاں نہ ہو
دور بدلے گا یہ وقت کی بات نہیں
وہ یقیناً" نے گا صدائیں ہماری
کیا تمہارا خدا ہے ہمارا نہیں
محمد اکرم، فرید آباد

ککش حسن

یہ تیرا حسن دیکھ کر ثریا چاند بھی شرمائے
نہ جانے وہ کون جو تیرا محبوب بن جائے
یہ تیری ریشمی زلفیں ہیں یا کہ لہراتے سائے
جو بھی دیکھے انہیں وہ مست ہو جائے
یہ تیری نیلی آنکھیں وہ سبحان اللہ
جن میں ڈوب کر ہر نشہ بیکار ہو جائے
یہ تیرے ناز و انداز دیکھ کر
ہر شخص تیرا دیوانہ ہو جائے
یہ تیرا چکر وہ سبحان اللہ
چاند بھی دیکھ کر جسے شرمائے
نہ جانے وہ کون ہے خوش نصیب
جس کی دل نشین محبوبہ تو بن جائے
محمد اوریس مجروح۔ لاہور

یاد ماضی مجھ پر ایک قہر کرے ہے ہر
نادم لیکن ان سے چاند کا کھڑا لگتا ہے
جانے تو اسے یاد بھی ہو ممتاز ذرا سوچو
جس کے لئے تو سارے جہاں سے بکڑا لگتا ہے
ممتاز احمد، فیصل آباد

غزل

تو نے کنول نہ جانے آج پھر کس لئے بلایا تھا
میں تو تیری گھنٹوں کو بہت پہلے چھوڑ آیا تھا
مگرے ہوئے موسم کی چاہتیں لے کر
میں تیری یاد کی کلیاں سیٹھ لایا تھا
سلگتی دھوپ میں کیسے گلاب ملے تھے
سارے موسموں پر تیری چاہت کا سایہ تھا
اس وقت تجھے منانا روک دیتا نہ جانے دیتا
بہت دیر ہو گئی جب یہ احساس خطا یاد آیا تھا
محبت میں کہاں واپسی ہوتی ہے کنول
میں تو اپنی آخری کشتی بھی جلا کر آیا تھا
جو کچھ لکھا ہے میرے عہد کی صداقت ہے
تجھ سے یادوں کا رشتہ جو نہ ٹوٹ پایا تھا
ڈاکٹر طارق جاوید، فورٹ عباس

غزل

اے میرے ہم نشین چل کہیں اور چل
اس چمن میں ہمارا گزارا نہیں
بات ہوتی گھوٹ کی تو سہ لیتے ہم
اب تو کانٹوں پہ بھی حق ہمارا نہیں
جب بھی اہل چمن کو ضرورت پڑی
خون ہم نے دیا گردنیں کٹ گئیں

مجلہ سچانچ

انچارج
روبینہ کوثر
کوپن ماہ اکتوبر 2014ء

اس عنوان کے تحت آپ ہمیں اقوال زریں، لطیفے اور معلوماتی تحریریں بھیج سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ اس ماہ کا کوپن کاٹ کر ارسال کریں۔ اگر آپ کوپن نہ بھیجنا چاہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ جو خواتین اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کا پی لازمی روانہ کریں۔

کچھ گلستان..... ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

چاروں طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے۔

○ جنگی جنون اکثر امن پسندی کے بطن سے پیدا

ہوتا ہے۔

○ ظاہر پر نہ جانا آگ سرخ نظر آتی ہے لیکن

اس کا جلایا ہوا خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔

☆ بشارت صدیق۔ لاہور

بینارنور.....!

ایچھے مسلمان کو چھ خود لاحق ہوتے ہیں

✽ اللہ تعالیٰ کا خوف کہ وہ اس سے ایمان کی دولت

نہ چھین لے۔

✽ فرشتوں کا خوف کہ وہ اس کے گناہوں کو نہ دیکھ

لیں۔

✽ شیطان کا خوف کہ وہ اسے اپنے جال میں نہ جکڑ

لے۔

✽ موت کے فرشتے کا خوف کہ وہ اچانک روح قبض

نہ کر لے۔

✽ دنیا کا خوف کہ آخرت سے غافل نہ کر دے۔

✽ اہل و عیال کا خوف کہ انسان اس میں مشغول ہو

✽ بنارس سچی کہانی لاہور 203 ✽ اکتوبر 2014ء



انمول موتی

○ شیشہ ریت کی دیوار ہے اس کو اپنے معاملے

کی کسی بڑی اور مضبوط عمارت کا ایک جز بنانا

نادانی ہے۔

○ زندگی کو بد مزہ بنانا ہو تو اپنا ایک مخالف پیدا کر

لو۔

○ جینے کے لئے ضروری ہے کہ زہر پینے کی

عادت ڈالی جائے۔

○ عافیت اور امن درکار ہے تو آنکھ اور کان

سے زیادہ کام لو۔ اور زبان بند رکھو۔

○ محبت جذبات کا ایک گہرا سمندر ہے جو

کرا اللہ کو نہ بھول جائے۔

”یہ پہلی کے چاند ہیں۔“

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

کس کھاتے میں ہو.....؟

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا جنتی خاتون

ٹرین کے ایک ڈبے میں چینگ ہو رہی تھی تقریباً تمام مسافر ہی بغیر ٹکٹ سفر کر رہے تھے۔ چیکر نے ایک آدمی سے پوچھا۔

عہد رسالت ﷺ کے ایک مقدس دن کا ذکر ہے۔ ایک دن رحمت عالم ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ۔

”تمہارا ٹکٹ کہاں ہے؟“ مسافر بولا۔

”اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی جنتی خاتون سے نکاح کرے تو اس کو چاہیے اُم ایمن سے نکاح کر لے۔“

”میں ریلوے کا ملازم ہوں۔“ چیکر نے دوسرے مسافر سے پوچھا۔

یہ وہ خاتون ہیں جس کو سرور دو عالم ﷺ نے

”تمہارا ٹکٹ کہاں ہے؟“ اس نے جواب دیا۔

جنت کی بشارت دی۔ آپ سرکار ﷺ کی والدہ کے

”میں اسٹیشن ماسٹر کا بیٹا ہوں۔“ اسی طرح

ساتھ کثیرہ کے طور پر رہتی تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی

تمام مسافروں نے اپنی جان بچائی۔ مگر ایک صاحب

خدمت کرتی تھیں۔ سید البشر ﷺ کی ولادت باسعادت

رہ گئے۔ چیکر نے اس سے پوچھا۔

کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خبر گیری اور خدمت پر

”بھائی! تم کس کھاتے میں ہو؟“ وہ آدمی بولا۔

معزور تھیں۔ نبی پاک ﷺ انہیں امی کہہ کر پکارا کرتے

”جناب! میں آپ کے کھاتے میں ہوں۔“

تھے اور بہت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔

☆ امن فضاء۔ پشاور

کبھی کبھی ان کی دلجوئی کے لیے بڑا لطیف باادب

ہنس بیٹی

پاکیزہ مزاح بھی فرماتے تھے۔

ہم ایک مرتبہ پارک میں اپنے ایک دوست

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو سبقت فی الاسلام کی

کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے کہ اچانک ہمارا ایک

سعادت بھی نصیب تھی۔ جب نبی پاک ﷺ نے

دوست وہاں آگیا۔ میں نے اپنے دوست سے آنے

لوگوں کو نکاح کی رغبت دلائی۔ تب یہ بیوگی کی زندگی

والے دوست کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

گزار رہی تھیں۔ حضور ﷺ کے متنی بیٹے حضرت زید

”جناب! ان سے ملیئے یہ ہیں ہمارے دوست

بن حادثہ رضی اللہ عنہ نے جب رسول کریم ﷺ کی زبان

چاند صاحب۔“ ہمارے دوست نے کہا۔

اقدم سے اس معزز خاتون کے جنتی ہونے کی بشارت

”موصوف بہت دبلے پتلے ہیں؟“ میں نے

سنی تو ان سے نکاح کر لیا۔ انہی کے بطن سے محبوب

کہا۔

رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔

نے ایک خادم کو حکم فرمایا۔ وہ جلدی سے ایک اونٹ سواری کے قابل لے آیا۔ آپ ﷺ نے اس کی نکیل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو پکارتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

”امی! ذرا دیکھئے یہ اونٹ ہی کا بچہ ہے یا کچھ اور؟“ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا رحمت عالم ﷺ کے اس شفقت بھرے مزاح کو سمجھ گئیں اور بے اختیار ہنسنے لگیں اور آپ ﷺ کو دعائیں دینے لگیں۔

☆ عبد الحمید، فیصل آباد
موبائل نمبر 0344-7865442

عورت

میں شوہر کی نظر میں عورت شائنگ کرنے کی مشین ہے۔

میں عاشق کی نظر میں ایک ایسا پھول ہے جو دل کو سحر کرے۔

میں دھوبی کی نظر میں ایک ایسا کپڑا ہے جو تعریف کے صابن سے دھویا جاسکتا ہے۔

میں قصائی کی نظر میں ایک ایسی چھری ہے جو ذبح کرتی ہے مگر خون نہیں کرتی۔

میں شاعر کی نظر میں قدرت کا مجموعہ ہے۔
☆ نضاء ماہرہ۔ پشاور

انسان اور پھول

گلستان میں کھلنے والا ہر پھول خوشنما اور دل فریب ہوتا ہے۔ بظاہر حسن کا مجسمہ، یکسانیت کا حامل مگر ان کا مقدر..... ایک طرف سرے کی سجاوٹ اور دوسری طرف قبر کی ریت۔ کہیں محبت کی نشانی سمجھ کر کارل یا بالوں میں لگایا جاتا ہے تو بعض اوقات

ایک دن یہ بزرگ خاتون حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضور ﷺ فوراً می می کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ انہیں بڑے ادب سے بٹھایا پھر بے حد پیار سے پوچھا۔

”امی! آج کیسے تشریف آوری ہوئی؟“ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ۔

”اللہ کے رسول ﷺ مجھے ایک اونٹ کی ضرورت ہے۔ اس عرض سے آئی ہوں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا۔

”امی! اونٹ کا کیا کریں گی؟“ تو انہوں نے عرض کیا۔

”اللہ کے رسول ﷺ آج کل ہمارے پاس سواری کے لیے کوئی جانور نہیں ہے سفر دور دراز کا ہوتا

بڑی دقت پیش آتی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

”اچھا تو میں اونٹ کا بچہ پیش کر دیتا ہوں۔“ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

”میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔“ بھلا میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گی۔ مجھے تو سواری

کے لیے اونٹ کی ضرورت ہے۔“ حضور اللہ ﷺ نے بڑی محبت سے فرمایا کہ۔

”میں تو اونٹ کا بچہ ہی دوں گا۔“ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

”حضور ﷺ! اونٹ کا بچہ میرے کس کام آئے گا؟“ حضور ﷺ نے پھر فرمایا۔

”امی! آپ کو اونٹ کا بچہ ہی ملے گا اور میں اسی پر ہی آپ کو سوار کراؤں گا۔“ اس کے بعد نبی پاک ﷺ

میں بکھرے ہوئے رنگوں کی طرح فضا میں چھائی
دھنک کی طرح۔ مگر ختم ہونے کو ایک جھٹکا کافی
ہے۔ یوں تو کالج کی سنہری چوڑیوں کی طرح ٹوٹ
جاتی ہے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہے۔ مگر ریزہ ریزہ
کالج کے خواب ہو کر بکھرنا کوئی نہیں جانتا اور نہ
جان سکے گا۔ مگر پھر بھی وہ ایک بیوی ماں بیٹی اور
بہن ہے۔ عورت آسمان کا آخری تحفہ اور زمین کی
خوشبو ہے۔ عورت کانٹوں کا جنم اور پھولوں کی
خوشبو ہے عورت ایک مضبوط کردار بلند حوصلہ کی
مالک ہے۔

﴿محمد ریاض—————ملتان﴾

مفید چٹکے

اگر کسی آدمی کے سر کے بال وقت سے پہلے
جھڑ گئے ہوں تو وہ رشتہ دار ہو چند مفید اور آسان
چٹے حاضر ہیں انشاء اللہ فائدہ ہو گا۔

1۔ عمدہ اور تازہ تمباکو کے پھول لے کر کڑوے
تیل میں پیس کر ڈال لیں اور اس جگہ لگائیں جہاں
بال اگنے ہوں چند بار کے لیپ سے سٹخ دور ہو جاتا
ہے۔

2۔ کالی مرچ پیس کر اس جگہ مسلسل لیپ کریں
جہاں سے بال اڑ گئے ہوں انشاء اللہ دوبارہ بال اگ
آئیں گے۔

3۔ سبز دھنیے کا پانی لے کر سر پر لگایا کریں اگر اس کا
موسم نہ ہو تو خشک دھنیہ نہایت باریک پیس کر
روزانہ لیپ کریں چند روز کے لیپ سے گج دور ہو
جائے گا۔

4۔ بسن کو روغن زیتون میں کھل کریں اور اس
میں قدرے انڈے کی سفیدی ملائیں بس دوا تیار

نفرت سے پاؤں تلے مسل دیا جاتا ہے۔ جب کہ
پھول پودے پر ہی اپنا دامن چاک کر لیتے ہیں گویا
پھول کا مقدر کائنات کے اس گلشن میں انسان کی
مانند ہے۔

☆ سین بشارت۔ لاہور

محبت

○ محبت ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان کی روح کی
گہرائیوں میں اتر کر نور کی مانند پھیل جاتی ہے
○ محبت ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو ایک غریب کی
جھوپڑی اور ایک امیر کے شہستان میں یکساں طور پر
جنم لیتا ہے

○ محبت روحانی قربت کا نام ہے
○ محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔
یہ کہتا سر اسرار غفاری ہے۔ ملکہ محبت ہر ذی الارواح
میں جنم لیتی ہے۔

○ محبت سیاروں جہاز نہیں ہے۔ یہ انسان کی
پر نازل ہوتا ہے۔

○ محبت ایک مقدس جذبہ ہے جو انسان کی اخلاقی
خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔

○ محبت انسان کا فطری تقاضہ ہے۔

○ محبت سورج کی ان کرنوں کی مانند ہے جو چار سو
پھیل کر کائنات کو منور کر دیتی ہیں۔

○ محبت ایک عبادت ہے اور ہوس سے پاک ہے۔

○ محبت وہ بینائی ہے جسے نابینا بھی پاسکتا ہے۔

○ ہم سب محبت کے لیے پیدا ہوئے ہیں یہ ہمارے
وجود کا بنیادی اصول ہے۔

پرنس محمد الیاس۔ ساہیوال

عورت

عورت ایک نازک چوڑی ہے، دیکھوں تو کائنات

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک دہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئیز

☆ کوپن برائے ماہ اکتوبر 2014ء ☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اس ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کا پی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ انٹریز اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع..... کٹنگ یا اوور رائٹنگ فوٹو کا پی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہمیں ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہو جانا چاہیے۔

1- سوال..... ”پاٹھا“ نامی جانور کس ملک میں زیادہ پایا جاتا ہے.....؟

جواب

2- سوال..... اس کھیل کا نام بتائیں جس میں ہر کھلاڑی کی اپنی گیند ہوتی ہے.....؟

جواب

3- سوال..... انسان نے چاند پر کب قدم رکھا.....؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

(3) زمین کے نزدیک سیارے کا نام ”زہرہ“ ہے۔

اس ماہ کی وز ہیں ”زوبیہ دیہہ ضلع جہلم“

سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

(ادارہ ماہنامہ سچی کہانی لاہور)

ماہ ستمبر 2014ء کے درست جوابات

(1) جامع مسجد ”استقلال“ ملک ”انڈونیشیا“

میں واقع ہے۔ (2) پاکستان کے صوبے ”خیبر

پختونخوا“ میں سب سے زیادہ جنگلات ہیں۔

کھ..... سچی کہانی کوئیز۔ 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہے۔ جہاں بال اگانے ہوں مالش کریں۔

﴿ثروت جہاں۔۔۔ منڈی بہاؤالدین﴾

انسان کے روپ

○ جو مال سے محبت کرتا ہے وہ قارون بن جاتا ہے۔

○ جو موت سے محبت کرتا ہے وہ چنگیز بن جاتا ہے۔

○ جو جو ملک سے محبت کرتا ہے وہ سکندر بن جاتا ہے۔

○ جو عدل سے محبت کرتا ہے وہ ہارون بن جاتا ہے۔

○ جو خدا سے محبت کرتا ہے وہ مومن بن جاتا ہے

﴿سید عابد حسین۔۔۔۔۔ ایبٹ آباد﴾

تابعہ اریاں

ایک محفل میں ایک خاتون نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا ”ہنوا میں نے برتن صاف کرنے کے لیے بہت سی چیزیں استعمال کیں لیکن یقین کرو شوہر سے بہتر کسی کو نہ بابا“

ایک تجربہ کار شادی شدہ عورت کا کہنا ہے کہ میں اپنے سرتاج کی کٹینر بن کر رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں کیونکہ اس طرح میں اپنے شوہر سے اپنے سارے احکامات کی با آسانی بجا آوری کرا سکتی ہوں۔

ارشاد محمود آسی گجرات

”حرم شریف کے متعلق“

1- حرم شریف میں آٹھ ہزار نیکے ہیں۔

2- حرم شریف میں ۵۵۰۰۰ ہزار بلب اور ٹیوب لائٹس ہیں۔

3۔ حرم شریف کے اندر تیرہ سو چونسٹھ جھاڑ فانوس ہیں جن کے اندر ۲۱ ہزار بلب ہیں۔

4- حرم شریف کے اندر چار ہزار لاؤڈ اسپیکر ہیں۔

5۔ حرم شریف کے اندر چار سو پچاس گھنٹیاں ہیں۔
یہ دنیا کی چھ زبانوں میں ہیں اور کچھ گھنٹیاں چار
اُٹل والی ہیں۔

6- حرم شریف کے میناروں پر ۱۴ سرچ لائٹس
ہیں۔ ہر سرچ لائٹ میں دو بلب ہیں۔

7- 7م شریف کے ۳۵ دروازے ہیں۔

﴿ آفتاب احمد ----- راولپنڈی ﴾

زندگی کیا ہے؟

○ زندگی ایک محبت ہے اس سے لطف اٹھاؤ۔

○ زندگی ایک خوبصورت ہے اس کی قدر کرو۔

○ زندگی ایک کوشش ہے اس کو قبول کرو۔

○ زندگی ایک جرات ہے اس کا سامنا کرو۔

○ زندگی ایک چیلنج ہے اس کو قبول کرو۔

○ زندگی ایک غم ہے اس پر قابو پاؤ۔

○ زندگی ایک فرض ہے اس کو پورا کرو۔

ملک اختر حسین

اقوال زریں

جس دل میں برداشت کرنے کی قوت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔

○ زندگی ربڑ استعمال کیے بغیر تصویریں بنانے کا نام

(مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔)

زندگی کی ضرورتیں کم کرنے سے راحت ہوتی

میں فضل حسین۔ تحصیل کھاریاں